معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظ رضویہ

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

خواجہ بک ڈپو

دہلی

معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظ رضویہ

حصہ دوم

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

KHWAJA BOOK DEPOT

419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6 Mob: 9313086318, 9136455121
Email: khwajabd@gmail.com

فہرست مضامین

چھٹا وعظ

ساتواں وعظ

آٹھواں وعظ

نواں وعظ

دسواں وعظ

گیارھواں وعظ

بارھواں وعظ

تیرھواں وعظ

چودھواں وعظ

پندرھواں وعظ

سولھواں وعظ

سترھواں وعظ

تیسواں وعظ

اکتیسواں وعظ

بتیسواں وعظ

تینتیسواں وعظ

چونتیسواں وعظ

پینتیسواں وعظ

چھتیسواں وعظ

ooo

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا وعظ

شہادت کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (پارہ:2، رکوع:3)

ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اُس ذاتِ بابرکات حبیب کبریا امام الانبیاء پر کہ جس کی اُمت کو سب اُمتوں سے بہتر قرار دیا اور مومنوں کے رُتبے کو بہت بلند کیا۔

اس آیت کریمہ کا مطلب ہے: جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں اپنی جان پر کھیل گئے ہیں انھیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ وجاوید ہیں لیکن یہ بات تمہارے شعور سے باہر ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ پہلے لوگ شہدا اور غیر شہدا کو ایک جیسا سمجھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ: یا اللہ! جو لوگ تیری راہ میں جان دیتے ہیں ان کے لیے کوئی شرف خاص کردے، تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ط ماشاء اللہ زندگی اسی کی ہے جس نے محبت خالق اور رضائے معبود کے لیے جان دی۔ شیخ حمید الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ہر کہ از بہر دوست کشتہ نشد گرچہ بسمل کنیش مردار است

آقائے نامدار تاجدار مکی ومدنی ﷺ فرماتے ہیں: طُوْبٰی لِمَنْ مَاتَ فِیْ سَبِیْلِ

اللہِ طُوْبٰی لِمَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ۔ یعنی اس کے لیے بشارت ہے جس نے اللہ کی راہ میں جان دی اور اس کے لیے بھی خوش خبری ہے جو راہِ حق میں شہید ہوا۔

زیارتِ قبور

سرکارِ مدینہ تاجدارِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُحد سے لوٹے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی قبور پر کھڑے ہو کر فرمایا: اَشْھَدُ اَنَّکُمْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ اللہِ فَزُوْرُوْھُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَیْھِمْ ط فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ اِلَّا رَدُّوْہُ۔

سبحان اللہ! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جان دینے والے زندہ ہیں، ہمارے سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ہمیں اُن کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا چاہیے۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ اس بات سے منکر ہیں۔ کیا وہ مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں؟

شانِ شہید

''دلائلِ نبوت'' میں ہے کہ صحابہ نے الگ مکان میں گڑھا کھودا، نیچے ایک تختہ آیا۔ جب اُس کو ہٹا کر دیکھا تو ایک تخت پر ایک صاحب بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے قرآن مجید موجود ہے جس کی وہ تلاوت کر رہے ہیں اور ان کے آگے سبز باغیچہ ہے۔ صحابی نے سمجھ لیا کہ یہ صاحب کوئی شہید ہیں جن کے چہرے پر کچھ زخم نظر آتا تھا۔ (شرح الصدور، صفحہ:85)

زین الدین بوشی کہتے ہیں کہ جب فقیہ عبدالرحمن نویری رحمۃ اللہ علیہ منصورہ میں باقی مسلمانوں کے ساتھ فرنگیوں کی قید میں تھے تو آپ نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور آیت پڑھی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ۔

شہید زندہ ہے

جب آپ کو شہید کر دیا گیا تو ایک فرنگی نے آپ سے پوچھا: اے مسلمانوں کے عالم!

تُو کہتا ہے کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور رزق کھاتے ہیں۔ یہ کیسے صحیح ہے؟ تو اس شہید نے اپنا سر اُٹھایا اور فرمایا: حَیٌّ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ حَیٌّ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔

مَیں زندہ ہوں کعبہ کے رب کی قسم، کعبہ کے رب کی قسم! میں زندہ ہوں۔

فرنگی اپنے گھوڑے سے اُترا اور آپ کے چہرے کو بوسہ دیا اور غلام کو حکم دیا کہ ان کو اُٹھا کر اپنے شہر میں لے آئے۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

حکایت 1:

امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ مدینہ طیبہ سے زیارتِ قبورِ اُحد کو لے گئے، جمعہ کا دن تھا سورج ابھی طلوع نہ ہوا تھا۔ میں اپنے باپ کے پیچھے تھا۔ قبروں کے پاس پہنچ کر انھوں نے بہ آواز بلند کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ جواب آیا: وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا اَبَا عَبْدِ اللہِ! باپ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور پوچھا: اے میرے بیٹے تو نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں، انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر داہنی طرف کرایا اور ان کو سلام کیا۔ پھر ویسا ہی جواب آیا۔ تیسری دفعہ پھر سلام کیا تو پھر وہی جواب ملا۔ تب میرے والد اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر میں گر پڑے۔ (شرح الصدور، صفحہ:88)

حکایت 2:

ابن جوزی نے اپنی کتاب ''عیون الحکایات'' میں باسند لکھا ہے کہ شام کے ملک میں تین بھائی شہ سوار اور بڑے بہادر تھے جو جہاد کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رومیوں نے انھیں گرفتار کر لیا اور شاہِ روم نے کہا کہ اگر تم نصرانی دین اختیار کر لو تو میں تمہاری شادی اپنی بیٹیوں سے کر دوں گا اور ملک و سلطنت بھی عطا کروں گا۔ انھوں نے انکار کر دیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غائبانہ مدد چاہی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ زیتون کے تیل کی تین دیگیں چڑھاؤ جو تین روز تک کھولتی رہیں۔ ان مجاہدوں کو ہر روز ان دیگوں کے پاس لایا جاتا اور نصرانیت کی دعوت دی جاتی لیکن وہ اپنے مذہب کے پابند تھے، نہ مانے۔ نصرانیوں نے پہلے بڑے بھائی کو دیگ میں ڈالا پھر منجھلے کو اور چھوٹے کو قریب لایا گیا تو وزیر نے کھڑے ہو کر کہا کہ

بادشاہ سلامت! اس جوان کو میرے سپرد کر دیا جائے میں اسے اکیلے دین سے پھیر لوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عربوں کو عورتوں سے محبت ہوتی ہے اور میری بیٹی جو پورے روم میں سب سے حسین ہے، اسے اکیلے سپرد کروں گا جو کامیاب رہے گی۔ چنانچہ 40 دن کے لیے وہ جوان وزیر کے سپرد کر دیا گیا۔ وزیر اسے گھر لے آیا اور اپنی بیٹی کو تمام معاملہ سمجھا دیا۔ لڑکی اس جوان کو دین اسلام سے پھیرنے کے لیے دن رات اس کے پاس رہتی تھی۔ وہ خوش خو جوان دن بھر روزہ رکھتا اور رات عبادت میں بسر کر دیتا اور لڑکی کی طرف مطلق توجہ نہ کرتا۔ جب 40 دن کی مدت پوری ہوگئی تو وزیر کے استفسار پر لڑکی نے کہا کہ: شاید جوان اپنے دو بھائیوں کی شہادت کے غم میں میری طرف توجہ نہیں کرتا، تم بادشاہ سے مدت میں توسیع کراؤ۔ چنانچہ مدت بڑھا کر ان دونوں کو دوسرے شہر میں بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی وہ جوان مجاہد دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت میں مشغول رہتا۔ جب چند دن میعاد کے باقی رہ گئے تو لڑکی نے کہا: اے نوجوان! تیری اس عبادت نے میرے دل پر اثر کیا ہے، اس لیے میں اپنا دین چھوڑ کر تیرا دین قبول کرتی ہوں اور وہاں سے نکل بھاگنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لڑکی نے سواری کا بندوبست کیا اور وہ رات کو نکل گئے۔ اس طرح کہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ رہتے حتیٰ کہ ایک رات انھوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی، دیکھا تو اس جوان کے دونوں بھائی فرشتوں کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں جوان نے ان کو سلام کیا اور ان کا حال پوچھا: بولے کہ ہم کو جو دیگ میں ڈالا گیا وہ تو ایک غوطہ تھا اور ہم سیدھے جنت میں پہنچ گئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تیرا نکاح اس لڑکی سے کرنے کے لیے آئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے نکاح پڑھا اور واپس ہو گئے اور وہ جوان اپنی دلہن کے ہمراہ ملک شام میں پہنچ گیا۔ یہ ہے شہدا کی زندگی جس پر بعض لوگوں کا اعتقاد نہیں۔ (شرح الصدور، صفحہ: 89)

اب ذرا اس کالی کملی والے امام المتقین سید المرسلین ﷺ کی امت میں شوقِ شہادت ملاحظہ فرمائیے: حضور اکرم ﷺ جب جہاد کے لیے بلاتے تھے تو لوگ شہادت کا رتبہ پانے کے لیے بے تابی سے بھاگتے تھے، حتیٰ کہ چھوٹے لڑکے بھی شہادت کے مرتبے سے سرشار ہونے کے لیے دوڑے آتے تھے۔

شوقِ شہادت

غزوۂ تبوک میں رومیوں کے خلاف لڑنے کے لیے حضور ﷺ نے جہاد کا اعلان فرمایا تو لوگ اس قدر جمع ہوگئے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ ہمارے پاس سواری کا انتظام نہیں اور کئی ایک کو واپس کر دیا اور جہاد کے لیے روانہ ہوئے تو سامانِ رسد اور سواری کا یہ حال تھا کہ آٹھ آٹھ جانبازوں کے پاس صرف ایک سواری تھی جس پر باری سے سوار ہوتے تھے۔ ماشاء اللہ، سرفروشی کا کیا نرالا جذبہ ہے اُمتِ محمدیہ میں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ کے ایک نوجوان صحابی کی شادی ہوئی۔ جس روز دلہن گھر آئی اُسی شام جہاد کی تیاری کا اعلان ہوا۔ صبح ہوتے ہی وہ جوان صحابی جہاد کے لیے تیار ہوگیا یہاں تک کہ غسل تک کا موقع نہ ملا۔ حال یہ ہے کہ خوب صورت دلہن فریاد کر رہی ہے کہ میری محبت کا واسطہ آپ رُک جائیں کیوں کہ میرے تو ابھی دل کے ارمان ہی پورے نہیں ہوئے۔ لیکن وہ بہادر جوان جس کے دل میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سمائی ہوئی تھی کب ماننے والا تھا۔ ایک طرف بیوی اپنی محبت کا واسطہ دے رہی ہے اور دوسری طرف اللہ اور رسول کی محبت غالب ہے۔ بیوی کی محبت نے ہار مان لی اور اپنے محبوب دولہا کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ صحابی جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اللہ کی محبت میں سر کٹانے والوں کا رتبہ دیکھیے کہ جب جنگ ختم ہوئی تو حضور نے اوپر نگاہ فرمائی تو دیکھا کہ فرشتے اس صحابی کو غسل دے رہے ہیں۔ فرزندانِ توحید کی سرفروشی کا حال ملاحظہ ہو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں میرے دائیں اور بائیں طرف دو انصاری بچے معوّذ اور معاذ تھے، جو نا تجربہ کار تھے۔ ایک نے مجھ سے پوچھا کہ: اے چچا! تم ابو جہل کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: سنا ہے کہ وہ ہمارے رسولِ مقبول کو بُرا کہتا ہے۔ اگر میں اسے دیکھ لوں تو اس سے جدا نہ ہوں گا، جب تک ہم دونوں میں سے ایک نہ مر جائے۔ اس کے بعد دوسرے نے بھی یہی کہا۔ اتنے میں

ابوجہل نے گھوڑا میدان میں ڈالا، مَیں نے ان بچوں کو بتایا کہ وہ ہے جسے تم پوچھ رہے تھے۔ یہ سُن کر وہ دونوں بچے باز کی طرح ابوجہل پر جھپٹے اور اسے گرالیا۔ اسی دوران ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر کے ان کا بازو کاٹ دیا جواُن کے کندھے سے لٹک گیا، لیکن اس کے باوجود وہ جنگ لڑتا رہا اور جب زیادہ تنگ ہوا تو بازو کو اپنے پاؤں تلے کھینچ کر جدا کر دیا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:352؛ مدارج النبوت، صفحہ:122)

ابوخدامہ شامی فرماتے ہیں کہ میں ایک قوم پر امیر تھا میں نے لوگوں کو جہاد کی دعوت دی۔ جب ہم نے دشمن کے مقابل صف آرائی کی اور جنگ شروع ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں ایک چھوٹا بچہ جنگ کر رہا ہے۔ میں نے اس پر رحم کھاتے ہوئے اسے واپس جانے کے لیے کہا تو اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ واپس جانے سے روکتا ہے کیونکہ اس کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ۝

(سورۂ انفال، آیت:15)

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو میدانِ جنگ میں تو انھیں پیٹھ نہ دو۔

حضرت قوامہ کا واقعہ

پھر اس نے تین تیر مجھ سے قرض مانگے جو میں نے اسے اس شرط پر دیے کہ اگر شہادت پائے تو اللہ کے حضور میری سفارش کرے۔ اس نے وعدہ کیا اور ان تیروں سے تین کافر قتل کیے۔ پھر اسے دشمن کی طرف سے تیر لگا تو میں نے اسے اپنا وعدہ یاد دلایا۔ اس نے کہا کہ میں تمہارا وعدہ نہیں بھولوں گا لیکن میری اماں جان کو میرا سلام عرض کرنا۔ جب اس کی روح نکل گئی تو مَیں نے اُسے قبر میں دفن کر دیا مگر زمین نے اسے باہر نکال دیا۔ میں نے خیال کیا شاید وہ اپنی ماں کی اجازت کے بغیر جنگ میں شریک ہوا ہو۔ پھر میں نے دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کی اتنے میں ایک آواز آئی کہ: اے ابوقوامہ! اللہ کے ولی کو چھوڑ دے۔ پھر کچھ پرندے آئے اور اس کو کھا گئے۔ جب اس کی ماں کو اس شہادت کی خبر دی تو اس نے کہا اس کی نشانی کیا ہے؟ میں نے کہا: اس کو پرندوں نے کھالیا ہے۔ اس عورت نے کہا: واقعی تو سچا ہے۔ کیونکہ وہ دعا مانگا کرتا تھا کہ: یا اللہ! میرا حشر پرندوں کے پیٹوں میں کر اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول فرما

لیا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:161)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ۝ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں۔

غزوۂ بدر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: اُٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین اور آسمان سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک صحابی عمیر بن الحمام نے کہا: واہ واہ، واللہ! مجھے یہ تمنا ہے کہ میں اہلِ جنت سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: تو بھی جنتی ہے۔ وہ چند کھجوریں تھیلے سے نکال کر کھانے لگا اور پھر بولا کہ اگر میں یہ کھجوریں کھانے تک زندہ رہا تو زندگی بہت لمبی ہو جائے گی۔ ان کھجوروں کو پھینک دیا اور کفار سے جا کر لڑنے لگا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:331)

خون کا پہلا قطرہ

طبرانی اور بیہقی یزید بن شجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِ الشَّهِيْدِ تُكَفَّرُ عَنْهُ كُلُّ شَيْءٍ عَمَلِهٖ وَتَنْزِلُ اِلَيْهِ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعَيْنِ تَمْسَحَانِ التُّرَابَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ يُكْسٰى مِائَةَ حُلَّةٍ لَيْسَتْ مِنْ نَسْجِ بَنِيْ اٰدَمَ وَلٰكِنْ مِنَ الْجَنَّةِ۝

ترجمہ: جب شہید کا پہلا قطرۂ خون گرتا ہے تو اس کا ہر بُرا عمل معاف ہو جاتا ہے۔ دو حوریں جو اس کی جنتی بیویاں ہوتی ہیں اس کے پاس آتی ہیں اور اس کے چہرے سے غبار پونچھتی ہیں۔ پھر اس کو سَو طرح کے پوشاک پہناتی ہیں جو انسان کی بنی ہوئی نہیں بلکہ جنت سے آتی ہے۔

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا، وہ جنگ میں شہید ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کے سرہانے تشریف لے گئے، تبسم فرمایا اور پھر چہرۂ اقدس اس سے پھیر لیا۔ جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ: مسرور ہونا اس لیے تھا کہ میرے پروردگار کی طرف سے کرم و فضل اس

کی روح پر برستا ہوا دیکھا اور منہ اس لیے پھیر لیا کہ ابھی اس کے پاس اس کی بیوی خود آ گئی جو اس کے سرہانے کھڑی ہوگئی۔ (شرح الصدور، صفحہ:84)

شہادت کی لذت

شہید کو وقتِ شہادت ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔ گلے کا کٹ جانا اسے شہد سے بھی زیادہ میٹھا محسوس ہوتا ہے۔ شہید کو چونکہ وقتِ شہادت دیدارِ جمالِ خداوندی حاصل ہوتا ہے، وہ اس میں اس قدر محو و مستغرق ہوتا ہے کہ اگر اس کے جسم سے ٹینک بھی گزر جائیں تو اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلشَّہِیْدُ لَا یَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا کَمَا یَجِدُ اَحَدُکُمْ اَلَمَ الْقَرْصَۃِ۔ (رواہ الترمذی، نسائی، دارمی)

شہید کا رتبہ

شہید کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام نے ہر زمانے میں اس کی خواہش کی ہے۔ حضور نبی اکرم حبیب ربانی حضرت محمد مصطفی ﷺ جو جمیع صفات و کمالات کے حامل تھے، بھی اس مرتبے کی آرزو رکھتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ میں تمام انبیاء و مرسلین کی خوبیاں موجود تھیں۔ ایک شاعر لکھتے ہیں:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور کی بے مثال زندگی کی مثال سَو کے عدد کی سی ہے۔ جس میں ایک سے مل کر 100 تک کے تمام اعداد شامل ہیں۔ بعینہ وہ تمام خوبیاں جو کم و بیش تمام انبیاء میں پائی جاتی تھیں حضور میں سب جمع تھیں۔ اب چونکہ بعض انبیاء کے حصے میں مرتبۂ شہادت بھی آیا، لہٰذا ضروری تھا کہ حضور ﷺ جامع کمالات بھی اس مرتبے سے سرفراز ہوتے لیکن اگر یہ مرتبہ بھی بالذات آپ پر جاری ہوتا تو کفار اور منافق عوام کو گمراہ کرتے اور کفر کی طرف اُکساتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے آپ کے چھ مظاہر کو خلعتِ شہادت عطا فرمایا۔ ان پر جاری ہونا گویا آپ پر جاری ہونا ہے، کیونکہ وہ شکلِ محمدی کے آئینہ دار ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کمالِ شہادت بھی آپ کی ذات میں موجود ہے۔

شہادت کی قسمیں

شرع میں شہادت اس کو کہتے ہیں جس میں اس دارِ فانی سے انتقال کے وقت روح قبض کرنے والے فرشتوں کے علاوہ کسی زمینی مخلوق کو بھی دخل ہو۔ مثلاً: کسی زہریلے جانور کا کاٹنا، درندوں یا پرندوں کا پھاڑنا، جادو سے، قتل سے یا پتھر سے یا زہر سے ہلاک ہونا بھی شہادت میں شامل ہے۔ شہادت کی دو قسمیں ہیں: ایک شہادتِ جہریہ جو معلوم ہوجائے اور شہرت پائے۔ دوسری شہادتِ سریہ جو آسانی سے معلوم نہ ہوسکے اور پردے میں واقع ہو۔

پھر شہادتِ سریہ کی تین قسمیں ہیں: پہلی شہادت خفیہ جو پوشیدہ طور پر واقع ہوئی ہو لیکن کچھ ظہور کی بو پائے، مثلاً: حضرت عمر کو ایک یہودی غلام ابولولو نے 27/ذی الحجہ کو نمازِ فجر میں زخمی کیا اور 29/ذی الحجہ کو آپ شہادتِ خفیہ سے سرفراز ہوئے۔ دوسری شہادت اخفیٰ جو جان پہچان والے، محبت ظاہر کرنے والے کسی شخص کی وجہ سے ہو اور اس کا بھید کھلنا خفیہ شہادت کی طرح بہت کچھ مشکل ہو۔ حضرت امام حسن کو چار مرتبہ منافقین نے زہر دیا اور دو دفعہ آپ کی بیوی جعدہ نے زہر دیا، جو کوفہ کی عورت تھی۔ آخری دفعہ جب جعدہ نے مروان کا بھیجا ہوا زہر ہلاہل خرموں میں ڈال کر دیا تو آپ کو اسہال شروع ہوگئے، جسم کا رنگ سبز ہوگیا اور 29/صفر 50ھ کو شہادتِ اخفیٰ کا مرتبہ پایا۔ حضرت حسن نے اپنے پیارے بھائی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی زہر دینے والے کا نام نہ بتلایا۔ تیسرے شہادتِ مخفیہ جو اپنے عہدِ حکومت میں کسی ادنیٰ کے ہاتھ سے موادات کے پردے میں دیر بعد واقع ہو، جس کا معلوم ہونا بغیر علم و فراست یا اعلانِ الٰہی کے مشکل ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتِ مخفیہ کا صحابۂ کبار تابعین رضی اللہ عنہم کو یقین ہوا لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ شہادت کا سبب وہ سانپ تھا جس نے غار میں آپ کو کاٹا تھا یا وہ زہر ہے جو وفات سے 6/ماہ قبل یہودیہ نے آپ کو دیا تھا۔

شہادتِ جہریہ کی بھی تین قسمیں ہیں: ایک شہادتِ جلیہ جو کچھ دیکھنے والوں کے سامنے واقع ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابن ملجم نے تلوار سے شہید کیا اور آپ کو مرتبۂ شہادتِ جلیہ حاصل ہوا۔

دوسرے شہادتِ اجلیٰ جو وطن میں دشمنوں کے گھر سے واقع ہو اور بے آب ودانہ بند کیا جائے اور اس میں کچھ دن بھی گزریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی مرتبہ حاصل ہوا کیونکہ آپ کو مفسدوں کے ایک گروہ نے شہید کیا۔

تیسرے شہادتِ مجلیہ جو حالتِ مسافرت میں مخالفوں کے ظلم وستم اور خوں ریز لڑائی کے بعد ہو۔ یہ مرتبۂ شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا کے مقام پر حاصل ہوا۔

بس میں اپنے وعظ کو ان ہی الفاظ پر ختم کرتا ہوں۔ واقعۂ کربلا کو اگر بیان کیا گیا تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ واقعۂ کربلا کے لیے سوانح کربلا اور مواعظ وشہادت کا مطالعہ کریں۔ وما علینا الا البلاغ۔

☆☆☆☆☆

دوسرا وعظ

دربیان موت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (سورۂ ملک، آیت:29)

اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو اس لیے تخلیق فرمایا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے بہترین عمل کون کرتا ہے۔

دوستو! اس قادرِ مطلق اور خالقِ برحق نے موت کو بے شک ہماری آزمائش کے لیے پیدا کیا تاکہ ہم اس چندروزہ زندگی میں اپنے اعمال کو نیکی اور یادِ خدا سے آراستہ کر کے اس مالک کی رضا کے مطابق موت کے بعد حیاتِ جاوید سے لطف اندوز ہو سکیں۔

بلاشبہ موت ایک ہولناک شے ہے اور اس کی ہولناکیوں اور تباہیوں کے خوف سے ہی ہم اپنے اعمال کو درست کر سکتے ہیں اور موت کی طاقت اور عظمت سے تو فرشتے بھی خوف کھاتے تھے۔

تخلیق موت

موت کی تخلیق کے بارے میں ''وقائق الاخبار'' میں صفحہ:4 پر مرقوم ہے کہ خالق حقیقی نے موت کو پیدا کر کے اسے ایک ہزار پردوں میں چھپا دیا۔ پھر اس تباہ کار کو آسمانوں اور زمینوں سے بھی زیادہ قوت وطاقت عطا فرما کر ایسی مضبوط اور طویل زنجیروں سے جکڑ دیا کہ ہر ایک زنجیر کا طول ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر تھا۔ چونکہ موت کو حجاب میں رکھا گیا تھا اس لیے فرشتے نہ اس کے مکان سے واقف تھے، نہ اس کی آواز سن سکتے تھے اور نہ ہی اس کی عظمت وحقیقت سے آگاہ تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے عزرائیل سے فرمایا کہ تجھے موت پر مسلط کیا جاتا ہے، اس کو اپنے قبضے میں کرلو۔ فرشتوں نے جب موت کا نام سنا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے کہ اے خالق! موت کیا چیز ہے اور اسے تو نے کہاں چھپا رکھا ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موت کو ظاہر کرنے کے لیے حکم فرمایا کہ اے موت! اپنے پردے دور کردے۔ اس پر موت نے اپنے تمام پردے ہٹادیے۔ تب فرشتوں نے موت کو دیکھا اور نگاہ پڑتے ہی بے ہوش ہوگئے اور ایک ہزار سال تک اسی بے ہوشی میں رہے۔ ہزار سال کے بعد جب ہوش آیا تو عرض کی کہ:

یَا رَبَّنَا اَخَلَقْتَ خَلْقًا اَعْظَمَ مِنْ هٰذَا قَالَ نَعَمْ وَاَنَا اَعْظَمُ مِنْ هٰذَا۔

اے پروردگار! کیا تو نے اس سے بڑی بھی کوئی چیز پیدا کی ہے؟ تو ارشاد ہوا اس سے مَیں کہیں بڑا ہوں۔

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! موت تو بہت زبردست ہے، مَیں اس پر کیسے قابو پاسکتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر قوت عطا فرمائی کہ حضرت عزرائیل نے موت کو پکڑ کر بحکمِ الٰہی اپنے قبضے میں کرلیا۔ اس پر موت نے ایک چیخ ماری اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ اے رب العزت! مجھے اجازت دے کہ مَیں آسمانوں میں اپنا اعلان سنا سکوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی اور موت نے اپنا اعلان اس طرح سے شروع کیا: اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُفَرِّقُ بَیْنَ الْبَنَاتِ وَالْاُمَّهَاتِ۔

مَیں موت ہوں اور وہ موت ہوں جو ماؤں اور بیٹیوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُفَرِّقُ بَیْنَ الْاَخِ وَالْاَخَوَاتِ۔

مَیں وہ موت ہوں جو بھائی اور بہنوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُفَرِّقُ بَیْنَ کُلِّ حَبِیْبٍ۔

مَیں وہ موت ہوں جو دوستوں اور محبوبوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُفَرِّقُ بَیْنَ الزَّوْجِ وَالزَّوْجَةِ۔

مَیں وہ موت ہوں جو خاوند اور بیوی میں جدائی پیدا کرتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُخَرِّبُ الدِّیَارَ وَالْقُصُوْرَ۔

مَیں وہ موت ہوں جو گھروں اور محلوں کو برباد کرتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُعَمِّرُ الْقُبُوْرَ۔

مَیں وہ موت ہوں جو قبروں کو آباد کرتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اَطْعَبُکُمْ وَاُدْرِکُکُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ۔

مَیں وہ موت ہوں جو تم کو ڈھونڈتی ہوں اور پالیتی ہوں، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

وَلَا یَبْقٰی مَخْلُوْقٌ اِلَّا یَذُوْقُنِیْ۔

اور مخلوق میں ایسا کوئی نہ رہے گا جو میرا ذائقہ نہ چکھے۔

چنانچہ اللہ عزوجل نے واضح فرمادیا ہے: کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ یعنی ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

دوستو! ہر جاندار خواہ وہ جن ہو یا بشر، انسان ہو یا حیوان، بادشاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، نبی ہو یا ولی، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا یا جوان وقتِ مقررہ پر ضرور اس حیاتِ مستعار سے ہاتھ دھوئے گا۔ خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں یعنی موت کا ہاتھ اسے بند کمروں میں بھی نہیں چھوڑے گا۔ خواہ وہ زمین کو چھوڑ کر چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہوجائے: ؎

یہ دنیا آخر فانی ہے — اور موت بھی اِک دن آنی ہے

لازم جب مرنا ہی ہے تو ہمیں ہر وقت اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ جو کام بھی ہم کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں اور موت سے ہمارا بچاؤ نہیں کہ ایک روز اعمال کا حساب چکانا ہی پڑے گا۔ تو ان شاء اللہ ہم برائیوں سے بچ کر نیک راہ اختیار کرنے کے قابل ہوسکتے ہیں اور فلاحِ آخرت حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ انسان موت کو یاد کرے اور اپنے اعمال کا حساب کرے کیونکہ موت سے فرار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِیْکُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (سورۂ جمعہ، آیت:8)

(اے محبوب!) فرمادیجیے کہ جس موت سے تم فرار ہوتے ہو وہ کہیں ضرور ملے گی اور تمہیں اس کی طرف لوٹنا ہے جو سب ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے اور تمہارے اعمال سے تمہیں تنبیہ کرے گا۔

ذکرِ موت

میرے بھائیو! اگر یہ بات یاد رہے کہ موت لازم ہے اور کسی صورت اس سے بچا نہیں جاسکتا تو انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوگا نہ اعمالِ غیر حسنہ کی طرف راغب ہوگا۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ موت کو یاد کیا کرو۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں صفحہ:140 پر ترمذی ونسائی اور ابن ماجہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اَكْثِرُوْا ذِكْرَهَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔

موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو کہ یہ لذات کو مٹانے والی ہے۔

ذکرِ موت کا درجہ

''کیمیائے سعادت'' میں صفحہ:734 پر اور ''نزہۃ المجالس'' میں صفحہ:51 پر ایک روایت میں بتلایا گیا ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے حبیب خدا! کوئی شخص شہیدوں کا مرتبہ حاصل کرسکتا ہے؟ (جو شہید نہ ہوا ہو) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: موت کو دن میں 20/بار یاد کرنے والا شہادت کا مرتبہ حاصل کرے گا۔

جانور موت کے حال سے واقف نہیں

میرے دوستو! جس طرح ہم موت کے حال سے واقف ہیں اور اس بات کا اِدراک رکھتے ہیں کہ ہمیں کسی نہ کسی وقت اس عالمِ فانی سے کوچ کرنا ہے اور پھر یوم حساب اپنے اعمال کا حساب چکانا ہے۔ اس طرح جانور موت کا ادراک نہیں رکھتے۔ اگر وہ موت کے حال سے واقف ہوتے تو دنیا میں پرندوں، چرندوں کی یہ رونق دکھائی نہ دیتی اور وہ اس غم میں گھلتے رہتے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ اگر جانور موت کے حال سے اس طرح واقف ہوتے جس طرح کہ تم ہو تو کسی انسان کے کھانے میں فربہ گوشت نہ آتا یعنی جانور موت کے

خوف سے لاغر ہو جاتے۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:724)

حکایت

''نزہۃ المجالس'' میں صفحہ:53 پر ایک حکایت یوں درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جو اونٹ چرا رہا تھا۔ آپ نے ایک موٹے تازے اونٹ کو دیکھا جو مستی میں آکر دوسرے اونٹوں کو کاٹ رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے کان سے پکڑ کر فرمایا کہ: انك ميت۔ بے شک تجھے مرنا ہے۔ جب اونٹ نے یہ الفاظ سنے تو موت اس کو یاد آگئی اور ساری مستی ختم ہوگئی۔ موت کے غم میں کھانا پینا بھول گیا اور لاغر ہوتا گیا۔ چند دنوں کے بعد حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر پھر اس طرف سے ہوا تو اُس اونٹ کو دیکھا کہ وہ دبلا پتلا ہے اور دوسرے اونٹوں سے الگ کھڑا ہے۔ آپ نے چرواہے سے اس اونٹ کا حال دریافت کیا تو وہ عرض کرنے لگا: یاروح اللہ! مجھے اس سے زیادہ علم نہیں کہ ایک روز اللہ کے ایک بندے کا یہاں سے گزر ہوا اور اُس نے اِس کے کان میں کچھ کہا اور چلا گیا۔ اس وقت سے اِس اونٹ نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اس کی یہ حالت ہوگئی ہے۔

افسوس ہے کہ ہمیں انسان ہوتے ہوئے موت کا خیال نہیں حالانکہ ہم اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ ہمیں ضرور مرنا ہے اور ہمارے سامنے روزانہ کئی جنازے اُٹھتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم بُرے کام کرنے سے باز نہیں آتے۔ ہر قسم کا گناہ کرنے سے عار محسوس نہیں کرتے اور اگر کوئی یہ بات کہہ دے کہ اللہ کا خوف کھاؤ، ایک دن مرنا ہے تو ہمیں بجائے خوف کھانے کے موت کا نام لینے والے پر غصہ آنے لگتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ موت کا نام لینے والے نے کوئی بہت بڑا الزام لگا دیا ہے۔ حالانکہ یہ سچ ہے اور موت سے فرار ممکن نہیں۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ۔ (سورۂ جمعہ: آیت:8)

میرے حبیب فرمادیجیے کہ جس موت سے تم فرار ہوتے ہو وہ ضرور تمہیں آئے گی۔

میرے دوستو! جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ موت سے فرار ناممکن ہے تو ہمیں اس

بات کا غصہ کیوں ہو کہ موت ہمیں بھی آئے گی۔ ہم موت سے کہاں بچ سکتے ہیں اور کہاں بھاگ کر جا سکتے ہیں۔ موت کا پنجہ تو بہت سخت ہے۔ وہ ہمیں بند کوٹھریوں اور مضبوط ترین قلعوں میں بھی نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَیْنَمَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ۔

تم خواہ مضبوط قلعوں میں بھی چھپ جاؤ موت تمھیں تلاش کرتی رہے گی۔

حکایت

دقائق الاخبار، صفحہ: 807 پر ایک حکایت یوں رقم ہے کہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک روز حضرت عزرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے، وہاں ایک نوجوان بھی بیٹھا تھا۔ حضرت عزرائیل نے اسے تعجب کی نگاہ سے دیکھا تو وہ جوان کانپ اُٹھا اور عزرائیل علیہ السلام کے جانے کے بعد عرض کرنے لگا: یا حضرت! مجھے بہت خوف آنے لگا ہے۔ ہوا کو حکم دیں کہ مجھے چین میں پہنچا دے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا اور وہ جوان ملک چین پہنچ گیا اور وہاں اس کی روح قبض کر لی گئی۔

پھر ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اے ملک الموت! تم اُس جوان کو اتنی تعجب خیز نظروں سے کیوں دیکھ رہے تھے؟ بولے: یا نبی اللہ! مجھے تو اُس جوان کی روح ملک چین میں قبض کرنے کا حکم ملا تھا لیکن مَیں اس کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھ کر تعجب میں تھا کہ یہ جوان ملک چین میں اتنی جلدی کیسے پہنچ جائے گا؟ حالانکہ آج مجھے اس کی روح ملک چین میں قبض کرنی ہے۔ پھر حضرت سلیمان السلام نے بتایا کہ وہ چونکہ خوفزدہ ہو گیا تھا اس لیے اس کو ہوا کے ذریعے چین بھیج دیا گیا۔

اللہ جل مجدہ نے اس جوان کے لیے کیا کیا اسباب پیدا کیے۔ آخر موت کے پنجے نے اسے جائے مقررہ پر دبوچ لیا۔

جب آخر موت ہی کا لقمہ بننا ہے تو دانائی تو یہی ہے کہ انسان موت کو یاد رکھے اور اس بات کو دل سے فراموش نہ ہونے دے کہ قبر کی تاریک کوٹھری میں اس کا مکان ہو گا، جہاں

خاک کا بچھونا ہو گا۔ اینٹوں کا تکیہ اور بچھو، سانپ اور کیڑے مکوڑوں کی رفاقت نصیب ہو گی اور منکر نکیر امتحان لیں گے۔ پھر عذابِ قبر اور بات یہیں ختم نہیں ہو گی۔ محشر کو جب حساب قائم ہو گا تو اپنے اعمال کا حساب چکانا ہو گا۔ اگر اعمالِ حسنہ غالب آئیں گے تو بے شک جنت کا حق دار ہو گا اور اگر نیکیوں کا پلڑا اہلکا ہوا تو دوزخ ہاویہ میں ٹھکانہ ہو گا۔ فرمانِ خداوندی جل شانہ ہے:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ من مانے عیش میں ہو گا۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ اور جس کا نیکیوں کا پلڑا اہلکا رہا اُس کا ٹھکانہ ہاویہ میں ہو گا۔ جب اتنے امتحانوں سے گزر کر ہی منزلِ مقصود کو پانا ہے تو انسان کیوں نہ اپنے اعمال کو درست کر لے اور کیوں نہ اپنے نفس پر قابو رکھنے کی کوشش کرے۔

نفس پر قابو پانے کا طریقہ

دین و دنیا میں فلاح حاصل کرنے کے لیے نفس پر قابو پانا لازم ہے اور نفس پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم موت اور اس کے بعد کے انجام کو کسی وقت بھی فراموش نہ کریں اور اس کے ساتھ اپنے اعمال کا محاسبہ بھی کرتے رہا کریں۔

شرح الصدور صفحہ: 8 پر اور کیمیائے سعادت صفحہ: 234 پر فرمانِ نبوی یوں درج ہے:
عقلمند وہ شخص ہے کہ جس نے اپنے نفس کو رام کر لیا اور موت کے بعد حساب و کتاب کے لیے عمل کرے۔

موت ایک واعظ

موت کو یاد رکھنے والا انسان عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہوئے گناہوں سے بچتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اپنے پچھلے گناہوں کی معافی کا طلب گار رہتا ہے اور دنیا و مافیہا کو ہیچ خیال کرتا ہے اور معبودِ حقیقی کی عبادت کی طرف حضور دل سے راغب ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ موت سے انسان بہت کچھ نصیحت حاصل کرتا ہے۔

چنانچہ شرح الصدور میں صفحہ:8 پر یہ حدیث بھی مرقوم ہے:

كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ موت پورا پورا واعظ ہے۔

موت کی یاد دل کی سختی کو دور کرتی ہے

انسان اگر موت کی سختی اور موت کے بعد عذابِ قبر اور حساب یوم حشر اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کا خیال دل میں لائے تو انسان کا دل دہل جاتا ہے اور وہ اللہ کے عذاب کے خوف سے لرز کر نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ چونکہ وہ خود رحم کا خواہاں ہوتا ہے۔ اکیلے دل میں دوسروں کے لیے رحم و کرم کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح دل کی سختی دور ہو جاتی ہے۔

شرح الصدور میں صفحہ:9 پر ایک روایت ہے کہ:

ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر دل کی سختی کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا: موت کو بہت یاد کیا کر، اس طرح سے تیرا دل نرم ہو جائے گا۔

موت کی تیاری

دوستو! اس جہانِ فانی میں کوئی شخص ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ یہاں ہر نازنین کو موت کے سانپ نے ڈسا، جس نے زندگی کے پھول چُنے اسے موت کے خار نے زخمی کیا۔ جس نے شرابِ ہستی کو پینے کی کوشش کی اسے خمارِ موت نے بے ہوش کر دیا۔ جس نے دنیا میں خوشیوں کا گنج پایا، اسے موت کا رنج ضرور ملا۔ غرض کہ اس چمن کے ہر نہال کو خزاں کے ہاتھ نے نیست و نابود کر دیا۔ کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے ہر ذی روح کے لیے موت کو لازم قرار دے دیا۔ فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ ہر ذی روح موت کے منہ میں جائے گا۔

دوستو! جب موت سے بچا نہیں جا سکتا تو کیوں نہ ہم اس ناپائیدار دنیاوی زندگی میں آخرت کا کچھ سامان کر لیں اور چونکہ ہمارا اصل ٹھکانہ یعنی منزلِ مقصود موت کے بعد ہی حاصل ہو گی، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس دنیا کو مثلِ راہ گزر جائیں اور دنیا کی زندگی کو ایک

سفر سمجھ کر ایک مسافر کی حیثیت سے زندگی بسر کریں کہ جس کی نظریں اپنی منزلِ مقصود پر لگی رہتی ہیں۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:139 پر لکھا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ السَّبِيْلِ۔ (بخاری، کتاب الرقاق)

دنیا میں ایسی زندگی اختیار کر جیسے کہ غریب الوطن راہ گیر ہو۔

ایک اور جگہ صحیح بخاری کی روایت یوں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا:

اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيٰوتِكَ لِمَوْتِكَ۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:139)

جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر، اپنی صحت کے وقت اپنے مرض کا سامان کر اور زندگی میں موت کا سامان کر۔

موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے

موت کو یاد رکھنا اور اس کا خیال دل میں لانا اعمال کی درستی کے لیے بے شک ضروری ہے۔ لیکن موت کی تمنا کرنا منع ہے کیونکہ ممکن ہے زندگی انسان کے لیے کسی بھی صورت میں نفع بخش ہو۔

بخاری کی روایت ہے کہ سرکار دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا۔ وَاِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَسْتَعْتِبَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:139)

تم میں سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہوگا تو اس کی نیکی بڑھے گی اور اگر گناہ گار ہو تو ہو سکتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کر لے۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں صفحہ:5 پر مرقوم ہے کہ حضرت امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ایک آدمی شہید ہوا اور اس کے ایک سال بعد اس کا بھائی بھی مر گیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں ان کو دیکھا کہ شہید کا بھائی اس سے جنت میں آگے ہے۔ آپ اس بات پر متعجب ہوئے اور اپنا خواب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید کے بھائی کے اعمال نے اس کے مرتبے کو بڑھا دیا کیونکہ اس نے ایک ماہ رمضان کے روزے رکھے اور پورے سال نمازیں ادا کیں۔ وہ کیوں نہ اپنے پہلے مرنے والے بھائی سے بڑھ جاتا۔

اس لیے موت کی تمنا کرنا سخت مذموم ہے۔ ہاں اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو موت کے لیے دعا کر سکتا ہے۔

کیونکہ ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں ہے: لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 139)

کسی مصیبت کی وجہ سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے، اگر خواہ مخواہ کرنی ہے تو کہے: یا اللہ! جب تک میرے لیے حیات اچھی ہے تو مجھے زندہ رکھ، اگر وفات میرے لیے بہتر ہے تو مجھے وفات دے دے۔

☆☆☆

تیسرا وعظ

در بیانِ اجل رسیدہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ (اعراف، آیت: 34)

ترجمہ: تو جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔

سب تعریفیں اس مالک کے سزاوار ہیں جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا اور دنیا میں جس کو زندگی دی اس کے لیے موت کو بھی لازم کر دیا۔ ہزاروں درود اور کروڑوں سلام حضور نبی کریم پر جس کے نور کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کر کے ساری کائنات کے وجود کا سبب ٹھہرایا۔ لیکن انسان کے امتحان کے لیے اسے دنیاوی زندگی بخشی جس کا اختتام موت کی صورت میں ہے۔

جس وقت انسان اپنے مالکِ حقیقی کے حکم کے مطابق اس دنیا کی زندگی سے محروم ہونے کو ہوتا ہے، حالتِ نزع میں جب قوتِ ناطقہ ختم ہو جاتی ہے یعنی انسان بول نہیں سکتا۔ اُس وقت ایک فرشتہ اس کے سامنے آ کر کہتا ہے کہ اللہ کے بندے! السلام علیکم۔ مَیں تیرے رزق کا مؤکل ہوں۔ آج میں نے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ساری زمین پر تیرے لیے رزق کی تلاش کی لیکن تیری قسمت کا ایک لقمہ بھی نہ مل سکا۔ پھر ایک اور فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے: اے خدا کے بندے! میں تیرا ٹھنڈے پانی کا مؤکل ہوں اور تجھے خبر دینے آیا ہوں کہ آج میں نے روئے زمین کے تمام کنوؤں، چشموں، دریاؤں، نہروں اور تالابوں کو دیکھا لیکن تیری قسمت کا ایک گھونٹ پانی بھی نہیں ملا۔ اس فرشتے کے جانے کے بعد ایک اور فرشتہ حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے: السلام علیکم یا عبداللہ! میں تیرے سانسوں کا مؤکل ہوں اور تجھے بتانے آیا ہوں کہ آج تیرے سانس ختم ہو چکے ہیں اور روئے

زمین پر تُو مزید سانس نہ لے سکے گا۔ یہ کہہ کر فرشتہ چلا جاتا ہے۔ تو چوتھا فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے: اللہ کے بندے السلام علیکم! مَیں تیری عمر کا نگہبان تھا۔ آج میں نے دیکھا کہ اس عالمِ ناپائیدار میں تیری عمر ختم ہو چکی ہے اور زندگی کا کوئی لمحہ تیرے لیے باقی نہیں ہے۔ آج تیری روح کا شہباز جس سے تیرے قالب کی رونق تھی۔ تیرے اس قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گا اور اپنے اصل ٹھکانے کی طرف لوٹ جائے گا۔

(الدار الحسان، صفحہ:9 /وقائق الاخبار، صفحہ:13/نزہۃ المجالس، صفحہ:53,52)

کراماً کاتبین کا آنا

وقائق الاخبار، صفحہ:14 پر اور الدار الحسان، صفحہ:9 پر رقم ہے کہ: اسی اثنا میں کراماً کاتبین عالمِ اجسام میں ہو کر آتے ہیں اور اجل رسیدہ سے کہتے ہیں۔ اے اللہ کے بندے السلام علیک! ہم تیری نیکیوں اور بدیوں کے لکھنے والے تھے۔ آج تیری نیکیوں اور بدیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور دفترِ اعمال مکمل ہو گیا۔ جو احکم الحاکمین جل شانہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر دائیں طرف والا فرشتہ ایک سیاہ رنگ کا صحیفہ اس کے سامنے رکھتا ہے اور پڑھنے کو کہتا ہے اور اجل رسیدہ اپنی اس قدر برائیوں کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش اُڑ جاتے ہیں، وہ بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دائیں بائیں دیکھنے لگتا ہے۔ پھر کراماً کاتبین اس صحیفے کو اس کے سرہانے رکھ کر غائب ہو جاتے ہیں۔

دنیا کے حال کا ظاہر ہونا

وقائق الاخبار میں صفحہ:6 پر ہے کہ اجل رسیدہ کے سامنے اس لمحے دنیا کا حال ایک بڑھیا کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور یوں گویا ہوتا ہے: اے گناہ! تجھے اپنے پروردگار سے شرم نہ آئی کہ تو نے میری طلب میں عمر صرف کر دی اور جائز و ناجائز طریقے اختیار کیے۔ اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو کر نفسانی خواہشات کے تحت گناہوں میں مشغول رہا اور حلال حرام میں تمیز نہیں کیا۔ تیرا خیال تھا کہ تو کبھی نہیں مرے گا۔ آج میں تجھ سے اور تیرے بُرے اعمال سے بیزار ہوں۔ تُو مجھے ناجائز طور پر کماتا رہا اور نہ خود خرچ کیا نہ فقرا و مساکین میں تقسیم کر سکا۔

دیکھ آج میں تیرے دشمنوں کے قبضے میں ہوں، جو اب پل بھر بھی تجھے اپنے پاس رکھنا گوارا نہیں کریں گے۔

میرے دوستو! یہ وہ وقت ہوگا جب کہ مرنے والے کا نہ مال کام آسکے گا اور نہ اولاد کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ط (شعرا، آیت:89)

آج کے دن نہ مال ہی فائدہ دے گا نہ اولاد مگر صرف وہی کام آسکتا ہے جو اللہ کی راہ میں قلبِ سلیم کے ساتھ دیا۔

اور اجل رسیدہ عرض کرے گا:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۔ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ط (مومنون، آیت:100)

اے میرے پروردگار! مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دے تاکہ جو کچھ میں چھوڑ آیا ہوں اس میں بھلائی کماؤں۔

لیکن جواب ملے گا ہرگز نہیں، اب واپس ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ کیا دنیا میں تجھے نہیں کہا گیا تھا کہ:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ط وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (سورۂ منافقون، آیت:10-11)

اور ہمارے دیے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے۔ پھر کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا اور ہرگز اللہ کسی جان کو مہلت نہ دے گا جب اس کا وعدہ آجائے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

نیز اللہ جل شانہ فرمائے گا کہ کیا یہ نہیں بتایا تھا کہ:

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۔

جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔

شیطان کا دھوکہ

شیطان انسان کا ازل سے دشمن ہے اور آخر تک دشمنی کرنے سے باز نہیں آتا۔ طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے انسان کو نارِ جہنم کا ایندھن بنانے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے، جیسا کہ کلام پاک میں فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ (سورۂ فاطر، آیت:4)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔

شیطان انسان کو ہر حیلے سے اپنے گروہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آخری دم تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ وہ چاہتا ہے کہ مرتے وقت بھی یہ انسان اپنے ساتھ ایمان کی دولت نہ لے جا سکے لیکن ایمان والے ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہیں اور شیطان لعین کے اس داؤ میں نہیں آتے جیسا کہ تیرہویں پارے کی سورۂ ابراہیم میں ارشادِ الٰہی ہے:

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۠ (پارہ:13، سورۂ ابراہیم)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں حق پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ لیکن شیطان انسان کو گمراہ کرنے اور اللہ کی طرف سے بہکانے کی پوری جدوجہد کرتا ہے۔

وقائق الاخبار، صفحہ:9 پر ایک روایت ہے کہ: جب انسان قریب المرگ ہوتا ہے تو قدرتی طور پر اس پر پیاس غالب آجاتی ہے اور پیاس کی شدت اس قدر ہوتی ہے کہ زمین بھر کے دریاؤں کا پانی بھی پی لے تو سیر نہ ہو۔

ایسے وقت میں انسان کا ازلی دشمن یعنی ابلیس لعین ٹھنڈے پانی کا بھرا ہوا پیالہ لے کر مرنے والے کے سرہانے پہنچ جاتا ہے اور اسے ٹھنڈے پانی کا پیالہ دکھاتا ہے۔ قریب المرگ

کو چونکہ علم نہیں ہوتا کہ یہ میرا دشمن شیطان لعین ہے۔ وہ اس مردود سے پانی مانگتا ہے تو شیطان جواب میں کہتا ہے کہ اللہ سے منکر ہو جا تو یہ پانی تجھ کو پلاتا ہوں اور اس پر آدمی خاموش ہو جاتا ہے۔ پھر شیطان آدمی سے کہتا ہے کہ تو اپنے رسول سے بےزار ہو جا تو یہ پانی تجھے پلاتا ہوں۔ لیکن اگر انسان پختہ ایمان والا ہو تو شیطان کے دھوکے میں نہیں آتا اور کہتا ہے: اے مردود! دفع ہو جا، تو مجھے گمراہ کرنے آتا ہے۔ مجھے ایسے پانی کی ضرورت نہیں جو مجھے میرے اللہ اور رسول سے دور کر دے۔

حکایت

اسی صفحہ پر راوی آگے بیان کرتا ہے کہ: حضرت ابوزکریا زاید رحمۃ اللہ علیہ پر جب موت کی سکرات کا وقت آیا تو ان کے ایک دوست نے ان کو کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کی تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر انھوں نے کلمے کی تلقین کی تو دیکھا کہ پھر بھی منہ پھیر لیا۔ جب تیسری مرتبہ کلمہ پڑھنے کو کہا تو سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ: نہیں کہتا۔ دوست کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا۔

جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم لوگ مجھے کوئی بات کہتے تھے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ ہم نے تین دفعہ آپ کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے کہا لیکن آپ نے دو مرتبہ تو منہ پھیر لیا لیکن تیسری بار فرمایا کہ: میں نہیں کہتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس شیطان پانی کا پیالہ لے کر آیا تھا اور میرے دائیں طرف کھڑے ہو کر پانی کی پیشکش کی۔ جب میں نے پانی مانگا تو کہنے لگا کہ صرف اتنا کہہ دو عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔ اس پر میں نے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ پاؤں کی طرف آیا اور پانی کا پیالہ دکھاتے ہوئے بولا کہ پانی پیو گے؟ میں نے کہا: ہاں! تو بولا کہ صرف یہ کہہ دو کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کا بیٹا ہے تو میں تجھے پانی پلا دیتا ہوں۔ لیکن میں نے اس بات سے منہ پھیر لیا تو وہ لعین پھر سامنے آکر بولا کہ صرف اتنا کہہ دو کہ خدا کوئی نہیں ہے۔ تو میں تجھے پانی پلا دیتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا: میں نہیں کہتا۔ یہ سُن کر اس نے پیالہ توڑ دیا اور بھاگ گیا۔ یہ میرا منہ پھیرنا اور کہنا شیطان سے تھا، نہ کہ تم لوگوں سے۔ پھر آپ نے بلند آواز سے پڑھا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط
اور پھر آپ کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

قریب الموت کو تلقین

دوستو! جیسا کہ آپ کو علم ہو چکا ہے کہ شیطان لعین انسان کا دشمن مبین ہے اور ہر وقت اسے گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ آخری دم بھی وہ اسے بے ایمان کی موت مرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مرنے والے کو کلمے کی تلقین کریں۔ نہ صرف اسے ہی تلقین کریں بلکہ خود باآواز بلند پڑھیں تا کہ اجل رسیدہ اس طرف رجوع کرے اور پڑھنے کی کوشش کرے اور کلمۂ طیبہ کے ساتھ اپنا ایمان باحفاظت لے جائے۔ کیونکہ حضرت مسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اپنے اجل رسیدہ کو لا الہ الا اللہ یعنی کلمۂ طیبہ پڑھنے کی تلقین کرو۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 141 پر ابوداؤد کی روایت ہے، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ كَانَ اٰخِرَ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

جس کا آخری کلام کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں ہے کہ ابن عساکر نے عبدالمجاری سے روایت کی ہے کہ ایک شخص قریب المرگ تھا۔ جب اسے کلمۂ طیبہ کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا، میں نہیں پڑھ سکتا۔ جب ہوش میں آیا تو اس سے کلمہ نہ پڑھ سکنے کی وجہ پوچھی گئی۔ اس نے بتایا کہ میں ایسی قوم کے ساتھ محبت رکھتا تھا جو مجھے حضرت ابوبکر وعمر کو برا کہنے کا حکم دیتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے اللہ اور اس کے بندوں کے دشمنوں کی مجلس میں بیٹھنا بھی نقصِ ایمان کا سبب ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 141 پر ہے، حضرت ابن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اجل رسیدہ کے سامنے یہ کلمات پڑھو:

لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ

الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر زندہ پڑھیں تو کیسا ہے؟ فرمایا: اجود، اجود یعنی بہت ہی اچھا ہے، نہایت اچھا ہے۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں حاکم نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص 40 بار مرضِ موت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ پڑھے۔ اگر وہ اس مرض میں مرجائے تو شہادت کا درجہ پائے گا اور اگر صحت یاب ہو گیا تو گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ: 10)

سورۂ یٰسین کی تلاوت

مشکوٰۃ میں صفحہ: 141 پر احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم شفیع المذنبین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے:

اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتٰكُمْ۔ اپنے قریب المرگ پر سورۂ یٰسین تلاوت کرو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور قیامت و بعثت کا حال ہوتا ہے، اس لیے قریب المرگ اس ذکر سے اُنس حاصل کرے گا اور جاں کنی میں آسانی ہوگی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ اجل رسیدہ کی زبان چونکہ ضعیف ہو چکی ہوتی ہے لیکن قلب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس لیے سورۂ یٰسین جو کہ قرآنِ حکیم کا دل ہے، تلاوت کرنی چاہیے تا کہ قریب المرگ کے دل کو تقویت ہو۔

شرح الصدور میں صفحہ: 15 پر حضرت احمد کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: مَا مِنْ مَيِّتٍ يُقْرَأُ عِنْدَ رَاْسِهٖ يٰسٓ اِلَّا هَوَّنَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

جس میت کے سرہانے سورۂ یٰسین پڑھی جائے اللہ تعالیٰ اس پر موت آسان فرماتا ہے۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ اور تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں صفحہ: 11 پر مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی جابر بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت درج ہے کہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین قریب الموت کے پاس سورۂ رعد پڑھنے کو درست رکھتے تھے کیونکہ اس سے جاں کنی میں

آسانی ہوتی ہے۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا جائے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:140 پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی یوں ہے:

إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ اَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

تم مریض یا میت کے پاس حاضر ہو تو نیک بات کہو کیونکہ فرشتے تمہاری بات پر آمین کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مریض یا میت کے پاس کوئی بے ہودہ اور بے معنی دنیاوی بات یا کوئی بری بات نہیں کہنی چاہیے بلکہ دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 141 پر مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ایک صحابی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس وقتِ مرگ تشریف لے گئے اور ان کے لیے یہ دعائے خیر کی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

مسئلہ: (1) درمختار میں ہے کہ جب موت کا وقت قریب آئے اور علامتیں پائی جائیں تو سنّت ہے کہ داہنی کروٹ لٹا کر رُخ قبلہ رو کر دیا جائے یا قریب المرگ کو چت لٹا کر پاؤں قبلہ کی طرف کر دیے جائیں اور سر اونچا کر دیا جائے۔ اس طرح بھی مرنے والے کا منہ قبلہ رُخ ہوگا۔ اگر ایسا کرنے سے قریب المرگ کو تکلیف ہوتی ہو تو جس حالت میں ہے، اسی میں رہنے دیں۔

مسئلہ: (2) بہارِ شریعت میں صفحہ:130 پر ہے کہ تلقین کرنے والا کوئی نیک شخص ہو کہ نیک اور پرہیزگار لوگوں کا اجل رسیدہ کے پاس ہونا اچھی بات ہے۔ سورۂ یٰسین کی تلاوت کی جائے اور خوشبو کا ہونا مستحب ہے۔

مسئلہ: (3) موت کے وقت حیض ونفاس والی عورتیں حاضر ہو سکتی ہیں لیکن جن کا حیض منقطع ہو گیا ہو اور ابھی غسل نہ کیا ہو یا جنب کو اجل رسیدہ کے پاس نہیں آنا چاہیے۔ اس کے

علاوہ مکان میں کوئی تصویر ہو یا کتا وغیرہ ہو تو ایسی چیزوں کو نکال دیا جائے کہ ایسی جگہوں پر رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

مسئلہ: (4) بہارِ شریعت میں صفحہ:132 پر ہے کہ میت کے پاس تلاوتِ قرآن مجید اس وقت جائز ہے جب کہ اس کا تمام بدن کپڑے سے ڈھکا ہوا ہو لیکن تسبیح اور دیگر اذکار میں بالکل کوئی حرج نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: (5) بہارِ شریعت صفحہ:131 پر ہے کہ قریب المرگ کے ذمے جو قرض وغیرہ ہو اسے جلد از جلد ادا کر دیا جائے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ میت اپنے دَین میں مقید ہوتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک دین نہ ادا کیا جائے اس کی روح معلق رہتی ہے۔

مسئلہ: (6) جب روح نکل جائے تو ایک چوڑی پٹی جبڑے، سر کے نیچے سے سر پر لے جا کر گرہ دے دیں تا کہ منہ کھلا نہ رہے اور آنکھیں بند کر دیں اور یہ دعا پڑھیں:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ وَاَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ۔

انگلیاں منہ ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیے جائیں اور میت کے سارے بدن کو کسی کپڑے سے چھپا دیں۔

☆☆☆

چوتھا وعظ

در بیانِ ملک الموت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔
(سورۂ سجدہ، آیت:11)

فرما دیجیے کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، تمھیں وفات دیتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹ جاتے ہو۔

بعد حمد و ثنائے ربِ کریم و درود و سلام بر رسولِ امین کچھ موت کے فرشتے کے بارے میں عرض کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے بعد ملائکہ پر بھی ایمان رکھے جو اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں۔ اس خالق حقیقی نے اس نوری مخلوق کے ذمے مختلف اعمال و افعال لگا رکھے ہیں۔ بعض فرشتے تو ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مصروف ہیں۔ بعض حاملِ عرش و سما ہیں تو بعض کے ذمے ارضی نظام کے اُمور ہیں۔ ارضی نظام کے اُمور میں زمین پر بارش لانا اور انسان کے لیے اس کے حصے کا رزق مہیا کرنا، انسان کے اعمال و افعال کا حساب رکھنا جو منکر نکیر کے سپرد ہے۔ اسی طرح انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پہنچانا حضرت جبرائیل کے ذمے تھا اور ان کی دنیاوی زندگی کو زوال دینے والا بھی ایک فرشتہ مقرر ہے جو بحکم الٰہی ہمیں موت دیتا ہے۔ قرآن کریم کے 21ویں پارے، سورۂ سجدہ میں ہے: قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ۔

فرما دیجیے کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے تمھیں وفات دیتا ہے۔

اس فرشتے کا نام عزرائیل ہے جو انسان کی روح قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اور روح کے قبض کرنے میں بہت سے دوسرے فرشتے اس کے معاون ہیں جو روح قبض

کرنے میں کسی قسم کا قصور نہیں کرتے۔ قرآن پاک میں ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ۔ (انعام، آیت:61)

یہاں تک کہ تم میں سے جب کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو وفات دیتے ہیں اور وہ (اپنے فرض) میں قصور یا کوتاہی نہیں کرتے۔

تفسیر خازن اور کنز الایمان میں ہے کہ معاون فرشتے اجل رسیدہ کا روح نکالتے ہیں اور جب روح حلق تک پہنچتی ہے تو ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام خود روح قبض فرماتے ہیں۔

ملک الموت کے نزدیک دنیا کی حیثیت

دوستو! حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لیے یہ وسیع و عریض دنیا ایسی ہے جیسے کسی انسان کے سامنے کوئی طشتری یا تھالی پڑی ہوئی ہو اور اس میں سے جو کچھ چاہے اور جتنا چاہے اُٹھا لے۔ ابو نعیم وغیرہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جُعِلَتِ الْاَرْضُ لِمَلَكِ الْمَوْتِ مِثْلُ الطَّشْتِ یَتَنَاوَلُ مِنْ حَیْثُ شَآءَ وَجُعِلَ لَهٗ اَعْوَانٌ یُتَوَفَّوْنَ الْاَنْفُسَ ثُمَّ یَقْبِضُهَا مِنْهُمْ۔ (شرح الصدور، صفحہ:18۔ تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:14)

ملک الموت کے لیے زمین ایک طشت کی مانند بنائی گئی ہے کہ جہاں سے چاہے پکڑے اور اس کے لیے مددگار فرشتے بنائے گئے ہیں جو کہ روح نکالتے ہیں۔ (یعنی وفات دیتے ہیں) اور پھر وہ ان سے روح لے کر اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

یعنی دنیا میں ایک ہی وقت میں لاکھوں روحوں کے قبض کر لینے پر حضرت عزرائیل کو قدرت دی گئی ہے کیونکہ دنیا مثل ایک تھال کے ہے اور وہ جتنی جانوں پر چاہے، ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معاون فرشتے روح قبض کرتے ہیں اور پھر وہ روح حضرت عزرائیل علیہ السلام کے حوالے کر دیتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے زبیر بن محمد سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ملک الموت تو ایک ہے اور مشرق و

مغرب میں لوگ جنگوں میں لاتعداد مرتے ہیں (ان کی روح موت کا فرشتہ ایک وقت میں کیسے قبض کرتا ہوگا) تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو ملک الموت کے لیے ایک تھال کی مانند جمع کر دیا ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ:14)

شرح الصدور، صفحہ:19 پر ابن حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ دو شخصوں کی روح ایک ہی وقت میں نکل جاتی ہے حالانکہ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہوتا ہے۔ تو حضرت ملک الموت کس طرح ایک وقت میں ان کی روح نکال لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم زمین و آسمان والے ملک الموت کے سامنے ایسے ہو جیسے کسی کے سامنے دسترخوان ہوتا ہے۔ جہاں سے چاہے لقمہ اُٹھائے۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ پر ہے کہ ابن ابی الدنیا نے حسن بن عمار اور انھوں نے حکم سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا کہ کیا تُو ہر شخص کی روح قبض کرتا ہے؟ ملک الموت نے کہا: ہاں! تو آپ نے فرمایا: تو اس وقت میرے پاس ہے اور لوگ زمین کے مختلف اطراف میں ہیں۔ ملک الموت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام زمین اس طرح مسخر کر دی ہے، جیسے تم میں سے کسی کے سامنے تھال رکھا جائے اور اس تھال سے جس طرف جو چیز چاہے پکڑ لے۔ اسی طرح تمام دنیا میرے سامنے ہے۔

ملک الموت کی شکل

ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنا حبیب بنایا تو ملک الموت نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: یا اللہ العالمین! اگر اجازت ہو تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں اس امر کی بشارت پیش کروں۔ اللہ سے اجازت لے کر حضرت ملک الموت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو بشارت دی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کی حمد بجالائے اور ملک الموت سے پوچھا کہ تُو کافروں کی روح کس طرح قبض کرتا

ہے؟ ملک الموت نے کہا: آپ اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا: رکھتا ہوں۔ تو ملک الموت نے کہا: آپ میری طرف سے منہ پھیر لیں۔ چنانچہ آپ نے منہ پھیر لیا اور پھر دیکھا تو ملک الموت ایک سیاہ فام آدمی کی شکل میں تھے کہ سر اس کا آسمان سے لگ رہا تھا اور تمام بدن کے بالوں میں مرد کی صورت تھی اور منہ اور مساموں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہوا تو ملک الموت کو اصل حالت میں دیکھا اور فرمایا: اے ملک الموت! اگر کافر کو دنیا میں کوئی رنج اور مصیبت نہ ہو تو صرف تیری اس صورت کا دیکھنا ہی اس کے لیے باعثِ رنج و محن ہے۔ پھر فرمایا کہ اب بتا مومن کی روح کس شکل میں قبض کرتا ہے اور ملک الموت کے کہنے پر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور پھر دیکھا تو ملک الموت کو ایک خوبصورت جوان کی صورت میں پایا، جو سفید اور معطر لباس پہنے ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے ملک الموت! اگر مسلمان کو مرنے کے وقت دوسرا کوئی عیش و آرام نہ ہو تو صرف تیری صورت دیکھنا ہی کافی ہے۔

(شرح الصدور، صفحہ:18/ کیمیائے سعادت، صفحہ:743/ تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:13)

حکایت

احمد و بزار اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ملک الموت پہلے زمانے میں ظاہر شکل میں لوگوں کے پاس آتا تھا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس روح قبض کرنے کے لیے آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک تھپڑ مارا کہ حضرت عزرائیل کی آنکھ نکل گئی۔ ملک الموت نے واپس جا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: یا ربّ العالمین! تیرے بندے موسیٰ علیہ السلام نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے کے پاس جا اور اس سے کہہ دے کہ وہ اپنا ہاتھ بیل کی جلد پر پھیرے۔ جتنے بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے، اس کی زندگی اتنے سال ہو جائے گی۔

چنانچہ ملک الموت نے یہ پیغام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تو آپ نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ ملک الموت نے کہا کہ موت۔ تو آپ نے فرمایا: جب آخر موت ہی ہوگی تو میں ابھی اپنے مالکِ حقیقی سے ملنے کے لیے تیار ہوں۔ اس پر حضرت ملک الموت نے آپ

کی روح مبارک قبض کرلی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ بھی واپس لوٹادی۔اس کے بعد سے ملک الموت لوگوں کے پاس پوشیدہ آتا ہے۔(شرح الصدور،صفحہ:20)

اجل رسیدہ سے گفتگو

جب موت کا وقت بالکل قریب ہوتا ہے تو موت کا فرشتہ قریب المرگ کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔قریب المرگ اس کی ہیبت ناک شکل دیکھ کر گھبرا جاتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ تو موت کا فرشتہ جواب دیتا ہے کہ میں ملک الموت ہوں اور تیری جان قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔اب تیری اولاد یتیم ہوجائے گی، تیری عورت بیوہ ہوجائے گی اور تیرا مال ان لوگوں میں تقسیم ہوگا جن کو تو اپنی زندگی میں دینا پسند نہیں کرتا تھا۔تونے اپنے لیے کوئی نیکی نہیں کی جسے ساتھ جانا ہے۔جب قریب المرگ یہ باتیں سنتا ہے تو اپنا منہ دوسری طرف پھیرلیتا ہے لیکن فرشتہ اس طرف بھی سامنے ہوتا ہے اور پھر وہ دوسری طرف منہ پھیرتا ہے تو اُس طرف بھی فرشتۂ موت کو موجود پاتا ہے۔حتیٰ کہ ملک الموت کہتا ہے کہ تو نہیں جانتا کہ میں وہ فرشتہ ہوں جس نے تیرے سامنے تیرے والدین کی جان قبض کی اور تو کچھ نہ کرسکا۔آج تیری باری ہے اور میں تیری جان قبض کروں گا لیکن تیری طرح تیری اولاد، رشتے دار اور دوست واحباب دیکھتے رہیں گے اور کچھ نہ کرسکیں گے۔اور میں نے ایسے لوگوں کو ختم کیا ہے جو تجھ سے کہیں زیادہ طاقت رکھتے تھے اور مال اور اولاد میں بھی تجھ سے کہیں بڑھ کر تھے۔

پھر ملک الموت اجل رسیدہ سے پوچھتا ہے کہ تو نے دنیا کو کیسا پایا؟ تو مرنے والا کہتا ہے کہ میں نے دنیا کو آزمایا ہے لیکن اس بے ثبات دنیا کو مکار اور غدار ہی پایا جو کسی کا ساتھ نہیں دیتی۔(الدار الحسان، صفحہ:7 /وقائق الاخبار، صفحہ:6)

میرے دوستو! دیکھو! دنیا کس قدر بے ثبات ہے کہ انسان دنیاوی زندگی میں دنیا سے دل لگا کر اپنے پروردگار کے احکام سے غافل ہوجاتا ہے۔مال واولاد کے حصول کو ہی اپنی خوشنودی اور خوش بختی خیال کرتا ہے۔حالانکہ موت کے وقت کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا۔نہ کوئی بیٹا یا دوسرا رشتے دار موت کو ٹال سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو روپے پیسے کا لالچ دے کر موت سے

نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔یہ دنیا اسباب فانی ہے۔بعدہٗ موت بھی اِک دن آنی ہے کیونکہ فرشتہ روز کرتا ہے منادی چار کونوں میں۔

ع محلاں اُچیاں والے تیرا گوریں ٹھکانا ہے

میرے دوستو! ہمیں ہر وقت موت کا منتظر رہنا چاہیے کیونکہ موت کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور ہمیں ضرور مرنا ہے۔اللہ کے بندے تو ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے موت کے فرشتے کے منتظر رہتے ہیں اور ان کو ایک دن بھی زندہ رہنے کی امید نہیں ہوتی۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ: 224 پر ایک روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ایسے وقت میں بھی تیمم فرمالیا کرتے تھے جب کہ پانی حاصل کرنا ممکن ہوتا کیونکہ آپ کا یہ خیال ہوتا کہ ایسا نہ ہو کہیں پانی تک پہنچنے سے پہلے ہی جان نکل جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت رمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز ادا فرماتے تھے اور ساتھ اِدھر اُدھر دیکھتے جاتے تھے۔لوگوں نے اِدھر اُدھر دیکھنے کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں ملک الموت کے انتظار میں ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ کس طرف سے آتا ہے۔(کیمیائے سعادت صفحہ:741)

لیکن ہم ہیں کہ موت کو بھلائے بیٹھے ہیں کہ شاید موت کبھی نہ آئے گی اور دل میں یہ خواہش پہلے لے بیٹھے ہیں کہ خدا کرے ہماری عمر ہزار برس سے بھی اوپر ہو۔کیونکہ ارشاد الٰہی جل شانہ ہے: يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ۔ ان میں ہر ایک ہزار برس زندہ رہنا پسند کرتا ہے۔

لیکن مومن کی یہ شان نہیں کہ دنیا کی زندگی سے محبت رکھے بلکہ مومن تو موت کو اللہ جل شانہ کی طرف سے ایک تحفہ خیال کرتا ہے کیونکہ وہ دنیا کی زندگی کے اس پردے کو اپنے اور اپنے خالق حقیقی کے درمیان سے ہٹادینے کا خواہاں ہوتا ہے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 140 پر ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ۔ موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔

☆☆☆

پانچواں وعظ

در بیانِ سکرۃ الموت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ.
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ (ق، آیت:19)

موت کی سختی کا آنا برحق ہے اور یہ وہ (تکلیف) ہے جس (کو برداشت کرنے سے) تو بھاگتا ہے۔

سب تعریفیں اس خالق برحق کے لیے مختص ہیں جس نے موت اور حیات کو پیدا فرمایا۔
انسان خواہ ہزاروں برس زندہ رہنے کی تمنا کرے، آخر اسے موت کا پنجہ ایک دن ضرور آ کر دبائے گا۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ہے جو ہزاروں برس زندہ رہنے کی تمنا رکھتے ہیں: يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ۔

لیکن اگر یہ ہزار برس کی زندگی مل ہی جائے اور پھر مرنا لازم ہے تو ایسی زندگی کس کام کی۔ مومن کے لیے تو زندگی ایک قید خانے کی مانند ہے۔ وہ دنیا کی زندگی سے گھبراتا ہے اور موت کو ترجیح دیتا ہے۔ فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: "تحفة المومن الموت" مومن کے لیے موت تحفہ ہے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:141)

اور یہ تحفہ اپنی تمام لذتوں اور تلخیوں کے ساتھ ملتا ہے۔ کیونکہ موت کے ساتھ سختی کا آنا لازم اور برحق قرار دے دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ (ق، آیت:19)

موت کی سختی برحق آئی اور یہ وہ تکلیف ہے جس سے تو بھاگتا ہے۔

دوستو! موت کی تکلیف لازم ہے تو ہمیں موت کو بھلا کر دنیا کی خوشیوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہونا نامناسب ہے۔ بھلا جس شخص کو اس بات کا علم ہو کہ اس پر کوئی ناگہاں

مصیبت آنے والی ہے، وہ بھلا کب چین سے سوئے گا۔ نہ اس کا کھانے پینے میں دل لگے گا اور نہ کسی دوسرے کام میں۔ لیکن جب موت کا یقین ہے تو پھر ہم اس ناپائیدار دنیا میں کیوں دل لگا کر بیٹھ رہیں۔ ہم کیوں نہ آخرت کا سامان بنائیں، کیوں نہ اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں التجائیں کریں کہ ہماری موت کی سختی میں کچھ آسانی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موت کی سختی اس قدر ہے کہ: هُوَ قَدْرُ ثَلٰثِ مِائَةِ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:13)

اس کی تکلیف اتنی ہوگی جتنی کہ تین سو بار تلوار لگنے سے ہو۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ پر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فرشتے مرنے والے کو بند کر لیتے ہیں اور فرشتے اس کو بند نہ کرتے تو وہ موت کی سختی کی وجہ سے جنگلوں میں بھاگ جاتا۔

نیز سورۂ قیٰمہ میں اللہ تعالیٰ نے سکرات کی سختی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ۔ وَقِيْلَ مَنْ رَّاقٍ۔ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ۔ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ۔ (قیامہ، آیت:26-30)

جب جان گلے کو پہنچ جائے گی اور (آس پاس کے) لوگ کہیں گے کہ ہے کوئی جو جھاڑ پھونک کر لے (تاکہ شفا ہو) لیکن وہ یعنی مرنے والا سمجھ لے گا کہ یہ (دنیا سے) جدائی کی گھڑی ہے۔ (اور موت کی سختی کی وجہ سے) پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔

شرح الصدور کے صفحہ:113 اور کیمیائے سعادت کے صفحہ:743 پر ایک روایت درج ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سکراتِ موت کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: موت کی سختی کا یہ حال ہے کہ جیسے کسی کے پیٹ میں کانٹوں والی شاخ ڈال دی جائے اور اس کا ہر کانٹا ایک ایک رگ میں الجھ جائے اور پھر کوئی طاقتور آدمی اس شاخ کو کھینچے، تو اندازہ لگائیے کہ ایسی صورت میں کس قدر تکلیف ہوگی۔ کیمیائے سعادت اور شرح الصدور کے مذکورہ صفحوں پر اور روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی روحِ مبارک جب اللہ عزوجل کے حضور حاضر ہوئی تو اللہ عزو

جل نے فرمایا: اے موسیٰ! تو نے موت کی سختی کو کیسا پایا؟ تو عرض کیا کہ اے الٰہ العالمین! موت کی سختی ایسی تھی جیسے کسی زندہ پرندے کو بھونیں اور نہ ہی وہ مرے، نہ اُڑ سکے۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ پر ہے کہ امام مروزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر موت کی سختی کا ایک قطرہ بھی زمین وآسمان کے رہنے والوں پر رکھا جائے تو سب کے سب فوراً مرجائیں۔

ملک الموت پر سختی

شرح الصدور کے صفحہ:14 پر ہے کہ ابن ابی الدنیا نے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ سب سے آخر میں ملک الموت کے مرنے کی باری آئے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ملک الموت! مرجا۔ تو موت کا فرشتہ موت کی سختی کی وجہ سے ایک ایسی چیخ مارے گا کہ اگر وہ چیخ زمین وآسمان کے ذی روح سن لیں تو گھبرا کر سب مرجائیں۔

حکایت

شرح الصدور میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ قبرستان سے گزرا اور دو رکعت نماز ادا کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی کہ وہ کوئی مردہ زندہ فرمائے تاکہ ہم اس سے موت کی کوئی خبر پوچھیں۔ اس وقت ایک شخص ظاہر ہوا جس کا رنگ بالکل سیاہ تھا اور اس کے ماتھے پر سجدے کا نشان تھا۔ اس شخص نے پوچھا: تمہارا میرے ساتھ کیا کام ہے؟ بنی اسرائیل کے لوگوں نے پوچھا: ہمیں موت کے بارے میں کچھ بتلایئے۔ اس نے کہا: میں ایک سو سال پہلے مرا تھا لیکن ابھی تک موت کی تکلیف نہیں گئی۔

مومن کی روح کا نکلنا

دوستو! روح کا نکلنا بہت اذیت بخش ہے لیکن جب مومن کی روح نکلتی ہے تو وہ جمالِ محمدی ﷺ میں کھو کر اُس تکلیف کو بھول جاتا ہے اور محبوبِ خدا کے وسیلے سے اس دُکھ کو محسوس نہیں کرتا۔

حکایت

روایت ہے کہ ایک مردِ خدا نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ایک حدیث سنی ہے کہ آپ کا فرمان ہے کہ مومن کی جان ایسے نکلتی ہے جیسے خمیرے آٹے سے بال نکل آتا ہے۔ آپ نے فرمایا: بے شک ایسا ہی ہے۔ اس نے عرض کیا: قرآن کریم میں ارشاد ربانی یوں ہے:

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ ۝ (قیامہ، آیت:26-30)

تو کلام اللہ اور حدیث پاک میں موافقت کیسے ہوگی؟ اس پر آپ نے فرمایا: اس بات کا جواب سورۂ یوسف سے مل سکتا ہے۔

چنانچہ اس مردِ خدا نے صبح بیدار ہو کر سورۂ یوسف سے اپنے سوال کے جواب کی تلاش شروع کردی لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر ایک عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا اور کہا: مجھے اپنے خواب کی تعبیر نہیں ملی۔ اس پر اس نے بتایا کہ تیرے سوال کا جواب سورۂ یوسف کی اس آیت میں موجود ہے:

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ط اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ (سورۂ یوسف، آیت:31)

اللہ اللہ جمالِ یوسفی میں وہ مصری عورتیں اس قدر محو ہوئیں کہ بجائے پھل کے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور انھیں اِس امر کا احساس تک نہ ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ کاٹ رہی ہیں یا پھل۔ ان کی نظریں حضرت یوسف علیہ السلام کے مقدس ومبارک وحسین وجمیل چہرے پر تھیں۔ زبان آپ کی مدح میں مصروف تھی یعنی ان کی توجہ خالص حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف تھی اور وہ بے خودی میں یہ نہ محسوس کرسکیں کہ ان کے ہاتھ کٹ رہے ہیں یا پھل۔ نہ کوئی درد محسوس ہوا نہ چہروں پر کوئی اثر نمایاں ہوا اور نہ ہی کوئی کرب ناک آواز نکلی، بلکہ وہ جمالِ یوسفی میں کھو جانے کی وجہ سے خوش تھیں۔

دوستو! ذرا اپنی انگلی پر سوئی چبھو کر تو دکھاؤ کہ تم میں اتنی سی تکلیف برداشت کرنے کی

جرأت موجود ہے یا نہیں۔ ہاں! مومن جب مرتا ہے تو جمالِ مصطفوی میں کھو جاتا ہے۔ اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی تو اسے اپنی جان کے نکلنے کی تکلیف کا احساس کہاں، وہ تو حضور نبی اکرم کے حسن و جمال پر فدا ہو رہا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے موت کی سختی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

میرے دوستو! اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ فرشتے نہایت نرمی اور محبت سے پیش آتے ہیں۔

امام احمد اور ابوداؤد وغیرہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مومن قریب المرگ ہوتا ہے تو آفتاب کی طرح روشن چہرے والے فرشتے آسمان سے آتے ہیں جن کے پاس جنت کے کفن اور خوشبو ہوتی ہے۔ وہ مرنے والے کے اردگرد آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر ملک الموت اس کے سرہانے آ کر بیٹھ جاتا ہے اور فرماتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ (سورۃ الفجر، آیت: 27-30)

اے (خدا کے ذکر سے) سکون حاصل کرنے والی جان! اللہ تعالیٰ کی رضا اور بخشش کی طرف نکل آ، اور مومن کی روح اس کلام کی لذت سے اس قدر آسانی سے نکلتی ہے جیسے مشکیزے سے پانی کا قطرہ نکل آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے کہ ملک الموت اجل رسیدہ مومن کے ساتھ اس طرح مہربانی سے پیش آتا ہے جیسے ماں اپنے بچے کے ساتھ۔ کیونکہ یہ روح، اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والی ہوتی ہے۔ ملک الموت اس روح کو بدن سے اس طرح کھینچتا ہے: كَمَا تُسَلُّ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِينِ جیسے آٹے میں سے بال کو کھینچتے ہیں۔ اور جو فرشتے روح کے اردگرد ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝ تم پر سلامتی ہو، خوش ہو جاؤ اور ہمیشہ رہنے کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

روح جسم سے کہتی ہے حق تعالیٰ تجھ کو جزائے خیر دے کہ تو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرماں

برداری میں جلدی کرنے والا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دور رہنے والا تھا۔ تجھے مبارک ہو کہ تو نے خود نجات پائی اور مجھے بھی نجات دی اور جسم بھی روح سے اسی طرح کہتا ہے۔

ابو یعلیٰ اور ابن ابی الدنیا نے تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: مومن کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے کہ میرے دوست کے پاس جا اور اسے میرے پاس لا، کیونکہ میں نے اس کا امتحان لیا ہے اور اسے اپنا دوست پایا ہے۔ ملک الموت پانچ سو فرشتوں کے ساتھ آتا ہے جس کے پاس بہشت کی خوشبو ہوتی ہے اور ہاتھوں میں ایسے گلدستے ہوتے ہیں کہ ان کی جڑ ایک اور سرے پر بیس رنگ کے پھول کھلے ہوتے ہیں اور ہر پھول کی خوشبو علیحدہ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں فرشتوں کے پاس کستوری اور عنبر سے معطر سفید ریشم کے رومال ہوتے ہیں۔ ملک الموت میت کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور دوسرے ملائکہ اس کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں۔ میت کے اعضا پر ہاتھ رکھتے ہیں اور ریشمی رومال اور کستوری اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھیلا دیتے ہیں۔ اس اجل رسیدہ کے لیے بہشت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے جنت کی نعمتوں مثلاً میوؤں اور حور و غلمان کی طرف راغب کیا جاتا ہے اور اس کی روح نکلنے کے لیے جلدی کرتی ہے۔ اس وقت ملک الموت کہتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝

اے نفس مطمئنہ! بغیر کانٹوں والی بیری کی طرف، گھنی ٹہنیوں والے درخت کی طرف لمبے سائے کی طرف اور بہتے پانی کی طرف نکل۔

مومن کی روح کے ساتھ حسنِ سلوک

مومن میت کی روح کے ساتھ فرشتے بے حد شفقت اور عزت سے پیش آتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا رضا جو دوست ہوتا ہے اور اللہ اس پر مہربانی کا امر فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: اے اللہ کی رضا کے مطابق سکون حاصل کرنے والی جان! اپنے رب کی طرف

واپس ہو جا کیونکہ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اس سے راضی ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ میری جنت میں اور میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔

دوستو! جب مومن کی روح نکلتی ہے تو ملک الموت اسے اردگرد بیٹھے ہوئے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے جو اسے خوشبو اور کپڑوں میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس روح سے بہترین خوشبو آنے لگتی ہے۔ جب اس روح کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو فرشتے دیکھ کر کہتے ہیں: **مَا هٰذَا روح الطیب**۔ یہ کیسی پاکیزہ روح ہے۔ روح بردار فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یہ معزز و مکرم انسان فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور پہلے آسمان کے مقرب فرشتے بطورِ تعظیم اس روح کی معیت میں دوسرے آسمان تک جاتے ہیں۔ دوسرے آسمان کے فرشتے تیسرے آسمان تک حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک اسی طرح روح کا استقبال کیا جاتا ہے۔ پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اس میرے بندے کا نام علیّین میں لکھو۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:142)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب مومن کی روح کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ستر فرشتوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں اور ہر فرشتہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اسے بشارت دیتا ہے۔ جب ملک الموت اسے عرش تک پہنچاتا ہے تو وہ اپنے پروردگار کو سجدہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میرے بندے کو جنت میں لے جا۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:22 / شرح الصدور، صفحہ:23)

مومن کے جسم کے ساتھ سلوک

جب مومن کی روح بحکم ربہ قبض ہوتی ہے تو پانچ سو فرشتے اس کے پاس ہوتے ہیں۔ جس وقت لوگ اس مردہ کی کروٹ بدلتے ہیں تو فرشتے اس سے پہلے اس کی کروٹ بدلتے ہیں اور کفن پہنانے سے پہلے اس کو کفن پہناتے ہیں اور اس کے استقبال کے لیے اور اس غفار کی خاطر فرشتے اس کے مکان کے دروازے سے قبر تک دو صفوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ابلیس ایک ایسا نعرہ مارتا ہے جس سے اُس کے جسم کا بعض حصہ پھٹ جاتا ہے

اور وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے لیے ہلاکت ہو۔ یہ بندہ تم سے کیونکر بچ نکلا، تو وہ جواب دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھا، اس پر ہمارا داؤ نہیں چل سکا۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور)

مومن کی روح کی اہلِ رحمت ارواح سے ملاقات

مشکوٰۃ میں صفحہ:142 پر فرمانِ نبوی ہے کہ جب کسی مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اس کی مومنوں کے ارواح سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ اس سے دنیا کے حالات کے بارے میں پرسش کرتے ہیں۔ چنانچہ رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

فَيَاتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ اَشَدُّ فَرَحًا بِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ بِغَائِبِهٖ يُقَدِّمُ عَلَيْهِ فَيَسْئَلُوْنَهٗ مَاذَا فَلَانٌ مَاذَا فَلَانٌ فَيَقُوْلُوْنَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ كَانَ فِيْ غَمِّ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ قَدْ مَاتَ اَمَا اَتَاكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ قَدْ ذُهِبَ بِهٖ اِلٰى اُمِّهِ الْهَاوِيَةِ۔

پس اس (مومن کی روح) کو دوسرے مومنوں کی روحوں کے پاس لاتے ہیں۔ انھیں اس قدر زیادہ خوشی ہوتی ہے جیسے تم کسی اپنے عزیز کے سفر وغیرہ سے واپس آنے پر خوش ہوتے ہو۔ وہ اس کا استقبال کرتی ہیں اور اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کیسا ہے اور فلاں کا کیا حال ہے؟ اور کہتی ہیں کہ اسے چھوڑ دو، ابھی یہ دنیا کے غم میں ہے۔ اور وہ روح جواب میں کہتی ہے کہ وہ تو مر گیا، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو وہ روحیں جواب دیتی ہیں کہ پھر اس کو (موت) اس کی ماں یعنی روح ہاویہ کی طرف لے گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی کا بیٹا پہلے مر چکا ہو اور پھر جب اس کا باپ مرتا ہے اور اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کرتی ہے تو اس کے بیٹے کی روح اس کا استقبال کرتی ہے۔ جیسے تم کسی عزیز کی آمد پر استقبال کرتے ہو جو سفر وغیرہ میں دور رہ چکا ہو۔

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:135)

کافر کی روح کا نکلنا

کافر کو وقت آمیز موت نصیب ہوتی ہے اور اس کی روح کے نکلنے کا نظارہ ناقابلِ دید ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کافر کی روح کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝ (انفال، آیت: 51)

اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں وہ ان کے چہروں اور پیٹھ پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں آگ کا عذاب چکھو۔ یہ تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

ابو یعلیٰ اور ابن ابی الدنیا نے تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: جب کافر کی موت کی گھڑی قریب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے کہ میرے اس دشمن کی طرف جا اور اسے میرے پاس لے آ۔ میں نے دنیا میں اس کے رزق کو فراخ کیا اور اپنی نعمتوں سے اسے آرام پہنچایا۔ مگر اس نے سوائے نافرمانی کے اور میرے لیے کچھ نہیں کیا۔ جا اسے لے آ تا کہ اسے اس کی نافرمانی کا بدلہ دے دوں۔ تو ملک الموت اس کافر کے پاس ایسی کریہہ شکل میں جاتا ہے کہ کبھی ایسی بری شکل اس آدمی نے نہ دیکھی ہوگی۔ ملک الموت کے پاس آگ کی ایک خاردار سیخ ہوتی ہے اور اس کی معیت میں پانچ سو ہیبت ناک فرشتے ہوتے ہیں، جن کے پاس آگ کے کوڑے ہوتے ہیں۔ ملک الموت جب اس آگ کی سیخ سے اس قریب المرگ کافر کو مارتا ہے تو اس سیخ کا ہر کانٹا اس کے رگ و مو میں پہنچ جاتا ہے اور ملک الموت اس کو کھینچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دشمن بے ہوش ہو جاتا ہے اور فرشتے اس کی پیٹھ اور چہرے پر کوڑے مارتے ہیں۔ پھر اس کی روح اس کی کمر تک کھینچی جاتی ہے اور پھر سینے اور حلق تک۔ فرشتے دوزخ کی آگ اور دھواں اس کی ٹھوڑی کے نیچے دیتے ہیں۔ پھر ملک الموت کہتا ہے:

اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ اللَّعِیْنَةُ الْمَلْعُوْنَةُ اِلٰی سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ۝

اے لعین و ملعون جان! گرم لو، گرم پانی اور دھوئیں کے سائے کی طرف نکل، جس میں نہ ٹھنڈ ہے نہ تری و لطافت۔ جب ملک الموت روح کو قبض کرتا ہے تو روح جسم سے کہتی ہے: خدا تجھے سزا دے کہ تو گناہوں کی طرف جلدی کرتا تھا اور اطاعت کی طرف دیر کرنے والا تھا۔ تو خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاک کیا۔ پھر ایسے ہی جسم روح سے کہتا ہے وہ کافر خبیث زمین کے جس حصے پر کرتا تھا وہ اس پر لعنت بھیجتا ہے اور ابلیس کے کارندے اسے خوش خبری دیتے ہیں کہ ہم نے فلاں شخص کو دوزخ میں پہنچانے کا کارنامہ کیا ہے۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ: 25-26)

کافر کی روح کے ساتھ سلوک

حضرت براء بن عارف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ جب کافر مرتا ہے تو سیاہ چہروں والے خوفناک فرشتے ٹاٹ کا لباس لے کر میت کے گرد بیٹھ جاتے ہیں اور ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے:

اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اُخْرُجِیْ اِلٰی سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ ۝

اے خبیث جان! اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف نکل۔

یہ سن کر وہ روح چھپتی پھرتی ہے اور ملک الموت اُسے ایسے کھینچتا ہے جیسے گیلی پشم کے ساتھ گرم سیخ کھینچی جائے۔ ملک الموت اسے ایسے کھینچتا ہے کہ عذاب کے فرشتے پکڑ لیتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ جب ان کا گزر فرشتوں کی ایک جماعت سے ہوتا ہے تو وہ روح کی مردار جیسی بو سے بیزار ہو کر کہتے ہیں، یہ کس خبیث کی روح ہے؟ تو ان کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں کی روح۔ اور اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اس فرمان کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۔ (سورۂ اعراف، آیت:4)

ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوسکیں گے حتی کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے۔

پھر آپ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت سے روح کا حال بیان فرمایا:

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۔ (مشکوۃ، صفحہ:142-143)

مرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا تو اس کو پرندے اٹھا کر لے گئے یا ہوا نے اسے کسی دور دراز جگہ پر گرادیا۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ سب کو ایمان وایقان عطا فرمائے اور دین اور اسلام پر موت دے۔ اپنے عذاب سے بچائے۔

☆☆☆

چھٹا وعظ

در بیانِ نوحہ خوانی بر میت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:156)

سب تعریفیں اس خالق برحق کو لائق ہیں جس نے موت وحیات کو پیدا فرما کر انسان کے لیے منزلِ مقصود پر پہنچنے کا ذریعہ بتایا کہ دنیا انسان کا اصل ٹھکانہ نہیں اور اصل ٹھکانہ ہمیں موت کے بعد ہی مل سکتا ہے۔ پھر لاکھوں درود اور کروڑوں سلام رہبر اعظم کے حضور کہ جس نے راہ ہدی کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے جب ہر ایک ذی روح کے لیے موت کو مقرر فرمایا تو موت کے پنجے سے نجات کسی صورت نہیں کہ: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ جب موت ٹل نہیں سکے گی اور واویلا کرنے سے مردہ زندہ نہیں ہوسکے گا تو میت پر رونے پیٹنے اور گریہ کرنے کا کیا فائدہ۔ بلکہ آہ وبکا کرنے والا خود بھی گنہگار ہوتا ہے اور میت کو بھی تکلیف پہنچاتا ہے۔ مشکوۃ میں صفحہ:150 پر فرمانِ نبوی ﷺ کچھ اس طرح مرقوم ہے:

اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ ۔ (مشکوۃ، صفحہ:150)

ترجمہ: بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔

صبر کرنے والوں پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے

اگر ہمارے رونے سے میت کو عذاب ہوتو ہمیں ہرگز رونا چلانا نہیں چاہیے کیونکہ صبر

کرنے سے ایک تو میت کے سر سے عذاب ٹلتا ہے، دوسرے اللہ تعالیٰ صبر کا اجر دیتا ہے۔
ہمیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ ہم اللہ کے لیے اس دنیا میں آئے ہیں کہ اس کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر کے اسی کی طرف لوٹ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے اپنی رحمت خاص کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۝ (بقرہ، آیت:156-157)

اُن صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دو جو مصیبت پڑنے پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہتے ہیں۔ اُن پر اُن کے رب کی طرف سے درود اور رحمتیں (نازل) ہوتی ہیں اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

نیز قرآن کریم میں یہ بھی ارشاد ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝ (زمر، آیت:10)

بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

صبر سے جنت ملتی ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَا لِعَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةَ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:151، شعب الایمان)

جب میں کسی مومن کے دنیوی محبوب کی جان قبض کرتا ہوں اور وہ اس پر ثواب سمجھ کر صبر کرتا ہے تو اسے اجر جنت کی صورت میں دیتا ہوں۔

مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلٰٓئِكَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ ابْنُوْا لِعَبْدِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ۝ (رواہ احمد والترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:151)

جب کسی بندے کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی۔ فرشتے کہتے ہیں: ہاں! پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ میرا بندہ کیا کہتا تھا؟ تو عرض کرتے ہیں کہ تیری تعریف کرتا تھا اور رجوع کرتا تھا۔ (یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتا تھا) تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں گھر بناؤ اور بیت الحمد میں اس کا نام لکھو۔

میرے بھائیو! ہر حال میں صبر مفید ہے کہ موت یا کوئی مصیبت آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے رونا پیٹنا ناجائز اور فضول ہے۔ ہاں! کسی کے مرنے پر غم محسوس کرنا اور آنکھوں سے آنسو بہالینا برا نہیں ہے، بلکہ باعثِ رحمت ہے۔

آنکھوں سے رونا جائز ہے

کسی عزیز کی موت کے وقت آنکھوں سے رو لینا یعنی آنسو بہالینا جائز ہے بلکہ حضور نے اسے رحمت قرار دیا ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ:150 پر ایک روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال فرما رہے تھے تو حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ رو رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! آنکھوں سے رونا رحمت ہے۔ پھر فرمایا:

اَلْعَيْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَنَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنٌ۝ (متفق علیہ مشکوٰۃ، صفحہ:150)

آنکھیں روتی ہیں اور دل غمزدہ ہے اور ہم رضائے رب کے سوا کچھ نہیں کہتے۔ اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں مغموم ہیں۔

صاحبو! یہ بات تو عیاں ہے کہ میت کے غم میں آنسو بہالینا جائز ہے لیکن بعض عورتیں روتی پیٹتی اور نوحہ کرتی ہیں اور اگر مرد ایسا فعل کریں تو ہمارے اکثر لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں حالانکہ یہ سراسر گناہ ہے، کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عورتوں کو جنازے میں دیکھتے تو فرماتے چلی جاؤ: زَوْرَاتٍ غَيْرُ مَاجُوْرَاتٍ گناہ کا بوجھ اُٹھانے والی اجر سے خالی ہو۔ اور فرماتے: تم زندوں کو فتنے میں ڈالتی ہو اور مُردوں کو نوحہ کرکے ایذا پہنچاتی ہو۔ (تذکرۃ الموتٰی والقبور، صفحہ:81)

روایت ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وصال فرماگئے تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر خیمہ نصب کیا اور سال بھر وہاں ہی رہی۔ جب ایک سال کے بعد خیمہ اُکھاڑ کر واپس ہونے لگی تو غیب سے آواز آئی:

اَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا۔ کیا تو نے اپنے مفقود (غائب) کو پالیا۔
تو کسی نے جواب دیا: بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا بلکہ نا امید ہوکر واپس لوٹے۔

بین کرنے اور سننے والوں پر لعنت

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: اَلنَّائِحَةُ وَمَنْ حَوْلَهَا مِنْ مُّسْتَمِعِهَا عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (وقائق الاخبار، صفحہ:13)
بین کرنے والی عورت پر اور اس کے آس پاس کے سننے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔

پس میرے بھائیو! اب غور کرو کہ نوحہ کرنے والی ہی نہیں بلکہ سننے والے بھی ملعون ہوتے ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم جب اپنی ماؤں، بہنوں یا بیٹیوں کو ایسا کرتے دیکھیں تو فوراً انھیں روکیں اور سمجھائیں تاکہ اس لعنت سے خود بھی بچیں اور ان کو بھی بچائیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسان کرتے ہیں بلکہ رسولِ اکرم ﷺ نے خود نوحہ کرنے اور سننے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلنَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ۔ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے اور سننے والی پر لعنت فرمائی۔ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ، صفحہ:151)

نوحہ کرنا اور پیٹنا جہالت ہے

حضور نے اس بین کرنے اور پیٹنے کو جہالت قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو ایمان سے خارج بتلایا ہے کہ وہ ہم سے نہیں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعٰى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:150)
جو رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور پکارے پکارنا جاہلیت کا (یعنی بین کرے) وہ ہم سے نہیں۔
مشکوٰۃ میں صفحہ:150 پر حضرت مسلم کی روایت سے ہے کہ ابو مالک الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ اَلْفَخْرُ فِي الْاَحْسَابِ۔ وَالطَّعْنُ فِي الْاَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ وَالنِّيَاحَةُ وَقَالَ النَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تَقُوْمُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:150)
میری اُمت چار جہالت کی باتیں ترک نہیں کرے گی، وہ یہ ہیں: فخر کرنا حسب میں، طعن کرنا نسب میں، ستاروں سے بارش کا اندازہ لگانا اور نوحہ کرنا، اگر نوحہ کرنے والی مرنے سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو قیامت کے دن اس کا لباس ہوگا قطران کا اور قمیص ہوگا خارش کا۔
پس دیکھ لو میرے دوستو! نوحہ کرنے والے کے لیے قیامت کے دن عذاب ہوگا، یہی نہیں بلکہ جس پر نوحہ کیا گیا اس کے لیے بھی عذاب ہوگا۔
مَرَّتَيْنِ فَكَفَفْتُ عَنِ الْبُكَاءِ فَلَمْ اَبْكِ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:152)

مختصر یہ کہ کسی عزیز کی وفات پر یا مصیبت کے وقت رونا یا بین کرنا سخت گناہ ہے۔ جس کا عذاب رونے والے کو قیامت کے دن ہوگا اور جس پر بین کیا جائے اس سے بھی سوال کیا جاتا ہے کہ تُو ایسا ہے جیسا کہ بین کرنے والا کہہ رہا ہے اور اسے سزا دی جاتی ہے۔

تو میرے دوستو! کسی عزیز کے مرنے پر رونا جائز نہیں اور بین کرنا یا پیٹنا تو سخت گناہ ہے۔ البتہ! اگر دل میں غم محسوس کیا جائے اور آنکھوں سے اشک ریزی کی جائے تو احسن ہے کیونکہ غم پر قابو پانا انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ عزوجل اس پر قادر ہے کہ کسی میں شدید احساس پیدا کردے یا کسی میں کم۔

ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے صبر کی تلقین کی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ خود بھی صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اس لیے صبر کرنا ہی بہتر اور احسن ہے۔
اللہ تعالیٰ سب کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

نوحہ سے میت کو عذاب

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: مَنْ نِیْحَ عَلَیْہِ فَاِنَّہٗ یُعَذَّبُ بِمَا نِیْحَ عَلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:151)

جس پر نوحہ کیا جاتا ہے بلاشبہ قیامت کے دن اسے نوحہ کے سبب عذاب دیا جائے گا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اُغْشِیَ عَلٰی عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ رَوَاحَۃَ فَجَعَلَتْ اُخْتُہٗ عُمْرَۃُ تَبْکِیْ وَاجَبَلَاہُ وَاکَذَا تُعَدِّدُ عَلَیْہِ فَقَالَ حِیْنَ اَفَاقَ مَا قُلْتِ شَیْئًا اِلَّا قِیْلَ لِیْ اَنْتَ کَذٰلِکَ فَلَمَّا مَاتَ فَلَمْ تَبْکِ عَلَیْہِ۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:152)

عبداللہ بن رواحہ پر غشی طاری ہوئی تو اس کی بہن عمرہ نے رونا شروع کیا اور کہنے لگی اے پہاڑ افسوس اور ایسے گننے لگی کہ اے ایسے اے ایسے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو کہا کہ جو

کچھ تُو نے کہا ہے مجھ سے پوچھا گیا کہ تُو ایسا ہی ہے؟ جب وصال ہوگیا تو وہ نہ روئیں۔

تو میرے بھائیو! ثابت ہوتا ہے کہ کوئی نوحہ کرتا ہے یا بین کرتا ہے تو میت سے اسی طرح سوال کیا جاتا ہے کہ نوحہ کرنے والا جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست ہے؟ تُو ایسا ہی ہے اور ساتھ میت کو مارا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مَیِّتٍ یَمُوْتُ فَیَقُوْمُ بَاکِیْھِمْ فَیَقُوْلُ وَاجَبَلَاہُ وَاسَیِّدَاہُ وَنَحْوَ ذٰلِکَ اِلَّا وُکِّلَ اللّٰہُ بِہٖ مَلَکَیْنِ یَلْھَزَانِہٖ وَیَقُوْلَانِ اَھٰکَذَا کُنْتَ۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:152)

جب کوئی میت پر کھڑا ہوکر کہے ہائے پہاڑ ہائے سردار وغیرہ تو اللہ تعالیٰ اُس میت پر دو فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کے سینے پر گھونسے مارتے ہیں اور کہتے ہیں تُو ایسا تھا۔

رونے اور بین کرنے سے شیطان گھر میں داخل ہوتا ہے

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ جب ابوسلمہ مر گئے جو حالتِ سفر میں تھے تو میں نے کہا کہ میں ایسا روؤں گی کہ نقل کیا جاوے (یعنی ضرب المثل بن جائے)۔ جب مَیں نے رونے کی تیاری کی اور ایک عورت میرے رونے میں شرکت کے لیے بھی آگئی تو حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمانے لگے:

اَتُرِیْدِیْنَ اَنْ تُدْخِلِی الشَّیْطَانَ بَیْتًا اَخْرَجَہُ اللّٰہُ مِنْہُ۔

کیا تو اس بات کا ارادہ کرتی ہے کہ شیطان کو گھر میں داخل کرے جسے اللہ نے نکال دیا ہے۔

☆☆☆

ساتواں وعظ

دربیانِ جنازہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ط اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا ط اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:148)

بعد حمد وثنائے باری تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر ہزاروں درود اور لاکھوں سلام ہو کہ جو خیر الخلائق وفخر انبیا ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیکی کرنے میں پہل کرو یا سبقت لے جاؤ اور تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزا کے لیے تمھیں اکٹھا کرے گا۔ بے شک وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں

ہر وہ کام نیکی ہے جس سے کسی کو فائدہ پہنچے اور اس میں خود غرضی شامل نہ ہو۔ راستے سے کوئی روڑا یا پتھر ہٹانا بھی نیکی ہے۔ ایسی نیکیاں تو بے شمار ہیں لیکن آخری نیکی اگر کسی کی جمع کی جائے وہ یہ ہے کہ جب وہ مرے تو اس کے کفن دفن کا انتظام کرے۔ اس بات کی بھی سب میں استطاعت نہیں ہو سکتی تو کم از کم جنازہ جائے تو سب کے ساتھ چلے، چارپائی کو کندھا دے اور نمازِ جنازہ ادا کرے اور میت کے حق میں دعا کرے کہ اس کی مغفرت ہو۔ بھلا بتائیے تو اگر کسی کے حق میں دعا کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے، اس سے بڑی کوئی نیکی اس میت کے حق میں ہو سکتی ہے؟ ذرا سوچیے "ہینگ لگے نہ پھٹکری، رنگ چوکھا آئے"

کے مصداق اللہ کے حضور دعا کرنے میں نہ کوئی پیسہ خرچ ہو، نہ کوئی بوجھ اٹھانا پڑے پھر میت کی بخشش کا سامان اور بدلے میں نیکیاں بے شمار۔ کیونکہ جہاں بھی ہم ہوں گے اللہ تعالیٰ بلا کی نیکی کا اجر دے گا۔ دوستو! ایسی مفت کی نیکیوں سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے بلکہ بمطابق فرمانِ خداوندی: فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ۔ نیکی کرنے میں پہل کرنی چاہیے۔ تاکہ دوسرے کو بھی فائدہ پہنچے اور خود بھی نیکیاں حاصل ہوں۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ نمازِ جنازہ ادا کرنے سے ایک تو میت کے لیے بخشش دوسرے خود اپنے لیے ثواب۔

بہارِ شریعت، حصہ چہارم صفحہ: 145 پر ہے کہ میت اگر پڑوسی یا کسی رشتے دار یا کسی نیک شخص کی ہو تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا نفل نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔

ذرا فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَۃَ مُسْلِمٍ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا وَّکَانَ مَعَہٗ حَتّٰی یُصَلّٰی عَلَیْھَا وَیَفْرُغَ مِنْ دَفْنِھَا فَاِنَّہٗ یَرْجِعُ مِنَ الْاٰخِرِ بِقِیْرَاطَیْنِ کُلُّ قِیْرَاطٍ مِّثْلُ اُحُدٍ وَّمَنْ صَلّٰی عَلَیْھَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّہٗ یَرْجِعُ بِقِیْرَاطٍ ۔
(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:144)

اگر کوئی ایمان والا ثواب اور نیکی کے لیے مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے حتیٰ کہ اس کی نمازِ جنازہ ادا کرے اور اس کے دفن سے فارغ ہو تو وہ دو قیراط اجر لے کر لوٹتا ہے اور ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے اور جو نماز پڑھ کر دفن سے پہلے واپس ہو جائے وہ ایک قیراط کے برابر ثواب لے کر لوٹتا ہے۔

بھائیو! اندازہ کرو کہ کس قدر ثواب ہے، جنازہ میں شامل ہونے اور نماز جنازہ ادا کرنے کا۔ اب ذرا جنازہ کے متعلق دیگر مسائل سن لیجیے۔

جنازہ لے جانے میں جلدی

ہمارے لوگ جنازہ لے جانے میں جلدی نہیں کرتے، بلکہ کسی کے مرنے پر جب تک

اکثر رشتے دار یا عزیز پہنچ نہ جائیں جنازہ گھر سے نہیں نکالا جاتا۔ حالانکہ جنازہ لے جانے میں جلدی کرنی چاہیے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا عَلَيْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰى ذَالِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:144)

جنازہ لے جانے میں جلدی کرو اگر وہ نیک ہے تو اسے بھلائی کی طرف لے جانے میں جلدی کرنی چاہیے، اگر وہ نیک نہیں تو اسے اپنی گردنوں کے ساتھ باندھ رکھنا بُرا ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت طلحہ بن برا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے حال کو دیکھ کر فرمایا: طلحہ وفات پانے والے ہیں، جب فوت ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا اور دفن میں جلدی کرنا کیونکہ:

لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَهْلِهٖ۔

مسلم میت کے لیے نامناسب ہے کہ اسے اپنے گھر والوں میں بند کر کے رکھا جائے۔

میت کی آواز انسان کے سوا سب سنتے ہیں

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِيْ وَاِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِاَهْلِهَا يَاوَيْلَهَا اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ۔

(رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:144)

جب جنازہ چارپائی پر رکھا جاتا ہے اور آدمی اس کو اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، پس اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے لے جاؤ، اگر بدکار ہوتا ہے تو اپنی اہل کو کہتا ہے: اے ہلاکت! مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ انسان کے علاوہ اس کی آواز ہر شے سنتی ہے۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔

دیکھو دوستو! میت کس قدر جلدی چاہتی ہے کہ اسے قبر کی طرف لے جایا جائے بشرطیکہ

وہ نیک ہو، لیکن اگر بدکردار ہے تو اس کا رکھنا سراسر نحوست ہے۔

جنازے کو کندھا دینا

جیسا کہ پہلے وعظوں میں بیان ہو چکا ہے کہ لوگوں کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق ہیں جن کو حقوق العباد کہتے ہیں۔ ان حقوق میں ایک مومن پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور نمازِ جنازہ ادا کرے اور جنازے کو کندھا دے۔ اس طرح یہ آخری حقوق دنیوی بھی پورے کرے۔

شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ خود اُٹھایا اور فرمایا: مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَحَمَلَهَا ثَلٰثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:146)

جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اُسے تین مرتبہ اُٹھائے (کندھا دے) پس تحقیق اُس نے حق ادا کیا جو اس پر تھا۔

کندھا دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے چاروں پایوں کو کندھا دے اور ہر بار دس قدم چلے۔ پہلے دائیں سرہانے کو پھر دائیں پائینتی کو پھر بائیں سرہانے کو اور پھر بائیں پائینتی کو کندھا دے اور ہر بار دس قدم چل کر چالیس قدم پورے کرے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ جو چالیس قدم جنازہ اُٹھا کر چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ مٹا دیے جائیں گے۔

حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ جو جنازے کے چاروں پایوں کو کندھا دے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور بخش دے گا۔ (بہارِ شریعت، جلد:4، صفحہ:144)

جنازے کا چلنا

جنازہ لے جانے میں سرہانہ آگے کی طرف ہونا چاہیے۔ (بہارِ شریعت، صفحہ:145)

جنازہ معقول تیزی کے ساتھ لے جانا چاہیے، یعنی نہ بہت تیز اور نہ آہستہ اور اس طرح چلنا چاہیے کہ میت کو جھٹکا نہ لگے۔

جنازہ کے دائیں یا بائیں کی بجائے پیچھے چلنا چاہیے اور اگر کوئی آگے جا رہا ہو تو اتنی دور ہو کہ ساتھیوں میں شمار نہ ہو۔ (عالمگیری بحوالہ بہارِ شریعت، صفحہ:144)

سوار اگر جنازہ کے پاس سے گزرے تو اُسے اُتر جانا چاہیے۔

عورت کا جنازہ کے ساتھ جانا ناجائز اور منع ہے۔ نوحہ کرنے والیوں کو خاص طور پر سختی سے منع کیا جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر عورتوں کو جنازے میں دیکھتے تو فرماتے: تم واپس چلی جاؤ کیونکہ تم زَوْرَاتٍ غَيْرَ مَاجُوْرَاتٍ ہو، یعنی گناہوں کا بوجھ اُٹھانے والی اور اجر سے خالی ہو۔ فرماتے: تم زندوں کو فتنے میں ڈالتی ہو اور مُردوں کو نوحہ کر کے ایذا پہنچاتی ہو۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:81)

جنازہ کے ساتھ چلنے والے کو خاموشی سے چلنا چاہیے۔ موت اور قبر کے حالات اور قبر کا خوف دل میں لانا چاہیے۔ ہنسنے اور باتیں کرنے کی بجائے کلمۂ شہادت اور درود شریف کا وِرد کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جنازے کے ساتھ ہنستے دیکھا تو اس سے فرمایا: جنازے میں ہنستا ہے، مَیں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔ (درمختار بحوالہ بہارِ شریعت:145)

ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا: یااللہ! اس شخص کی کیا جزا ہے جو تیری رضا کے لیے جنازہ کے ساتھ قبر تک جائے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کی جزا یہ ہے کہ اس کی موت پر فرشتے اس کے جنازے کے ساتھ جائیں گے اور میں اس کی روح پر رحمت کروں گا۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:36)

نمازِ جنازہ میں تعداد کی کثرت

نمازِ جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں، صرف اکیلا مسلمان جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ البتہ جتنے زیادہ آدمی جنازہ میں شرکت کریں میت کی بخشش کا اسی قدر زیادہ امکان ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِاَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:145)

کوئی ایسی میت نہیں جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت نماز ادا کرے کہ جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ اس کے لیے شفاعت کریں اور اِس سے اُس کی بخشش نہ ہو۔

حضرت کریب جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے، فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند ارجمند فوت ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے کریب! دیکھو تو جنازہ کے لیے لوگ جمع ہو گئے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں گیا اور واپس آ کر بتایا کہ لوگ جمع ہیں۔ تو فرمایا: اب جنازہ لے چلو، کیونکہ فرمانِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:145)

جو مسلمان مرجائے اُس پر چالیس مسلمان نماز جنازہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس کے حق میں قبول فرماتا ہے اور وہ بخشا جاتا ہے۔

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا وَجَبَ۔ (رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:1147)

جس مسلمان کی نمازِ جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھ لیں اُس پر شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کی وجہ سے مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب لوگوں کو قلیل دیکھتے تو تین صفیں بنا لیتے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:147)

☆☆☆

آٹھواں وعظ

دربیانِ قبر وسوالِ قبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔

(سورۂ طٰہٰ، آیت:55)

ترجمہ: اسی زمین سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم کو نکالیں گے۔

الحمدللہ! بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر صفت کے لائق ہے جس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے تخلیق کیا اور ایسا خوب صورت اور زیبا و مکمل بنایا کہ خود انسان حیران ہے کہ کوئی کسر نہیں اور کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی کمی بیشی ہوجائے تو انسان خوب صورت سے بدصورت ہوسکتا ہے۔ خیر یہ تو اُس کی صناعی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کس سے کی ہے۔ قرآنِ حکیم میں کہیں تو فرمایا ہے کہ انسان کی تخلیق طین سے کی ہے اور کہیں صلصال اور کہیں حماٍ مسنون کہا گیا ہے۔ بہرکیف! انسان کی تخلیق کا ثبوت یہی ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ یعنی اس سے تم کو پیدا کیا۔ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور اسی میں تمھیں لوٹائیں گے یعنی اللہ عزوجل نے ہمیں مٹی سے یہ مکمل اور احسن صورت بخشی ہے اور پھر یہ ناپائیدار جسم مٹی میں ملا دیا جائے گا۔ تو میرے دوستو! اس فانی جسم کو پالنے اور آرام دینے کا کیا فائدہ جسے آخر مٹی میں ملنا ہے اور مٹی میں رہنا ہے اور ایک دن یہ خاکی جسم خاک ہوجائے گا۔

دوستو! جب ہم اس دنیا کی مختصری عمر گزار کر اس دارِ فانی سے رخصت ہوں گے تو ہمارا اور

ایک ٹھکانا ہوگا ایک اندھیری کوٹھری کی صورت میں سیکڑوں من مٹی کے نیچے۔ یہ گدوں اور تکیوں پر سونے والا جسم خاک اور اینٹوں پر تکیہ کرے گا۔ ایئر کنڈیشنڈ کمروں کی بجائے بے در و دیوار کوٹھری میں محبوس ہوگا۔ بلبوں، ٹیوبوں اور دوسری روشنیوں میں رہنے والا جسم گھپ اندھیرے میں ہوگا اور جانثار دوستوں اور رشتے داروں کی بجائے بچھوؤں اور کیڑے مکوڑے سے رشتہ ہوگا۔ نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی غم خوار ہوگا۔ اور اگر کوئی چیز فائدہ دے گی تو وہ ایمان ہوگا اور اعمالِ صالحہ ہوں گے۔

عالمِ برزخ

اس محل کا نام، اس مکان کا نام اور اس زندان کا نام قبر ہے جو قیامت کی پہلی منزل ہے جسے عالمِ برزخ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ کی حیثیت سے ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ یعنی مرنے والوں کے پیچھے یوم بعثت تک ایک پردہ ہے اور اسی پردے کا نام قبر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قبر مٹی کے نیچے دبنے سے ہی بنے۔ سمندر یا دریا کی گہرائیوں میں بھی قبر ہے اور جل کر راکھ کا اُڑ جانا بھی قبر ہے اور درندے کے پیٹ میں ہضم ہوجانا بھی قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جہاں کہیں بھی میت کا حشر ہوا ہو حساب لے اور دوبارہ زندہ کرے کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ جو کچھ قبروں میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔

انسان وہیں دفن ہوتا ہے جہاں کی مٹی اس کے خمیر میں شامل ہو

مذکورہ آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل نے انسان کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹائے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور بات قابلِ ذکر ہے کہ انسان کی تخلیق میں جس مقام کی مٹی صرف ہوئی ہو، وہ اسی مقام پر لوٹایا جاتا ہے یعنی وہیں دفن ہوتا ہے۔ جو لوگ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور پاکستان میں دفن ہوئے ان کی اصل خمیر پاکستان کی مٹی سے کی

گئی جہاں وہ دفن ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اسی علاقے میں کسی بہانے سے پہنچا دیتا ہے۔ اس کی تائید کے لیے ذیل کی روایت ملاحظہ ہو:

طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ مدینہ پاک میں ایک حبشی کا انتقال ہو گیا اور اسے وہیں دفن کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو مدینہ طیبہ میں اس لیے دفن کیا گیا ہے کہ یہ اسی جگہ سے پیدا کیا گیا ہے، اسی طرح ابو سعید اور ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے۔ (تذکرۃ الموتی والقبور، صفحہ:37)

ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موت کا ذکر کثرت سے کرو اور اسے بہت یاد کرو کیونکہ قبر ہر روز پکارتی ہے اور کہتی ہے: اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ میں مسافرت کا گھر ہوں۔ وَاَنَا بَیْتُ التُّرَابِ میں مٹی کا گھر ہوں۔ وَاَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ اور میں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں۔

دقائق الاخبار، صفحہ:11 پر ایک حدیث یوں رقم ہے: اِنَّ الْقَبْرَ یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَنَا بَیْتُ الْوَحْدَۃِ وَالْوَحْشَۃِ وَالْعَقْرَبِ وَالْحَیَّۃِ اَنَا بَیْتُ الظُّلْمَۃِ وَاَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ وَمَاذَا اَعْدَتَ لِیْ۔

بے شک قبر ہر روز تین بار پکارتی ہے کہ میں تنہائی کا اور وحشت کا گھر ہوں، بچھوؤں اور سانپوں کا گھر ہوں، میں تاریکی اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ میرے لیے تو نے کیا تیار کیا۔

دوستو! قبر پکارتی ہے اور پکار پکار کر اپنی ہولناکیوں کا اعلان کرتی ہے تاکہ اللہ کے بندے اس سے درسِ عبرت لیں اور ان کے لیے ان کی آخرت کا سفر آسان ہو۔

قبر آخرت کے سفر کی پہلی منزل ہے

بھائیو! جب ہم اس دنیائے فانی سے کوچ کر کے آخرت کا سفر شروع کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بغیر بستر، چارپائی، روٹی، پانی اور روشنی، ہوا وغیرہ کے سفر درپیش ہوتا ہے اور ہمارے اعزا و اقربا ہمیں اس تاریک کوٹھری میں چھوڑ جاتے ہیں جہاں نہ کوئی دوست ہے، نہ غم خوار ہے، نہ کوئی ساتھی، نہ ہی ہوا اور روشنی وغیرہ کا انتظام ہے۔ تو ہمارے سفر آخرت کی یہ پہلی

منزل ہمیں بہت کٹھن معلوم ہوتی ہے۔ بے شک بہت کٹھن ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں کے لیے اس طرح تاریک اور حابس نہیں رہنے دیتا۔ بلکہ اس کی طبع کے موافق بنا دیتا ہے۔

تو دوستو! جس کے لیے قبر میں آسانی ہو گئی بے شک وہ رستگار ہے اور اپنے حساب میں فلاح پائے گا لیکن جس کو قبر میں عذاب ہوا ہے بے شک اس کے لیے عذاب کی ابتدا ہے۔

حاکم وغیرہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک قبر پر کھڑے ہو کر رونے لگے اور اتنے روئے کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور بیان فرمایا: میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ جس نے اس سے نجات پائی اس کے حساب میں آسانی ہو گی اور جس کے لیے قبر میں آسانی نہ ہوئی اس کے لیے بعد میں بھی سختی ہے۔

قبر جنت کا باغیچہ یا دوزخ کا گڑھا ہے

شرح الصدور، صفحہ:47 پر فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں مرقوم ہے:

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔

بے شک قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

دوستو! مومن صالح اعمال والے کے لیے تو بے شک قبر جنت کا ایک باغیچہ ہے جہاں پر مومن تمام سہولتوں کے علاوہ اپنے محبوب رہبر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دیدار بھی حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ تذکرۃ الموتی والقبور، صفحہ:44 اور شرح الصدور، صفحہ:46 پر رقم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس وقت بندۂ مومن کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر اسے مرحبا کہتی ہے اور کہتی ہے کہ تو مجھے دوست رکھتا تھا اور مجھ پر چلتا تھا اب میں تجھ پر والی بنائی گئی ہوں یعنی مجھے تجھ پر اختیار دیا گیا ہے کہ اب میں تیرے ساتھ بہتر سلوک کروں گی۔ چنانچہ قبر حدِ نگاہ تک فراخ ہو جاتی ہے اور

اس مومن میت کے لیے بہشت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے اور جب کافر اور فاسق کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر مرحبا نہیں کہتی اور سب انسانوں سے زیادہ اس سے بغض رکھتی ہے اور کہتی ہے تو میری پشت پر چلتا تھا، اب مجھ کو اختیار دیا گیا ہے۔ دیکھ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرنے والی ہوں۔ اور وہ اس پر لپٹتی ہے یعنی تنگ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کافر کی ہڈیاں ایک جگہ چھوڑ جاتی ہیں اور ستر سانپ اکیلے اُس پر مسلط کیے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر پھنکارے تو کبھی کوئی چیز زمین پر پیدا نہ ہو۔ وہ سانپ اس کو چمٹتے اور ڈنک مارتے ہیں یہاں تک کہ حساب کا حکم ہو۔

میت سے سوال

قبر میں میت کو جب چھوڑ آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں روح ڈالتا ہے اور اس سے سوال کیے جاتے ہیں اور اسے اس کے اعمال سے آگاہ کیا جاتا ہے جس پر ایماندار تو ثابت قدم رہتا ہے اور سوالات کا درست جواب دے پاتا ہے اور کافر اور منافق خطا کھاتا ہے اور صحیح جواب نہیں دے سکتا، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔

ایمان والے حق بات پر ثابت قدم رہتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهٗ أَنَّهٗ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ أُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا أَدْرِيْ كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ۔ فَيُقَالُ لَهٗ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِّنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَّلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:24-25)

بے شک بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے لوٹ آتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تُو اس مرد محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اگر وہ مومن ہو تو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تُو دوزخ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ جسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے۔ پس وہ دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا۔ اگر وہ منافق اور کافر ہوا تو کہا جائے گا کہ تُو اس مرد کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہے گا کہ میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ پس اس سے کہا جائے گا کہ تو نے نہ جانا، نہ پڑھا۔ پھر اُسے لوہے کا ایک گرز مارا جائے گا تو وہ ایک آواز نکالے گا جسے جنوں اور انسانوں کے سوا سب سنیں گے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أُقْبِرَ الْمَيِّتُ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَلِلْآخَرِ النَّكِيْرُ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهٗ فِيْهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ نَمْ فَيَقُوْلُ أَرْجِعُ إِلٰى أَهْلِيْ فَأُخْبِرُهُمْ فَيَقُوْلَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّذِيْ لَا يُوْقِظُهٗ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهٖ إِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ۔ وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَا أَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ الْتَئِمِيْ عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهٗ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:25)

جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو فرشتے سیاہ رنگ کے اس کے پاس آتے ہیں۔

ایک کو منکر، دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں تو اس مردِ خدا کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ پس وہ جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی جواب دے گا۔ پھر اس کی قبر ستّر گز لمبی اور چوڑی فراخ کی جاتی ہے اور اس کے لیے روشن کی جاتی ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ سو جا۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا چاہتا ہوں تاکہ انھیں (اپنے اعمال کے متعلق) بتاؤں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ تو اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے محبّ کے سوا کوئی نہیں جگاتا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے اُٹھائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔ اگر میت منافق ہو تو کہتا ہے کہ جیسے میں نے لوگوں کو کہتے سنا ویسے میں نے کہہ دیا اور مجھے علم نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علم تھا کہ تو اسی طرح کہے گا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ تو اِس سے لپٹ جا۔ وہ اس سے لپٹ جاتی ہے کہ اس کی ہڈیاں متفرق ہو جاتی ہیں۔ وہ عذاب میں رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے اُٹھا لے۔

امام احمد نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کے بارے میں فرمایا: **فتعود روحه فی جسده** اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں: **من ربك** تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ عزوجل ہے۔ پھر پوچھتے ہیں: **ما دینك** تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ یہ مرد کون ہے جو تمہارے درمیان مبعوث کیا گیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: **ھو رسول الله** کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تجھے یہ کیسے معلوم ہوا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھا۔ اس نے اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی ہے اور میں ایمان لایا ہوں۔

فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَی الْجَنَّةِ۔

ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اس کے

لیے جنت کا فرش بچھاؤ اور جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو۔ جب اس کے لیے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے تو نہایت اچھی ہوا اور جنت کی خوشبو آتی ہے اور اس کی قبر تاحدِ نگاہ فراخ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس ایک صاف اور پاکیزہ خوشبودار لباس پہنے خوب صورت مرد آتا ہے، جو اسے خوش خبری دیتا ہے: **اَبْشِرْ بِالَّذِیْ یَسُرُّكَ هٰذَا یَوْمُكَ الَّذِیْ كُنْتَ تُوْعَدُ۔** خوش ہو اس چیز سے جو تجھے مسرور کرے (نعمتوں سے) یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

تو مومن کہتا ہے: **مَنْ اَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ یَجِیْءُ الْخَیْرَ۔** تو کون ہے؟ تیرا خوب صورت چہرہ خیر کی خبر دیتا ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے: **اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ** میں تیرا نیک عمل ہوں۔ تو میت کہتا ہے: **رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ حَتّٰی اَرْجِعَ اِلٰی اَهْلِیْ وَمَالِیْ۔** اے رب! قیامت برپا کر، اے رب! قیامت برپا کر تاکہ مَیں اپنے اہل و مال کی طرف لوٹ جاؤں۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:142)

کافر سے سوال

اسی حدیث میں ہے کہ جب کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو دو فرشتے منکر اور نکیر اس کے پاس آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ: **من ربك** تیرا رب کون ہے؟ **فیقول هاه هاه لا ادری** تو وہ کہتا ہے کہ: ہائے ہائے، میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھتے ہیں: **ما دینك** تیرا دین کیا ہے؟ پھر کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو کہتا ہے: **هاه هاه لا ادری۔** ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں۔ تو فرشتے پھر سوال کرتے ہیں: **ما هذا الرجل الذی بعث فیكم** یہ مردِ خدا کون ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا؟ تو پھر کوئی جواب نہیں بن پڑتا اور کہتا ہے: **هاه هاه لا ادری** ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں۔ تو آسمان سے ایک ندا آتی ہے کہ یہ جھوٹا ہے۔ اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور دوزخ کا دروازہ کھول دو۔

فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَی النَّارِ فَیَاْتِیْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا وَیُضَیَّقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ

فِیۡهِ اَضۡلَاعُهٗ۔

پس آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھا دو اور اس کے لیے دوزخ کا دروازہ کھول دو۔ پھر اسے دوزخ کی حرارت اور گرم ہوا آتی ہے اور اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیوں کی ہڈیاں علیحدہ علیحدہ ہو جاتی ہیں۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان ہے:

اس کافر کے پاس ایک شخص آتا ہے جس کی صورت قبیح اور کپڑے خراب اور بدبودار ہوتے ہیں۔ وہ اس کافر سے یوں گویا ہوتا ہے: اَبۡشِرۡ بِالَّذِیۡ یَسُوۡئُكَ هٰذَا یَوۡمُكَ الَّذِیۡ تُوۡعَدُ۔ تو اس رنج دینے والی چیز پر خوش ہو، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

مرنے والا پوچھتا ہے: مَنۡ اَنۡتَ فَوَجۡهُكَ الۡوَجۡهُ یَجِیۡئُ بِالشَّرِّ تو کون ہے کہ تیرا چہرہ بہت برا ہے۔ تو وہ شخص جواب دیتا ہے: اَنَا عَمَلُكَ الۡخَبِیۡثُ میں تیرا برا عمل ہوں۔ پھر وہ میت پریشان ہو کر کہتا ہے: رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ اے پروردگار! قیامت برپا نہ کرنا۔
(مشکوٰۃ، صفحہ:143)

دوستو! یہ ہے مومن اور کافر یا منافق سے سوال کیے جانے کے بارے میں کچھ حال۔ لیکن کچھ ایسے اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں گے جن سے سوال ہوگا ہی نہیں اور وہ بغیر سوال و جواب کے جنت کے وارث ہوں گے۔ وہ خوش قسمت بھلا کون ہیں؟

شہدا سے سوال نہیں ہوگا

وہ اللہ کی رضا تلاش کرنے والے اور اپنے محبوب و معبودِ حقیقی کے لیے جان قربان کرنے والے شہید ہوں گے۔ نسائی نے راشد بن سور رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

یَارَسُوۡلَ اللہِ مَا بَالُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یُفۡتَنُوۡنَ فِیۡ قُبُوۡرِهِمۡ اِلَّا الشَّهِیۡدَ۔

یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ مومن سے سوال کیا جاتا ہے لیکن شہید سے سوال نہیں ہوتا؟

تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كَفٰی بِبَارِقَةِ السُّیُوۡفِ عَلٰی رَاۡسِهٖ فِتۡنَةً۔ (شرح الصدور، صفحہ:62)

اس کے سر پر تلواروں کا چمکنا سوالِ عذاب سے کفایت کرتا ہے۔

تلاوت سورۂ الم، سجدہ و سورۂ ملک

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص الٓمّٓ، سجدہ اور سورۂ ملک سونے سے پہلے پڑھے گا، عذاب و سوالِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ (شرح الصدور، صفحہ:62)

جمعہ یا جمعرات کو وفات ہونا

جو شخص جمعہ یا جمعرات کے دن وفات پاتا ہے اُس سے سوالِ قبر نہیں ہوتا۔

امام احمد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنۡ مُسۡلِمٍ یَمُوۡتُ یَوۡمَ الۡجُمُعَةِ اَوۡ لَیۡلَةَ الۡجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللہُ فِتۡنَةَ الۡقَبۡرِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:62)

جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوگا اللہ تعالیٰ اسے فتنۂ قبر سے محفوظ رکھے گا۔
(تذکرۃ الموتٰی والقبور، صفحہ:47)

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام اور اطفال المسلمین پر نہ حساب ہے، نہ قبر کا عذاب ہے اور نہ ہی منکر و نکیر کا سوال ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ:63)

درودِ پاک پڑھنا

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک پڑھنے سے بھی انسان قبر کی ایذا سے محفوظ رہتا ہے اور قبر روشن ہو جاتی ہے۔

امام مسلم ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الۡقُبُوۡرَ مَمۡلُوۡءَةٌ عَلٰی اَهۡلِهَا ظُلۡمَةً وَاِنَّ اللہَ یُنَوِّرُهَا بِصَلَاتِیۡ

عَلَیَّ۔ (شرح الصدور، صفحہ:65، تذکرۃ الموتی، صفحہ:50)

یہ قبریں اندھیرے سے پُر ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ مجھ پر درود شریف پڑھنے کی وجہ سے روشن کرتا ہے۔

رات کی تاریکی میں نفل نماز ادا کرنا

ابن ابی الدنیا نے سری بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

اے ابوذر! اگر تُو سفر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی تیاری بھی کرتا ہے۔ پس قیامت کے راستے کا سفر کیسا ہوگا؟ کیا تجھے وہ بات بتاؤں جو اُس روز تجھے فائدہ دے؟

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں، بتلایئے۔ تو فرمایا: صُمْ یَوْمًا شَدِیْدَ الْحَرِّ لِیَوْمِ النُّشُوْرِ وَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ فِیْ ظُلْمَۃِ اللَّیْلِ لِوَحْشَۃِ الْقُبُوْرِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:65، تذکرۃ الموتی والقبور، صفحہ:51)

سخت گرمی کے دن روزہ رکھنا، قیامت کے دن کے لیے مفید ہے اور رات کی تاریکی میں دو رکعت نماز ادا کرنا قبر کی تاریکی کے لیے مفید ہے۔

علمِ دین حاصل کرنا

عالمِ دین اپنے علم کی بدولت قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ ویلمی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اِذَا مَاتَ الْعَالِمُ صَوَّرَ اللّٰہُ عِلْمَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ یُؤَنِّسُہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَیَدْرَأُ عَنْہُ ھَوَامُ الْاَرْضِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:65، تذکرۃ الموتی القبور، صفحہ:51)

جب عالمِ دین فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے علم کو صورت عطا فرماتا ہے جو قیامت تک اس کا مونس رہتا ہے اور زمین کے زہریلے جانوروں کو اس سے دفع کرتا ہے۔

شرح الصدور اور تذکرۃ الموتی کے مذکورہ صفحات پر درج ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی:

تَعَلَّمِ الْخَیْرَ وَعَلِّمْہُ النَّاسَ فَاِنِّیْ مُنَوِّرٌ لِمُعَلِّمِ الْعِلْمِ وَمُتَعَلِّمِہٖ قُبُوْرَھُمْ حَتّٰی لَا یَسْتَوْحِشُوْا لِمَکَانِھِمْ۔ (شرح الصدور، صفحہ:65)

بھلائی سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اس لیے کہ مَیں تعلیم دینے والے اور علم حاصل کرنے والے، دونوں کی قبروں کو روشن کر دیتا ہوں۔

کسی مسلمان بھائی کو خوش کرنا

کسی مسلمان بھائی کے دل کو راحت اور خوشی پہنچا کر بھی قبر کی وحشت سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ ابو الشیخ اور ابن ابی الدنیا نے امام جعفر صادق سے، انھوں نے اپنے باپ اور پھر انھوں نے اپنے دادا رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَا اَدْخَلَ رَجُلٌ عَلٰی مُؤْمِنٍ سُرُوْرًا اِلَّا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ السُّرُوْرِ مَلَکًا یَعْبُدُ اللّٰہَ وَیُوَحِّدُہٗ فَاِذَا صَارَ الْعَبْدُ فِیْ قَبْرِہٖ اَتَاہُ ذٰلِکَ السُّرُوْرُ فَیَقُوْلُ لَہٗ اَتَعْرِفُنِیْ فَیَقُوْلُ لَہٗ مَنْ اَنْتَ فَیَقُوْلُ اَنَا السُّرُوْرُ الَّذِیْ اَدْخَلْتَنِیْ عَلٰی فُلَانٍ اَنَا الْیَوْمَ اُوْنِسُ وَحْشَتَکَ وَاُلَقِّنُکَ حُجَّتَکَ وَاُثَبِّتُکَ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ وَاُشْھِدُکَ مَشَاھِدَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَشْفَعُ لَکَ وَاُرِیْکَ مَنْزِلَکَ فِی الْجَنَّۃِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:66، تذکرۃ الموتی والقبور، صفحہ:51)

جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی کو خوش کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی اِس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید بیان کرتا ہے۔ پھر جب وہ بندہ وفات پاتا ہے تو وہ خوشی (کا فرشتہ) اس کی قبر میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہتا ہے تو کون ہے؟ تو اسے جواب ملتا ہے کہ میں وہ خوشی ہوں جسے تو نے فلاں شخص پر داخل کیا تھا۔ آج میں قبر کی وحشت میں تیرا مونس ہوں گا۔ تجھے حجت سکھاؤں گا اور تجھ کو تیری جگہ قولِ ثابت یعنی کلمۂ طیبہ سے ثابت قدم رکھوں گا اور قیامت کے دن حاضر ہونے کے مقامات پر ساتھ حاضر ہوں گا۔ تیری شفاعت کروں گا اور بہشت میں تجھ کو تیری جگہ دکھاؤں گا۔

کسی کو اگر دکھ یا تکلیف نہ پہنچائی جائے تو اللہ تعالیٰ قبر کی ایذا سے محفوظ رکھتا ہے۔

ابن مندہ نے ابی کاہل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِعْلَمْ یَا اَبَا کَاهِلٍ اَنَّهٗ مَنْ کَفَّ اَذَاهُ عَنِ النَّاسِ کَانَ حَقًّا عَلَی اللهِ اَنْ یَّکُفَّ عَنْهُ اَذَی الْقَبْرِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:66)

اے ابو کاہل! تو جان لے کہ جس شخص نے ایذا کو لوگوں سے باز رکھا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس سے قبر کی ایذا کو باز رکھے۔

مسجد میں روشنی کرنا

جو شخص مسجد میں روشنی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو منور کرے گا۔ ابو الفضل طوسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمانِ نبوی ہے:

مَنْ نَوَّرَ فِیْ مَسَاجِدِ اللهِ نُوْرًا نَوَّرَا اللهُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَمَنْ اَرَاحَ فِیْهِ رَائِحَةً طَیِّبَةً اَدْخَلَ اللهُ عَلَیْهِ فِیْ قَبْرِهٖ مِنْ رَّوْحِ الْجَنَّةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:66، تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:521)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی مساجد میں روشنی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو روشن کرے گا اور جو اس میں خوشبو رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں جنت کی خوشبو داخل کرے گا۔

حکایت

ایک عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی وہ مرگئی، حضور کو علم ہوا تو آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے نماز جنازہ پڑھی اور پوچھا کہ تو نے کون سا عمل بہتر پایا؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا وہ سنتی ہے تو آپ نے فرمایا: تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں۔ پھر فرمایا: اس عورت نے جواب دیا ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینے کا عمل بہتر ہے۔

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:35)

☆☆☆

نواں وعظ

دربیانِ عذابِ قبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔

(سورۂ ابراہیم، آیت:27)

بعد حمد وثنائے باری تعالیٰ خاتم النبین، شفیع المذنبین پر ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں مرتبہ درود وسلام ہو۔

دوستو! جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ قبر ایک ایسا مقام ہے جو دنیاوی زندگی کے اختتام اور اُخروی زندگی کے آغاز کے درمیانی وقفے کو بسر کرنے کا مکان ہے اور اس مکان کی تکلیف یا راحت کا انحصار انسان کے اعمال پر ہے۔ کہ اس کے اعمال اگر بُرے ہوں گے تو قبر اس کے لیے دوزخ کا نمونہ ہوگی اور اگر اعمال اچھے ہوں گے تو قبر اس کے لیے جنت کا نمونہ ہوگی کیونکہ نیک اور ایمان دار شخص کو اللہ عزوجل دنیا وآخرت میں ڈگمگانے نہیں دیتا، اس لیے وہ قبر کے امتحان سے بھی رستگاری حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔

اللہ تعالیٰ نیک اور ایمان دار (یعنی مومن) کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں حق بات پر ثابت قدم رکھتا ہے۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے کہ تمام مومن اپنے اعمال کو سنواریں اور ایمان کو پختہ کریں تاکہ قبر کی مصیبتوں سے چھٹکارا پالیں ورنہ جو حشر میت کا اس اندھیری اور تنگ کوٹھری میں ہوتا ہے وہ قابلِ برداشت نہیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے

فرمایا ہے کہ کوئی جگہ اتنی ڈراؤنی نہیں جتنی کہ قبر ہے۔

ابن ماجہ نے برا ابن عازب سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ ایک قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ آپ اتنا روئے کہ زمین تربتر ہوگئی۔ پھر فرمانے لگے: اے بھائیو! اس جگہ کی تیاری کرلو۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:48)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: قبر آخرت کی منزلوں میں سے اوّل منزل ہے۔ جس نے اس کو پار کرلیا اس کے بعد کی منزل میں اسے آسانی ہے لیکن جو اس سے نہ بچ سکا اس کے لیے سختی ہے۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:48)

تو میرے بھائیو! ہمیں چاہیے کہ ان اسباب سے بچیں جو ہماری قبر کو اندھیری اور تنگ بنائیں گے یعنی عذابِ قبر کے اسباب سے بچنا چاہیے۔ وہ عذاب درجِ ذیل ہیں:

کفر و شرک

عذابِ قبر کا سب سے پہلا سبب کفر و شرک ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ:

یُرْسَلُ عَلَى الْكَافِرِ حَيَّتَانِ وَاحِدَةٌ مِّنْ قِبَلِ رَاسِهٖ وَالْاُخْرٰى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ يَقْرِضَانِهٖ قَرْضًا كُلَّمَا فَرَغَتَانِ عَادَانَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:67، تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:48)

قبر میں کافر پر دو سانپ بھیجے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کو سر کی طرف سے کاٹتا ہے اور دوسرا پاؤں کی طرف سے۔ جب کاٹ لیتے ہیں تو پھر شروع ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت رہے گا۔

سُنّتِ نبوی کی مخالفت

ابن عساکر واثلہ بن اسقع سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ اَنَّ قَدْرِيًّا اَوْ مُرْجِيًّا مَاتَ تُبْشَ بَعْدَ ثَلٰثٍ لَوُجِدَ اِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:55، تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:48)

اگر قدریہ یا مرجیہ (جو خلافِ سنت ہیں) مرجائے اور تین روز کے بعد اس کی قبر کھود کر دیکھا جائے تو اس کا منہ قبلہ سے پھرا ہوگا۔

ابن ابی الدنیا نے ابواسحاق فراری سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور اس نے بتلایا کہ وہ کفن چوری کیا کرتا تھا اور اس دوران اس نے بعض میتوں کو دیکھا کہ ان کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے تھے۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: یہ لوگ سُنّتِ نبوی سے انحراف کرنے والے تھے۔ (شرح الصدور، صفحہ:72)

قبروں کی بے حرمتی کرنے والے

اس کے لیے بھی عذابِ قبر لازم ہے جو مومنین کی قبروں کی بے حرمتی کرے۔

ابن عساکر نے اعمش سے بیان کیا ہے کہ ایک گستاخ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبرِ انور پر پاخانہ کردیا۔ وہ پاگل ہوگیا اور کتوں کی طرح بھونکنے لگا۔ مرنے کے بعد اس کی قبر سے چیخنے اور بھونکنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ (شرح الصدور، صفحہ:76)

صحابہ کی شان میں گستاخی

ابن ابی الدنیا نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا شَاتِمًا لِاَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِيْ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ دَابَّةً تَقْرِضُ لَحْمَهٗ يَجِدُ اَلَمَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:71، تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:54)

جو شخص میرے اصحاب میں سے کسی کو بُرا کہتا ہوا دنیا سے مرگیا، تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک جانور کو مسلط کرے گا اور وہ اس کا گوشت قطع کرتا رہے گا جس کی تکلیف اس کو قیامت تک رہے گی۔

چوری، زنا اور شراب خوری

عذابِ قبر کا سبب چوری اور بدکاری بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی ہے،

جس کو ابن الدنیا نے حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے:

مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ وَهُوَ يَسْرِقُ اَوْ يَزْنِيْ اَوْ يَشْرَبُ اَوْ يَاْتِيْ شَيْئًا مِّنْ هٰذِهٖ اِلَّا جُعِلَ مَعَهٗ شُجَاعَانِ يَنْهَشَانِهٖ فِيْ قَبْرِهٖ (شرح الصدور، صفحہ:71)

چوری کرنے والے یا زنا کرنے والے یا شراب پینے والے یا ان میں سے کوئی بھی کام کرنے والے میت کے ساتھ جب وہ مرتا ہے دو گنجے سانپ اس کے ہمراہ بنائے جاتے ہیں،، جو اُس کی قبر میں اس کو ڈنک مارتے ہیں۔

والدین کو بُرا بھلا کہنا

والدین کے نافرمان اور ان کو بُرا بھلا کہنے والے یعنی اُن کے ساتھ بدکلامی کرنے والے شخص کو بھی عذابِ قبر ہوگا کہ اصبہانی نے عوام بن حوشب سے بیان کیا ہے کہ وہ ایک دفعہ ایک قبیلے میں گئے۔ وہاں ایک قبرستان میں عصر کی نماز کے قریب ایک قبر پھٹی جس سے گدھے کے سر والا ایک آدمی برآمد ہوا۔ جو تین مرتبہ گدھے کی طرح رینکا اور واپس قبر میں چلا گیا۔ پھر قبر بند ہوگئی۔ جب لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ شخص شراب پیا کرتا تھا اور جب اس کی ماں اسے نصیحت کرتی تو اسے کہتا کہ تُو گدھے کی طرح کیوں رینکتی ہے۔ پھر وہ شخص ایک روز عصر کے بعد مر گیا۔ اس لیے اس کی قبر عصر کے بعد پھٹتی ہے اور وہ تین دفعہ رینکتا ہے اور قبر پھر بند ہوجاتی ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ:71-72)

چغل خوری

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رُطَبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا فَقَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:42)

نبی ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ: ان میتوں کو عذاب ہو رہا ہے، ان کو کسی کبیرہ گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا ہے بلکہ ان میں سے ایک پیشاب کرنے میں پردہ نہیں کرتا تھا۔ مسلم کی روایت ہے کہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک ہری ٹہنی لی اور اس کے دو حصے کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں گی عذاب میں تخفیف رہے گی۔

پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا

مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کہ پیشاب کے معاملے میں پرہیز کرنا اور پردہ کرنا ضروری ہے ورنہ بے پردگی عذاب کا سبب ہے۔ علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اور ابن ابی الدنیا سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ۔ (شرح الصدور، صفحہ:67)

پیشاب سے بچو! کیونکہ اکثر عذابِ قبر اس سے ہوتا ہے۔

مظلوم کی مدد نہ کرنا

بخاری اور ابوشیخ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ایک بندے کے لیے حکم کیا گیا کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں تو اس نے (تخفیف کے لیے) دُعا مانگی یہاں تک کہ ایک دُرّہ رہ گیا اور اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ جب عذاب اس سے اُٹھایا گیا اور وہ ہوش میں آیا تو پوچھا کہ مجھے دُرّے کس وجہ سے مارے گئے ہیں؟ تو فرشتوں نے جواب دیا:

قَالُوْا اِنَّكَ صَلَّيْتَ صَلٰوةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَّمَرَرْتَ عَلٰى مَظْلُوْمٍ فَلَمْ تَنْصُرْهُ (شرح الصدور، صفحہ:68، تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:54)

انھوں نے کہا کہ تو نے بغیر وضو کے نماز ادا کی اور تو ایک مظلوم کے پاس سے گزرا اور

اس کی مدد نہیں کی۔

دوستو! یہ چند ایسی باتیں تھیں جو عذابِ قبر کا سبب بنتی ہیں اور ہمیں ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اب چند ایسی باتیں بھی سن لیجیے جو عذابِ قبر سے محفوظ رکھتی ہیں اور قبر کے اندھیرے کو اُجالے میں تبدیل کرتی ہیں۔

صالح آدمی کی قربت

میت کی قبر کسی نیک اور صالح مومن کی قبر کے قریب بنانی چاہیے تاکہ وہ اس کی برکت سے فیض حاصل کر سکے۔ کیونکہ جس طرح زندگی میں نیک لوگ فائدہ پہنچاتے ہیں یا بُرے کی برائی سے نقصان پہنچتا ہے اسی طرح میت کی نیکی یا بدی بھی دوسرے میت پر اثر ڈال سکتی ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: اَدْفِنُوْا اَمْوَاتَكُمْ وُسْطَ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ فَاِنَّ الْمَيِّتَ يَتَاَذّٰى مِنْ جَارِ السُّوْءِ كَمَا يَتَاَذّٰى الْحَيُّ ۔

(فتاویٰ عزیزی، حصہ دوم، صفحہ:106، تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:38، شرح الصدور، صفحہ:42)

اپنی میتوں کو صالح لوگوں میں دفن کرو کیونکہ میت اپنے بُرے ہمسائے سے اس طرح ایذا پاتی ہے، جس طرح زندگی میں ایذا پاتی ہے۔

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کوئی مرے اُسے اچھا کفن دو۔ اس کی وصیت پوری کرو۔ اس کی قبر گہری کھودو اور بُرے ہمسایہ سے دور رکھو۔

لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) کیا میت کو ہمسایہ سے نفع ملتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں!۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:38)

صالح آدمی چالیس ہمسایوں کی شفاعت کرتا ہے

ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی مدینہ منورہ میں مرگیا اور وہیں دفن ہوا۔ کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہے۔ اسے بڑا دکھ ہوا۔ پھر چند روز کے بعد اسے اہلِ جنت میں پایا تو اس کا سبب پوچھا۔

اس نے جواب دیا: میرے ساتھ ایک صالح آدمی دفن ہوا جس نے اپنے چالیس ہمسایوں کی شفاعت کی اور میں بھی اسی شفاعت کے تحت جنت میں داخل کیا گیا ہوں۔

(تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:38، شرح الصدور، صفحہ:42)

مریض ہو کر مرنا

جو شخص مریض ہو کر مرے اسے قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ مَاتَ مَرِيْضًا مَّاتَ شَهِيْدًا وَّوُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَغُذِيَ وَرِيْحَ عَلَيْهِ بِرِزْقِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ ۔ (شرح الصدور، صفحہ:61)

جو مریض ہو کر مرے وہ شہید ہوگا، فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا اور جنت سے رزق دیا جائے گا۔ علما نے اس مرض کو مرضِ استسقا بتایا ہے۔

سورۂ ملک کی تلاوت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْمُلْكِ كُلَّ لَيْلَةٍ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ ۔

جو شخص ہر رات سورۂ ملک پڑھتا ہے، وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

☆☆☆

دسواں وعظ

دربیانِ ایصالِ ثواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۔ (سورۂ حشر، آیت:10)

بعد حمد وثنائے باری تعالیٰ اس کے رسولِ مقبول رحمۃ اللعالمین پر ہزاروں درود اور کروڑوں سلام کہ جس کے طفیل ہمیں بخشش کی راہ ملی، ورنہ جاں کنی سے لے کر حشر تک جو مصائب ہم گناہ گاروں کو پیش آتے ان کو برداشت کرنے کی قوت ہم میں نہیں۔

دوستو! قبر کے عذاب اور سوال وجواب کے بارے میں کچھ عرض کیا جا چکا ہے اور گناہ گار کے لیے قبر ہی عذاب کا دروازہ ہے۔ بے شک جس کے لیے قبر کا عذاب ٹل گیا وہ قیامت میں رستگار ہوگا۔ دوزخ کی گرمی قبر کے اندھیرے، سانپوں اور بچھوؤں کے ڈنے اور فرشتوں کی سختیوں سے بچنے کا ایک یہ طریقہ ہے کہ مرنے والے کے رشتے دار اور عزیز کلام پاک پڑھ کر اس کا ثواب اسے بخشیں یا اس کے لیے غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلائیں اور کنوئیں یا مسجد وغیرہ بنوا کر اس صدقۂ جاریہ کا ثواب اس میت کے نام بخشیں۔ بے شک وہ ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس کے لیے سودمند ہے۔

کلام پاک میں سورۂ حشر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۔ (سورۂ حشر، آیت:10)

جو لوگ ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد آئیں گے وہ کہیں گے: اے ہمارے رب!

تو ہمیں بخش دے اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کو بخش دے۔

کلام پاک میں اس آیت کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں تا کہ انھیں نفع دے اور ان کی مغفرت ہو۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبرستان کے پاس سے گزرے اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَآ اَهْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:154)

اے قبروں والے! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری اور ہماری مغفرت فرمائے۔ تم ہم سے پہلے آگئے اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث اس آیت کی تصدیق کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کے لیے دعائے مغفرت فرماتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗۤ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُّنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَّدْعُوْ لَهٗ ۝ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:32)

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال باقی رہتے ہیں: صدقۂ جاریہ اور وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا مانگتا ہے۔

اس حدیث مبارک میں بھی دعائے مغفرت کو میت کے لیے نافع قرار دیا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے ایک حکایت بیان کی ہے۔

حکایت

سفیان بن عیینہ کے والد کا انتقال ہوا تو وہ بہت غمگین ہوئے، چنانچہ وہ ہر روز اپنے والد کی قبر کی زیارت کے لیے جاتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت مانگتے۔ اسی دوران چند روز قبر کی زیارت کے لیے نہ جا سکے تو اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: ''اے بیٹے! تجھے کس بات نے مجھ سے روک دیا؟'' اس پر انھوں نے دریافت کیا کہ کیا آپ میرے قبر پر

جانے کو جانتے ہیں؟ تو جواب ملا کہ جتنی دفعہ تو آیا، مجھے معلوم ہے اور جب تو دعا کرتا تھا تو میں اور میرے ہمسایہ سب خوش ہوتے تھے۔ حضرت ابوسفیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے والد کی قبر کی زیارت کے لیے بہت جانے لگا اور دعائے مغفرت کرنے لگا۔ (شرح الصدور، صفحہ:25)

استغفار سے نیکیاں پہاڑ کی مثل ملتی ہیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: يَتْبَعُ الرَّجُلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْسَنَاتِ اَمْثَالُ الْجِبَالِ فَيَقُوْلُ اَنّٰى هٰذَا فَيُقَالُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ۔ (رواہ طبرانی فی الاوسط، شرح الصدور، صفحہ:122)

قیامت کے دن ایک شخص کی نیکیاں پہاڑ کے مثل ہوں گی، وہ کہے گا کہ یہ مجھے کہاں سے مل گئیں تو اُسے کہا جائے گا یہ تیرے بیٹے کی تیرے لیے استغفار کی وجہ سے ہے۔

بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ بِدُعَاۗءِ وَلَدِكَ لَكَ۔ (وَاَخْرَجَهُ البخاری فی الادب عن ابی ہریرۃ شرح الصدور، صفحہ:37)

بے شک اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند کرے گا۔ تو وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! مجھے یہ درجہ کہاں سے ملا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے بیٹے کی تیرے حق میں دعا کی برکت ہے۔

اس روایت کو ابن قیم نے بھی اپنی کتاب الروح میں صفحہ:148 پر درج کیا ہے۔

میت قبر میں دعا کی منتظر ہوتی ہے

دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَا الْمَيِّتُ فِيْ قَبْرِهٖ اِلَّا شِبْهَ الْغَرِيْقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ وَلَدٍ اَوْ صَدِيْقٍ ثِقَةٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَتْ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ

اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاۗءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاۗءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ (شرح الصدور، صفحہ:127)

قبر میں میت پانی میں ڈوبنے والے فریادی کی طرح ہوتی ہے جو اپنے باپ، ماں، بیٹے یا کسی دوست کی طرف سے دعا پہنچنے کی منتظر ہوتی ہے اور جب اس کو دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا اور اس کے ساز و سامان سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قبر والوں پر اہلِ زمین کی دعاؤں سے پہاڑوں کی مثل رحمت داخل کرتا ہے اور بے شک مُردوں کے لیے زندوں کا تحفہ استغفار ہے۔

سورۂ یٰسین کا پڑھنا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سورۂ یٰسین اجل رسیدہ کے لیے پڑھی جائے یا میت کی قبر پر پڑھی جائے۔ قبر والے مغفرت کے لیے زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ معقل بن یسار مزنی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ قَرَاَ يٰسٓ اِبْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَؤُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ، صفحہ:189)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سورۂ یٰسین پڑھے تو اس کے سب اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اس لیے اس کو اپنے مُردوں کے پاس پڑھو۔

میت کے لیے صدقہ کرنا

میت کے لیے اگر صدقہ کیا جائے تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! (ﷺ) اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْمَاۗءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔

یا رسول اللہ! (ﷺ) بے شک اُمّ سعد (میری ماں) وفات پا گئی ہیں تو (اس کے لیے) کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی، تو (حضرت سعد نے) کنواں کھدوایا اور فرمایا:

یہ اُمِ سعد کے لیے ہے۔

اس حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ اگر زندہ وارث میت کے لیے صدقہ کریں یا استغفار کریں تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے لیکن میت کا مومن ہونا شرط ہے، کافر کو اس کا فائدہ نہیں پہنچتا۔

ایک کافر جس کا نام عاصی بن وائل تھا، مر گیا اور اس نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں تو اس کے بیٹے ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچاس غلام آزاد کر دیے اور اس کے بیٹے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقی پچاس غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! (ﷺ) اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا فَاعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّهٗ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذٰلِكَ ۝

یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے والد نے وصیت کی ہے کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں۔ ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیے ہیں اور پچاس باقی رہ گئے ہیں۔ کیا میں اُس کی طرف سے آزاد کر سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا اور پھر تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ دیتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو وہ اسے پہنچتا۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مسلمان میت کے لیے غلام آزاد کیے جائیں یا صدقہ کیا جائے یا اس کے ۔ ۔ ۔ تو اس کا ثواب ہر حال میں اسے پہنچتا ہے۔

رونے دھونے کا عذاب میت کو پہنچتا ہے

میت کو نہ صرف صدقہ اور استغفار ہی پہنچتا ہے بلکہ میت کے لیے جیسا کہ پہلے وعظوں میں عرض کیا جا چکا ہے، رونے پیٹنے کا عذاب بھی اسی طرح پہنچتا ہے جس طرح صدقہ و خیرات

کا ثواب۔

حکایت

حضرت صالح مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی رات میں قبرستان میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ قبرستان کے مردے قبروں سے نکل کر حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ اِن میں ایک جوان کو عذاب ہو رہا تھا۔ مَیں نے اُس سے وجہ پوچھی تو اس نے بتلایا کہ یہ عذاب اس بات کا ہے کہ میری ماں بہت سی رونے والی عورتوں کو اکٹھا کر کے میرے لیے رویا کرتی ہے اور مجھ سے کہا کہ مَیں اُس کی والدہ سے اس کا حال کہہ دوں تا کہ وہ رونا پیٹنا چھوڑ دے۔ چنانچہ میں صبح اُس کی والدہ کے پاس پہنچا تو وہ ماتم میں مشغول تھی۔ میں نے اُسے اپنا خواب سنایا تو اس نے یہ سُن کر توبہ کی اور کچھ درہم صدقے کے لیے میرے حوالے کیے۔ دوسرے جمعہ کی رات کو جب میں اس قبرستان میں جا کر سویا تو خواب میں اُسی جوان کو دیکھا وہ، مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ وہ صدقہ مجھے پہنچ گیا ہے اور اللہ عزوجل نے عذاب مجھ سے دور کر دیا ہے۔ یہ بات میری والدہ کو بتا دینا۔ (زواجر حصہ اوّل، صفحہ:133 از علامہ ابن حجر)

صدقہ نور بن کر میت کو پہنچتا ہے

طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ اَهْلِ مَيِّتٍ يَمُوْتُ مِنْهُمْ مَيِّتٌ فَيَتَصَدَّقُوْنَ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِلَّا اَهْدَاهَا لَهٗ جِبْرَئِيْلُ عَلٰى طَبَقٍ مِّنْ نُوْرٍ ثُمَّ يَصِفُ عَلٰى شَفِيْرِ الْقَبْرِ فَيَقُوْلُ يَا صَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِيْقِ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اَهْدَاهَا اِلَيْكَ اَهْلُكَ فَاقْبَلْهَا فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَفْرَحُ بِهَا وَيَسْتَبْشِرُ وَيَحْزَنُ جِيْرَانُهُ الَّذِيْنَ لَا يُهْدٰى اِلَيْهِمْ شَيْءٌ ۝

جن کا کوئی آدمی وفات پا جاتا ہے اور وہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو اس صدقہ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نورانی طباقوں میں ڈال کر لے جاتے ہیں اور قبر کے کنارے کھڑے ہو کر فرماتے ہیں: اے گہری قبر کے مکیں! یہ تیری اہل کی طرف سے ہدیہ آیا

ہے، اس کو قبول کر۔ تو میت خوش ہوتا ہے اور خوشی مناتا ہے اور اس کے ہمسائے غم زدہ ہوتے ہیں کہ ان کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا گیا۔

حکایت

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قبریں پھٹیں اور مردے قبروں سے نکل کر ان کے کنارے بیٹھے ہیں، جن کے سامنے نورانی تھال رکھے تھے لیکن ایک شخص کے پاس کچھ نہ تھا۔ میں نے اس سے وجہ دریافت کی تو اُس نے جواب دیا کہ اِن لوگوں کی اولاد اور احباب ان کے لیے صدقہ کرتے ہیں، جو نور بن کر ان کو پہنچتا ہے اور میرا صرف ایک لڑکا ہے جو بدکار ہے۔ وہ نہ میرے لیے دعا کرتا ہے اور نہ ہی صدقہ۔ میں اپنے ہمسایوں میں شرمندہ رہتا ہوں۔ جب حضرت ابوقلابہ بیدار ہوئے تو اس میت کے بیٹے کو بلایا اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ تو بیٹے نے گناہوں سے توبہ کی اور اپنے والد کے حق میں استغفار اور صدقہ کرنے لگا۔ اس کے بعد حضرت قلابہ نے ایک دفعہ پھر خواب میں اس میت کو دیکھا کہ اس کے سامنے سورج سے زیادہ روشن نور موجود تھا جو دوسرے ساتھیوں سے زیادہ تھا۔ چنانچہ اس شخص نے ابوقلابہ سے کہا کہ اللہ تجھے جزائے خیر دے، میں نے اپنے ہمسایوں میں شرمندگی سے نجات پائی ہے۔ (وقائق الاخبار، صفحہ:12)

لَيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کی تشریح

اس کا معنی بعض کے نزدیک یوں ہے کہ انسان کو اپنی کمائی کے سوا کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی۔

شرح الصدور میں صفحہ:130 پر درج ہے کہ حضرت عسکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ خاص حکم اُمتِ ابراہیم اور موسوی کے لیے ہے مگر اُمتِ مسلمہ کو اپنے اعمال بھی فائدہ دیتے ہیں اور غیر کے بھی۔

ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں انسان کافر کے لیے استعمال

ہوا ہے۔ مومن کے لیے اپنے اعمال بھی مفید ہیں اور دوسروں کے بھی۔ اس کے علاوہ لیس للانسان الا ما سعی بطور عدل بتلائی گئی ہے اور بطور فضل غیر کے اعمال بھی نفع دے سکتے ہیں۔ ایک اور بات لکھی گئی ہے کہ للانسان میں لام علیٰ کے معنوں میں لی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو اعمالِ بد کمائے گا، ان کی جزا و سزا کا اثر صرف اسی پر پڑے گا۔ نیز یہ بھی لکھا گیا کہ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ جس کا مطلب ہے کہ جو لوگ ایماندار ہیں ان کو ایمان میں ان کی پیروی کرنے والی اولاد سے (جنت میں) ملا دیا جائے گا۔ اوّل الذکر آیت کی تنسیخ کرتی ہے۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عزیز الدین بن عبدالسلام اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے تھے کہ میت کو کسی کے پڑھنے کا ثواب نہیں ملتا لیکن بعد از وفات ایک دوست نے انھیں خواب میں دیکھا کہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں مَیں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا تھا کہ میت کو کسی زندہ کی طرف سے ثواب پہنچتا ہے۔ لیکن اب میں کہتا ہوں کہ میت کو دوسرے کی طرف سے ثواب پہنچتا ہے اور میں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا ہے۔

☆☆☆

گیارہواں وعظ

دربیانِ سوالِ اَعضا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ.
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا۝

(سورۂ اسراء، آیت:36)

ترجمہ: بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہوتا ہے۔

سب تعریفیں اس خالق کائنات کو سزاوار ہیں جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا اور انسان کو عدم سے وجود میں لاکر اسے ناک، منہ، کان، آنکھیں، دل و دماغ، ہاتھ اور پاؤں اس مناسب صورت میں عطا فرمائے کہ انسان کی تخلیق احسنِ تقویم قرار پائی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۝
ہم نے انسان کو نہایت خوب صورت سانچے میں ڈھالا۔

ان سارے اعضا کی تخلیق کے بعد ہر ایک عضو کو اس کا عمل سرانجام دینے کی طاقت عطا فرمائی۔ مثلاً آنکھ کو دولتِ دیدار عطا کی۔ زبان کو قوتِ گفتار عطا کی۔ پاؤں کو طاقتِ رفتار عطا کی اور دل کو حوصلہ وتاب وتواں بخشا۔ کانوں کو قوتِ سماعت بخشی اور ہاتھوں اور بازوؤں میں طاقتِ عمل عنایت فرمائی۔ سچ جانیے اس مالکِ حقیقی کا ہم کسی صورت بھی شکرِ نعمت کا پورا حق ادا نہیں کرسکتے، خواہ ہم ساری عمر اس کی تعریف وثنا خوانی میں بسر کردیں۔

پھر کروڑوں درود و ہزاروں سلام اُس ہادیِ برحق پر جس نے ہر فعل اور ہر عمل میں ہماری رہبری فرمائی اور ہمیں ان اعضا کا صحیح استعمال سکھایا، ورنہ ہم کہاں اس قابل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عطافرمودہ نعمتوں کا صحیح استعمال جان سکیں۔ یہ بھی اللہ عزوجل کا ایک احسانِ عظیم ہے کہ

اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہماری رہبری فرمائی۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے پہلے ہمیں یہ مناسب اور خوبصورت اعضائے جسمانی عطا فرمائے اور پھر ان کے استعمال کا طریقہ سکھایا، تو اگر ہم ان اعضا کو صحیح اور بمطابق حکم الٰہی استعمال نہ کریں گے تو ہم سے ان کے بارے میں ضرور پُرسش ہوگی اور اگر ہم ان اعضا کا بمطابق حکم الٰہی صحیح استعمال نہ کریں تو ہم مجرم ہوں گے اور ناشناس ہوں گے اور اس ناشناسی کی سزا ہر عضو کے عمل کے مطابق وموافق ہوگی۔

مثلاً کان، آنکھ، پاؤں وغیرہ (اعضائے جسمانی) کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ان کو غلط راستے میں استعمال کیا گیا ہے یا نیکی کے راستے میں؟ چونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس لیے یہ اعضا نیکی کے کاموں کی انجام دہی سے خوش رہتے ہیں۔ چنانچہ دل کو ہی لیجیے۔ اگر کوئی برائی کا کام سرزد ہو تو دل میں غم وزجرت کا اثر پایا جاتا ہے اور اعضائے جسمانی میں سستی سی آجاتی ہے، جو اعضا کی ناراضگی کا اظہار ہے۔ لیکن اگر کوئی نیکی کا کام کیا جائے تو اپنا دل بھی خوش ہوتا ہے اور اعضا میں بھی کام کرنے کا شوق اور چستی پائی جاتی ہے، اسی لیے تو ان اعضا کے بارے میں سوال ہوگا، کیونکہ:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا۝

کان، آنکھ اور دل بلکہ جسم کے تمام اعضا کے بارے میں سوال ہوگا۔ انسان خود تو کیا بولے گا اور اپنے اعمال کا جواب خود تو شاید نہ دے سکے لیکن یہ اعضا خود بخود بتلائیں گے کہ مجھے فلاں نیکی کے لیے استعمال کیا گیا اور فلاں بدی مجھ سے سرزد ہوئی۔ آنکھیں بتائیں گی کہ ہمیں اس کام کی طرف لگایا گیا کہ وہ بُرا تھا یا بھلا تھا۔ ہاتھ بتائیں گے ہم سے یہ عمل کیا گیا۔ پاؤں اور ٹانگیں بتلائیں گی کہ ہم چل کر فلاں نیک یا بُرے کام کے لیے گئے تھے اور اس طرح سب اعضا باری باری گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ (نور، آیت:24)

ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں قیامت کے دن ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

دوستو! یہی موقع ہے کہ ہم نیک اعمال کرکے ان گواہوں کو جو ہمیشہ اور ہر وقت ہمارے

ساتھ رہتے ہیں اور ہر کام میں ہمارا ساتھ دیتے ہیں قیامت کے روز اپنا ساتھی بنا لیں کر ہمارے حق میں گواہی دیں۔ یہ وہ دن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہماری زبانوں پر مہر لگا دے گا، نہ ہمیں جھوٹ بولنے کی اجازت ہوگی کہ ہم اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکیں اور نہ سچ کہنے کی۔ بلکہ ہر بات کا اقرار کرنا ہوگا اور ہر بات کو تسلیم کرنا ہوگا کیونکہ ہمارے ان بے زبان گواہوں کو زبان مل جائے گی اور ہر واقعہ اور ہر عمل کا پتہ صحیح صحیح دیں گے۔ ارشاد ربانی ہے: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ (سورۂ یٰسین: آیت: 65)

ہم قیامت کے دن ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ کلام کریں گے اور پاؤں ان کے کسب کی گواہی دیں گے۔

تو ہم کیوں نہ اپنے ان ہاتھوں کو اچھے اور نیک کام انجام دینے کی طرف لگائیں اور کیوں نہ ہم اپنے پاؤں سے ایسی راہ چلیں جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی مخلوق کی بھلائی ہو۔ کیوں نہ ہم اپنی آنکھوں کو حرام چیزوں کی طرف سے روکیں اور حلال کی طرف لگائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آنکھیں اس لیے عطا فرمائی ہیں کہ ہم اس کی قدرت کا مشاہدہ کر کے اس کو پہچانیں، اندھیرے اور اُجالے میں تمیز کریں تا کہ ہمارے چلنے کے لیے راہ راست مل جائے۔ اچھائی اور برائی میں تمیز کریں کہ آنکھیں دیکھ سکیں اور دل سمجھ سکے کہ فلاں عمل بُرا ہے اور اس کا انجام تباہی ہے اور اس سے بچ جائیں اور اچھی راہ چل نکلیں کہ جس سے دین و دنیا میں فلاح حاصل ہو، تا کہ ہمارا بھی شمار ان میں ہو جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝

آنکھیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا فرمائی ہیں کہ ہم اس کے احکام کو قرآن پاک میں پڑھیں، تا کہ ان پر عمل کر کے راہ ہدایت پائیں اور ہدایت یافتہ بندگانِ خدا کی زیارت حاصل کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں یعنی انبیا و اولیا کی زیارت بھی باعثِ فلاح و نجات ہے لیکن اگر ہم سمجھ سکیں۔

ہاں! میں عرض کر رہا ہوں کہ آنکھیں اس لیے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مطالعہ کریں اور اس کے جمال اور وصال کی تلاش کریں نہ کہ حرمات کو دیکھیں یعنی جن چیزوں کی دیکھنے سے روکا گیا ہے، ان سے بچیں کہ ان کی طرف دیکھنے سے دل میں غلط قسم کے وسواس و خیالات پیدا ہوں گے اور برے خیالات سے برے ارادے ہوں گے اور اعمالِ بد کی طرف رغبت ہوگی، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۝ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اچھے اعمال اچھی نیت اور بُرے اعمال بُرے ارادوں کا نتیجہ ہیں۔ میرے دوستو! کیوں نہ ہم اپنی نظروں کو حرام کی طرف سے روک کر حلال کی طرف لگائیں کہ کسی نامحرم کی طرف نظرِ شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور حرام کاری کی طرف دعوت دینا ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اٹھارہویں پارہ سورۂ نور میں حفظِ بصارت کی تاکید فرمائی ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
(آیت: 30-31)

ایمانداروں کو فرما دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے خبردار ہے اور ایمان والی عورتوں سے فرما دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقام کو ظاہر نہ کریں مگر جو اُن سے ظاہر ہو۔

لیکن آج کل ہماری بی بیاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف چلتی ہیں اور سج دھج کر بازاروں میں نکلتی ہیں، فیشن دار کپڑے پہنتی ہیں اور ایسا عریانی کا لباس کہ جو اعضا کی خوب صورتی کا اظہار کرتے ہیں، وہ ننگے ہوتے ہیں اور جو اعضا کپڑوں سے ڈھکے ہوتے ہیں وہ بھی اپنی بناوٹ کی خبر دیتے ہیں۔ تو یہ حسن اور عریانی و فحاشی کو دعوت دیتے ہیں۔

میرے دوستو! اس فحاشی اور عریانی کو روکا جائے کہ کوئی نظرِ بد سے ان بیبیوں کی طرف

نہ دیکھ پائے کیونکہ نظرِ بد سے دیکھنے والے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ ٥

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اُس پر جو نظرِ بد کرتا ہے اور اُس پر جس کی طرف نظرِ بد کی گئی ہے۔

تو میرے بھائیو! دیکھو اللہ تعالیٰ نظرِ بد کرنے والے پر اور جس کی طرف نظرِ بد دیکھا جائے دونوں پر لعنت کرتا ہے۔ کیونکہ بے شک دیکھنے کی دعوت دینے والا دیکھنے والے سے زیادہ قصوروار ہے اور آنکھوں کی یہ خیانت دلوں کی خیانت کا مظاہرہ کرتی ہے کیونکہ اللہ عزوجل جو دلوں کی اور آنکھوں کی خیانت کا دیکھنے اور جاننے والا ہے، ارشاد فرماتا ہے:

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ٥ (غافر، آیت: 19)

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دِلوں کے بھید کو جانتا ہے۔

ہاں! تو آنکھ برائیوں کی طرف لگا سکتی ہے کہ یہ دل کے ارادوں کی غمازی کرتی ہے اور برائی اور زِنا کی طرف دعوت دیتی ہے لہٰذا بری نظر سے کسی نامحرم کی طرف دیکھنا زِنا کے مترادف ہے۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فرج کی طرح آنکھ بھی زنا کرتی ہے اور آنکھ کا زِنا اس کا دیکھنا ہے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ: 264 پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی یوں درج ہے:

نگاہِ بد ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے، اس لیے کہ ناجائز تعلقات آنکھ کے دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا: زِنا کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: آنکھوں سے۔ (کیمیائے سعادت)

تو میرے بھائیو! نامحرم کی طرف دیکھنے سے آنکھوں میں زِنا کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ جنھیں نورِ بصیرت والے فوراً دیکھ لیتے ہیں۔

حکایت

جمال الاولیا، صفحہ: 29 اور نزہۃ المجالس، صفحہ: 112 پر ایک حکایت یوں درج ہے:

ایک شخص کی نگاہ کسی نامحرم عورت پر پڑ گئی اور جب وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حضور حاضر ہوا تو آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: بعض انسان میرے پاس اس حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں زِنا کے نشان پائے جاتے ہیں۔

اس پر ایک شخص نے عرض کیا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی وحی آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: وحی تو بند ہو چکی ہے مگر میں اپنی ایمانی فراست سے یہ بات جانتا ہوں۔

نزہۃ المجالس میں ہے کہ وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور زبان بھی زِنا کرتے ہیں کیونکہ یہ زِنا کو دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ، صفحہ: 30 پر ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنَا اَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظْرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِيْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهٗ ٥ (متفق علیہ)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بنی آدم کے حصے میں زِنا لکھ دیا ہے، لامحالہ اس کو پائے گا۔ پس آنکھ کا زِنا دیکھنا ہے اور زبان کا زِنا باتیں بنانا ہے اور نفس کا زِنا آرزو کرنا اور خواہش کرنا ہے اور فرج اس نفس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی تکذیب کرتا ہے۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهٗ ٥ (مشکوٰۃ، صفحہ: 20)

آنکھوں کا زِنا دیکھنا ہے، کانوں کا زِنا سننا ہے اور زبان کا زِنا کلام کرنا ہے، ہاتھ کا زِنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زِنا، زِنا کی طرف چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور تکذیب کرتا ہے۔

تو میرے بھائیو! ظاہر ہے کہ تمام اعضا جو برائی کرتے ہیں وہ برائی کے حصے دار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے فروج کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ، پاؤں، زبان اور آنکھوں کی بھی

حفاظت کریں کہ برائی کی طرف مائل نہ ہوں۔

یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہی نہیں کہ وہ غیر کی طرف نہ دیکھیں بلکہ عورتوں کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں۔ چنانچہ کنزالایمان کے صفحہ:500 پر ابوداؤد اور ترمذی سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آیا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۝ (سورہ نور، آیت:31-30)

مسلمان مردوں کو حکم دیں، اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو ان کے کام کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو حکم دیں اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔

تو ازواجِ مطہرات میں سے بعض اُمہات المومنین نے عرض کیا: وہ تو نابینا ہیں فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو۔

میرے مسلمان بھائیو! حدیث مقدسہ سے ظاہر ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے حفظِ نگاہ ضروری ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی پردہ ضروری ہے، خواہ مرد نابینا ہو یا مخنث کیونکہ جس طرح زِنا کی قباحتیں ہیں، اسی طرح بدنظری بھی انسان کے لیے سراسر قباحت وخسارہ کا پیغام ہے۔

حکایت

تذکرۃ الاولیاء، صفحہ:45 پر ایک حکایت مرقوم ہے:

امام ابوعمر بچوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے کہ ایک نوعمر اور خوب صورت بچہ ان سے کلام مجید پڑھنے کے لیے آیا، جسے دیکھ کر اُن کی نیت میں فتور آگیا اور اس نیت بد کی نحوست سے تمام کلام مجید بھول گئے اور بے قرار ہوئے۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حج کا وقت ہے پہلے جا کر حج ادا

کرو پھر مسجد خیف میں جانا، جس کی محراب میں ایک ضعیف شخص بیٹھے ہوں گے۔ جب وہ فارغ ہوں تو اپنا حال بیان کرنا اور دعا کے لیے عرض کرنا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب وہ بزرگ اکیلے رہ گئے اور دوسرے لوگ چلے گئے تو ابوعمر نے حاضرِ خدمت ہو کر سلام عرض کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے درخواست کی اور اپنا حال بیان کیا۔ جسے سن کر وہ بزرگ رنجیدہ ہوئے، پھر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور ابھی اپنا سر جھکانہ پائے تھے کہ ابوعمر کو تمام قرآن یاد ہو گیا اور انھوں نے خوشی سے اپنا سر بزرگ کے قدموں پر رکھ دیا۔

مسلمانو! بدنظری ایسی قباحت ہے کہ اس کی نحوست سے کلام مجید جیسی نعمت بھی چھن جاتی ہے۔ بدنظری کی نحوست سے آخرت میں روسیاہی حاصل ہوتی ہے اور چہرے کا گوشت اُتر جاتا ہے۔

حکایت

تذکرۃ الدورہ میں ایک حکایت منقول ہے:

محمد سماک رحمۃ اللہ علیہ اور ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک روز رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دربار میں تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں حضرت عقلا بن العام رحمۃ اللہ علیہ نیا لباس پہنے ہوئے جھومتے جھامتے اُدھر آنکلے۔ محمد سماک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ یہ کیسی رفتار ہے؟ تو فرمایا: کیوں نہ ہو، میرا نام غلام جبار ہے۔ اتنا کہتے ہوئے گر پڑے اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ پھر آپ کو خواب میں دیکھا گیا کہ آپ کا نصف چہرہ سیاہ ہے۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ ایک روز میں استاد صاحب کی خدمت میں حاضر تھا کہ وہاں ایک بے ریش لڑکا خوبرو نظر آیا۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہشت جانے کا حکم دیا تو میں دوزخ کے پاس سے گزرا تو ایک سانپ نے پھنکار کر مجھ پر حملہ کیا جس سے میرا آدھا چہرہ سیاہ ہے اور یہ سب اس لڑکے پر نظر پڑنے کی نحوست تھی۔

حکایت

تذکرۃ الاولیاء صفحہ:390 پر ایک حکایت حضرت ابوعلی وقاق رحمۃ اللہ علیہ کی درج ہے:

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوعلی وقاق رحمۃ اللہ علیہ کو ایک

مرتبہ وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا: حق تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور جس گناہ کا میں نے اقرار کیا اُسے بخش دیا۔ مگر ایک گناہ جس کا اقرار کرنے سے مجھے شرم محسوس ہوتی تھی، میں اُس کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے چہرے کا تمام گوشت اُتر گیا۔ گناہ یہ تھا کہ لڑکپن میں مَیں نے ایک لڑکے کو شہوت کی نظر سے دیکھا تھا۔

نظر بد سے بچنے سے ایمان میں برکت ہوتی ہے، کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو اس کا مواخذہ نہیں لیکن اگر قصداً دیکھے تو اس کے لیے وہ قباحت ہے جو نظر بد یا زنا کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ ہاں! اگر وہ خدا کا خوف دل میں رکھتے ہوئے دوبارہ نظر نہ کرے تو یہ اس کے لیے باعثِ برکت اور زیادتی ایمان ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَّسْمُوْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَّخَافَتِيْ اَبْدَلْتُهٗ اِيْمَانًا يَّجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ۔

نظر شیطان کے تیروں میں سے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے۔ جو شخص محض مجھ سے ڈر کر نظرِ بد کو چھوڑ دیتا ہے تو میں اس کو ایمان سے بدل ڈالتا ہوں جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔

تو میرے بھائیو! ظاہر ہے کہ نظرِ بد سے دیکھنے میں بڑی قباحت و بدبختی ہے اور اس کے ترک کرنے میں ثواب و ایمان کی فراوانی ہے اور رحمتِ خداوندی کا باعث ہے۔

حفاظتِ سماع

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھوں کی نعمت عطا فرمائی ہے کہ وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کرے اور اپنے خالق حقیقی کی تخلیقات کا نظارہ کر کے اپنے مالک و معبودِ حقیقی کی پہچان کرے۔ اسی طرح انسان کو کانوں کی نعمت بھی عطا فرمائی ہے کہ وہ اس سے کلام اللہ کو بغور سنے اور اس پر عمل پیرا ہو اور انبیا و اولیا کی محافل میں حاضر ہو کر ان کے اقوالِ زریں اور پند

نصائح سے بہرہ مند ہو کر اپنی زندگی کو قابلِ فلاح بنا سکے۔ کان اس لیے نہیں دیے گئے کہ گانے بجانے کی محافل میں شریک ہو کر ان سے خوشی و طرب حاصل کرے اور اپنی زندگی کو لہو ولعب میں ڈال لے اور نہ اس لیے ہیں کہ جھوٹی افواہیں اور بے ہودہ اور لامعنی باتیں سنے۔ ایسی باتوں کے سننے سے پرہیز کیا جائے جو زندگی میں انتشار پیدا کریں، سب سے بڑھ کر غیبت کی باتیں سننے سے پرہیز کیا جائے کہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔

چنانچہ غیبت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قِيْلَ كَيْفَ قَالَ الرَّجُلُ يُزْنِيْ ثُمَّ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرَ لَهٗ صَاحِبُهٗ۔ (زواجر، صفحہ: 9)

سرکار ﷺ نے فرمایا: غیبت زنا سے بدتر ہے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیسے؟ فرمایا: مرد زنا کرتا ہے، جب توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے مگر غیبت کرنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا صاحب معافی نہ دے یعنی جس کی غیبت کی ہے۔

غیبت کسے کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی یا خامیاں اس طرح سے بیان کرنا کہ اگر وہ حاضر ہوتا تو اس کی ناراضگی کا سبب ہوتا، خواہ وہ برائیاں یا عیب، جھوٹ ہوں یا سچ۔

زبان کی حفاظت

میرے مسلمان بھائیو! جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں غیبت ایک ایسا فعل ہے جسے کرنا یا سننا زنا کے برابر ہے، اس لیے کانوں کے ساتھ ساتھ زبان کو بھی اس فعلِ بد کے ارتکاب سے روکنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو غیبت کرنے والے کو اپنے بھائی کا گوشت کھانے والا قرار دیا ہے۔

چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ (سورۂ حجرات، آیت:12)

تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیاتم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ مردہ بھائی کا گوشت کھائے، پس تم اس کو ناپسند ہی کروگے۔

یہ ہے غیبت کرنے والے کا فعل کہ وہ گویا سچ مچ اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ زواجر حصہ دوم میں صفحہ:8 پر ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ مَیں حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھا اور ایک شخص جب حضور کی خدمتِ عالیہ سے اُٹھ کر چلا گیا تو دوسرے نے اس کی غیبت شروع کر دی۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: تَخَلَّلْ خلال کر (یعنی اپنے دانت خلال کر کے پاک کر) تو اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! مِمَّا اَخَلُّ مَا اَكَلْتُ لَحْمًا۔ مَیں کس بات پر خلال کروں، میں نے کوئی گوشت کھایا ہے؟ تو فرمایا: تونے اپنے بھائی کی غیبت کی اور اس طرح اپنے بھائی کا گوشت کھانے کا ارتکاب کیا ہے، لہٰذا خلال کرو۔

غیبت کرنے والے کا آخرت میں بھی انجام بُرا ہے۔ غیبت کے لیے جو آخرت میں سزائیں ہیں، ذرا غور سے سنیے۔

کیمیائے سعادت، صفحہ:385 پر ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میرا ایک ایسے گروہ کے پاس سے گزر ہوا جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہروں کا گوشت نوچ رہے تھے تو میں نے پوچھا کہ یہ کون گنہگار ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کرتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک اللہ تعالیٰ زبان کو ایسے گناہ سے محفوظ رکھے۔

اسی صفحے پر ایک اور روایت ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ جو شخص غیبت سے توبہ کر کے مرگیا، وہ سب سے آخر میں بہشت میں داخل ہوگا اور جو توبہ کیے بغیر مرگیا وہ سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک روز چند صحابہ کے ہمراہ قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ ان دونوں قبروالوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی کبیرہ گناہ کی وجہ

سے نہیں بلکہ غیبت کی وجہ سے عذاب دیا جارہا ہے اور دوسرے کو اس لیے کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے ہری ٹہنی کے دو ٹکڑے ان قبروں پر گاڑ دیے تا کہ ان کے عذاب میں شاخوں کی سبزی تک تخفیف رہے۔

دوستو! یہ ہے غیبت کی قباحت۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس فعلِ بد سے محفوظ رکھے۔ (آمین) زبان کی حفاظت کے بارے میں اگلے وعظ میں ان شاء اللہ تفصیل سے عرض کیا جائے گا۔

☆☆☆

بارھواں وعظ

دربیانِ حقوقِ والدین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ؐ
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؐ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؐ
اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ؐ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ؐ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:24)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر ہر ذرۂ کائنات کی تعداد کے ہزاروں بلکہ لاکھوں گنے کے موافق درود وسلام جو تخلیق کائنات کا اصل سبب ہیں اور جس نے ہمیں ہدایت کی راہ پر چلنا سکھایا اور ہمیں اپنے حقوق وفرائض سمجھائے اور وہ راز بتلائے جو ہمیں اپنے خالقِ حقیقی کے قریب لاتے ہیں اور ان برائیوں اور گناہوں کو عیاں فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بنتی ہیں۔ برائیوں میں ایک برائی والدین سے بدسلوکی اور ان کی نافرمانی بھی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔ والدین کے حق میں دعائے خیر مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا ؐ

جب تیرے والدین یا ان میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچ جائے تو اُن کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی انھیں جھڑکو بلکہ ان سے نرمی سے اور احترام سے کلام کرو اور ان کے لیے رحمت کا بازو پھیلا دے (یعنی مہربانی کر اور اپنے رب سے دعا مانگ کہ) اے پروردگار! ان پر رحم وکرم فرما کیونکہ انھوں نے مجھے بچپن میں شفقت اور محبت سے پالا ہے۔

میرے بھائیو! جس طرح اللہ تعالیٰ نے والدین پر نیکی اور احسان کرنا ہم پر فرض فرمایا

ہے اسی طرح ان کے لیے کوئی نامناسب اور سخت بات کہنے سے بھی منع فرمایا ہے، نیز ان کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق کہ ان کے حق میں قولِ کریم اختیار کرو اور ان کے حق میں دعا کرو۔ ساتھ ہی كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا سے ظاہر ہے کہ ان کی تکالیف کو یاد کر کے ان تکالیف کے بدلے میں ان کے لیے رحمت اور بخشش مانگو۔

میرے دوستو! اولاد اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جس کے لیے ماں باپ کے دل میں محبت اور خواہش پیدا کی جاتی ہے کہ وہ اولاد کی پیدائش کے لیے ہر قسم کے طریقے اختیار کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں، منتیں مانتے ہیں اور جب کہیں کچھ آس ہوتی ہے تو پھولے نہیں سماتے۔ ماں اوّل نو ماہ تک بچے کو اپنے بطن میں رکھتی ہے۔ کوئی ایسا کام نہیں کرتی یا کوئی ایسی چیز استعمال نہیں کرتی جس سے بچے کو نقصان پہنچے۔ پھر بچے کی پیدائش میں جو تکلیف وہ اُٹھاتی ہے اس کا اندازہ اسے ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ بچے کی ولادت ہوتی ہے تو اس خوشی کا اندازہ لگائیے جو ماں باپ کو حاصل ہوتی ہے۔ والدین خوشی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔ مٹھائی بٹتی ہے، خیرات وصدقات ہوتے ہیں۔ جائز اور ناجائز طریقوں سے روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ماں پورے دو سال بچے کو دودھ پلاتی ہے، گرمی وسردی سے بچاتی ہے۔ بچہ روتا ہے تو پریشان ہو جاتی ہے۔ بچے کو ہر طرح کا آرام پہنچاتی ہے، خود کو کچھ ملے یا نہ ملے بچے کی بھوک پیاس کا خیال رکھتی ہے۔ اس کے پیشاب و پاخانہ کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے، نہلاتی ہے، دھلاتی ہے اور لباس تبدیل کرتی ہے۔ پھر بچہ بڑھتا ہے تو تعلیم کی فکر ہوتی ہے۔ ہر خوشی وغم کے موقعوں پر بچوں کی خوشی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ پھر بچہ جوان ہوا، اس کی شادی پر خرچ ہوا۔ غرض ماں باپ کا زر و مال اور خوشی ومسرت ہر طریقے سے بچے کی ضروریات پر صَرف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ماں باپ بچے کی خاطر کنگال ہو جاتے ہیں۔ پہلے بچہ ماں باپ کا دست نگر تھا، انھوں نے مقدور بھر اس کی ضروریات کو پورا کیا لیکن اب ماں باپ اپنے بیٹے کے دست نگر ہیں تو بیٹا بجائے ان کی ضروریات پورا کرنے کے ان کو ایک آنکھ دیکھنا بھی پسند نہ کرے اور کوئی ضرورت اور شکایت ہو تو اُلٹا جھڑکنے بیٹھ جائے تو اُن کے دل پر کیا گزرے گی، ان کے دل کو کس قدر صدمہ ہوگا۔

کیا اس رویے پر غضبِ الٰہی جوش میں نہ آتا ہوگا۔ کیوں نہیں، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔

اے جوان بیٹے! اب ان والدین کو مت جھڑک کہ انھوں نے تیرے لیے بہت تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ بلکہ انھیں اُف تک نہ کہہ، اِس سے بھی ان کو رنج پہنچے گا اور ان کے دل کو تکلیف پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ان سے نرمی اور تعظیم سے بات کر۔ یعنی والدین کے ساتھ ادب واحترام سے گفتگو کرنا چاہیے۔ علما کا قول ہے کہ والدین سے اس طرح کلام کرنا چاہیے جس طرح خادم اپنے آقا سے کلام کرتا ہے اور ان کا نام لے کر نہ پکارے کہ یہ ادب واحترام کے خلاف ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ۔

یعنی ان سے نرمی اور عاجزی سے پیش آ اور شفقت ومہربانی کا سلوک کر۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔

اور ان کے حق میں رحمت کے لیے دعا کرے کیونکہ وہ ان کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ: یارب! انھوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا اور میں ان کا احسان نہیں چکا سکتا، تو اس کے بدلے میں ان پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔

ماشاء اللہ کیسی اچھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کا کیا انوکھا طریقہ بتلایا ہے کہ ان کے حق میں رحمت طلب کرو۔

مشکوٰۃ شریف، صفحہ: 431 پر روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ يَمُوْتُ وَالِدَيْهِ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا۔

جس بندے کے ماں باپ یا ان میں سے ایک فوت ہو چکا ہو اور وہ ان کا نافرمان ہو، وہ ان کے لیے دعا کرے اور ان کے حق میں استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو فرماں بردار لکھ دے گا۔

ماشاء اللہ والدین کا فرماں بردار بننے کا کیا آسان طریقہ ہے، اسے کہتے ہیں کفارہ۔

دوستو! ہمارے نبی ﷺ نے ہمارے لیے کس قدر آسانیاں مہیا کر دی ہیں، کہ کسی طرح ہم دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔ ورنہ ماں باپ کا نافرمان جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ: 418 پر حضرت مسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ۔ خاک آلود ہو ناک اس کی، خاک آلود ہو ناک اس کی، خاک آلود ہو ناک اس کی۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کس کی؟

قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔

فرمایا: جس کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک زندہ ہو اور وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو۔

دیکھو میرے دوستو! والدین کا نافرمان کبھی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا بلکہ جنت کی بو بھی نہ سونگھ پائے گا۔ چنانچہ کشف الغمہ کے صفحہ: 212 پر فرمانِ رسول یوں درج ہے:

ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَسْمُوْنَ رِيْحَهَا لَيُوْجَرَ مِنْ مَيْسَرَةِ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ اَلْعَاقُ لِوَالِدَيْهِ وَالدَّيُّوْثُ وَالرَّجُلَةُ۔

تین اشخاص جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ ہی اس کی بو سونگھ سکیں گے حالانکہ اس کی خوشبو سو سال کی مسافت سے سونگھی جا سکتی ہے۔ ایک اپنے والدین کا نافرمان، دوسرا بے غیرت (جو اپنے اہل میں زِنا دیکھے اور غیرت نہ کرے) اور تیسرے وہ عورت جو مردوں سے مشابہت کرے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک اور حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہیں۔ وہ حدیث پاک یوں ہے:

ثَلَاثَةٌ لَّا يَنْظُرُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اَلْعَاقُ لِوَالِدَيْهِ وَمُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْمَنَّانُ بِمَا اَعْطٰى۔

تین اشخاص کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر سے نہ دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک والدین کا نافرمان، دوسرا ہمیشہ شراب پینے والا اور تیسرا نیکی کر کے جتلانے والا۔

تو میرے دوستو! خدائے ذوالجلال اس نافرمانی سے بچائے جس کے لیے اس قدر

عذاب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ۝ کہ ان کو اُف تک نہ کہو اور اگر ہم ان کی نافرمانی کریں یا ان کو جھڑکیں تو ہم جیسے نافرمانوں کا کیا حشر ہوگا۔

بعض لوگ اپنی بیویوں کے اُکسانے پر والدین سے لڑتے جھگڑتے اور یہاں تک کہ ان کو زدوکوب کرنے پر تُل جاتے ہیں تو ایسے لوگ لعنتی ہیں جو اپنے والدین پر اپنی بیویوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ فَضَّلَ زَوْجَتَهٗ عَلٰی اُمِّهٖ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (زواجر، صفحہ:58)

جو شخص اپنی ماں پر اپنی عورت کو ترجیح دیتا ہے اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہوتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔)

آج کل تو بیویوں کو اس قدر ترجیح دی جاتی ہے کہ والدین چھوٹ جائیں تو جائیں! لیکن بیوی کی ذراسی خفگی بھی ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ دن بھی تھے کہ والدین کے کہنے پر عورت کو طلاق دینا پڑتی تھی۔ کیونکہ والدین کی محبت کو عورت کی محبت پر ترجیح دینے کا حکم ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ کے صفحہ: 421 پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میری ایک بیوی تھی جس کے ساتھ میری سخت محبت تھی لیکن میرے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک روز انھوں نے فرمایا: اسے طلاق دے دو لیکن میں نے جب ایسا نہ کیا تو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: میں نے عبداللہ سے کہا تھا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے تو اس نے اسے طلاق نہیں دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! اپنی عورت کو طلاق دے دو۔ اپنے والد کا حکم مانو اور ان کی محبت کو عورت کی محبت پر ترجیح دو۔

زواجر میں صفحہ: 85 پر ایک اور روایت یوں درج ہے:

آپ کے صحابی حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پابند صوم وصلوٰۃ تھے اور خیرات و صدقات میں بہت آگے تھے۔ سخت بیمار ہوئے یہاں تک کہ ان کی بیوی نے حضور کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ کا صحابہ حالتِ نزع میں ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمار،

حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی طرف بھیجا کہ اس کو کلمہ کی تلقین کریں۔ چنانچہ انھوں نے بہت کوشش کی لیکن کلمہ شریف پڑھنے کے لیے ان کی زبان نہ کھلی۔ حضور ﷺ کو اس امر کا علم ہوا تو دریافت فرمایا: کیا اس کے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اس کی بوڑھی والدہ زندہ ہے۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور پوچھا: اے ماں! سچ بتاؤ تمہارا بیٹا علقمہ کیسا تھا؟ اس نے عرض کی: بہت عبادت گزار تھا اور بہت روزے رکھتا تھا، خیرات وصدقات کرتا تھا۔ فرمایا: تو اس سے راضی ہے یا ناراض؟ وہ بولی: یارسول اللہ! میں اس سے راضی نہیں۔ آپ نے ناراضگی کی وجہ پوچھی تو عرض کی: وہ میری بات نہیں مانتا تھا اور اپنی عورت کے کہنے پر چلتا تھا۔ اس کو مجھ پر فضیلت دیتا تھا۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تیری اس ناراضگی کی وجہ سے اس کی زبان کلمہ شریف پڑھنے سے بند ہے۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لکڑیاں جمع کرو۔ اس نے عرض کیا: کیوں؟ یارسول اللہ! (ﷺ) فرمایا: تیرے بیٹے علقمہ کو ان لکڑیوں میں جلاؤں گا۔ اس نے عرض کیا: وہ میرا بچہ ہے اور میرا دل یہ برداشت نہیں کرے گا کہ میرے سامنے اسے جلایا جائے۔ حضور نے فرمایا: اللہ کا عذاب تو اس سے بھی سخت تر ہے۔ مجھے اللہ عزوجل کی قسم! علقمہ کو اس کا روزہ، نماز، صدقہ وخیرات فائدہ نہ دے گا جب تک کہ تُو اسے معاف کر کے راضی نہ ہوجائے۔ اگر تُو چاہتی ہے کہ اللہ اس کو بخش دے اور دوزخ کی آگ سے نجات دے تو اسے معاف کر کے راضی ہوجا، تو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس پر راضی ہوگئی۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب آپ دروازے پر پہنچے تو اندر سے کلمہ پڑھنے کی آواز آرہی تھی اور علقمہ کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ مَنْ فَضَّلَ زَوْجَتَهٗ عَلٰی اُمِّهٖ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

(زواجر، صفحہ:58)

اے مہاجرین اور انصار کے گروہ! جو شخص اپنی ماں پر اپنی عورت کو فضیلت دے گا اس

پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور انسانوں سب کی لعنت ہوگی۔

میرے دوستو! انسان اللہ کا کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو لیکن جب تک وہ اپنے والدین کو خوش نہیں رکھتا یا انھیں برا بھلا کہے گا۔ اس کی یہ عبادت رائیگاں جائے گی۔

چنانچہ کشف الغمہ کے صفحہ: 212 پر ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ثَلَاثَةٌ لَّا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُمْ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا اَلْعَاقُّ وَالْمَنَّانُ وَالْمُكَذِّبُ بِالْقَدَرِ۔

اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کے فرض اور نفل قبول نہیں فرماتا۔ جو والدین کا نافرمان ہو، احسان جتانے والا ہو یا تقدیر کا جھٹلانے والا ہو۔

والدین کے نافرمان دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ مشکوٰۃ کے صفحہ: 221 پر فرمانِ نبوی یوں درج ہے:

كُلُّ الذُّنُوْبِ يَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَا شَاءَ اِلَّا حُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّهٗ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهٖ فِي الْحَيٰوةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ۔

سب (ہر قسم کے) گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے۔ مگر والدین کے نافرمان کو نہیں بخشتا اور ایسے گنہگار کو اللہ تعالیٰ بہت جلد مرنے سے پہلے ہی دنیاوی زندگی میں سزا دے دیتا ہے۔

معاذ اللہ، استغفر اللہ۔ اللہ تعالیٰ ایسی نافرمانی سے محفوظ رکھے جس کے لیے اس قدر اتنی جلدی سزا ہے۔

رینگنے والا مردہ

زواجر حصہ دوم، صفحہ: 58 پر ہے۔ حضرت حوشب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں ایک قبیلۂ عرب میں اترا، وہاں ایک قبرستان ہے جہاں پر عصر کے بعد ایک قبر پھٹ جاتی ہے اور اس سے ایک مردہ نکلتا ہے جس کا سر گدھے کی طرح ہے اور باقی جسم انسان کی طرح، وہ تین مرتبہ گدھے کی طرح رینکتا اور پھر قبر میں چلا جاتا ہے اور قبر مل جاتی ہے۔

ایک دفعہ وہاں ایک عورت سوت کات رہی تھی اس نے مجھ سے کہا کہ اس بڑھیا کو دیکھتے ہو۔ میں نے کہا: ہاں! وہ بولی یہ اس کی ماں ہے جو قبر سے نکل کر رینگتا تھا۔ یہ شخص شرابی تھا اور جب وہ شرابی شراب پینے لگتا تو اس کی ماں کہتی اے میرے بچے! اللہ سے ڈر، تو کب تک شراب پیتا رہے گا، کیا تجھے مرنا نہیں۔ تو یہ شخص اپنی ماں سے کہتا کیوں گدھے کی طرح رینکتی ہے؟ چنانچہ یہ شخص عصر کے وقت کے بعد ایک روز مر گیا۔ اب اس وقت اس کی قبر ہر روز شق ہوتی ہے اور وہ نکل کر تین دفعہ رینکتا ہے اور قبر پھر مل جاتی ہے۔

زواجر صفحہ: 58 پر ایک اور روایت ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو آگ کی ٹہنیوں سے لٹکے ہوئے دیکھا اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کو دنیا میں گالی دیتے تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ماں باپ کی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُّسْتَجَابَاتٌ لَّا شَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ۔ (زواجر، صفحہ: 58)

تین دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی دعا اولاد کے حق میں۔

ماں کو دکھ پہنچانے والا قاری

نزہۃ المجالس میں ایک ایسے شخص کے متعلق روایت ہے جس نے اپنی ماں کو دکھ پہنچایا اور اس کی سب عبادتیں رائیگاں گئیں اور ماں کی بددعا نے اثر دکھایا۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک جوان تورات کا ایسا عمدہ قاری تھا کہ بہت سے لوگ اس کی قرأت سننے کے لیے جمع ہو جاتے لیکن وہ شرابی تھا۔ اس کی ماں اسے شراب خوری سے روکتی تھی۔ چنانچہ ایک رات اس نے شراب پی اور مستی کی حالت میں تورات پڑھنے لگا لوگ سن کر جمع ہو گئے تو ماں نے اسے اٹھ کر وضو کرنے کی ہدایت کی تو اس نے ماں کے چہرے پر ایسی ضرب ماری کہ ماں کی ایک

آنکھ اور کئی دانت نکل گئے۔ ماں نے اسے اس رنج میں بددعا دی کہ اللہ تجھ سے راضی نہ ہو۔ صبح جب وہ ہوش میں آیا تو بہت نادم ہوا اور اس ارادے سے گھر سے نکل کھڑا ہوا کہ ساری عمر اللہ کی عبادت میں گزار دے گا۔ لیکن ماں نے کہا کہ تو جہاں بھی جائے اللہ تجھ سے راضی نہ ہو۔ چنانچہ وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر چالیس سال تک عبادتِ الٰہی میں ایسا مشغول ہوا کہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کی: یا اللہ! تو نے مجھے بخش دیا ہے یا نہیں؟ غیب سے آواز آئی، چونکہ تیری ماں نے بددعا دی تھی کہ اللہ تجھ سے راضی نہ ہو، تو جب تک تیری ماں راضی نہ ہوگی اللہ راضی نہ ہوگا۔ یہ سن کر وہ گھر واپس آیا اور اپنی ماں سے پکارا کہ اے جنت کی کنجی! اگر تو زندہ ہے تو خوشی کا مقام ہے۔ لیکن اگر فوت ہوگئی تو میں ہلاک ہو گیا۔ چنانچہ اس کی ماں نے کہا: اللہ تجھ سے راضی نہ ہو تو اس نے اپنی ماں کے پاس جا کر پہلے اپنے ہاتھ کو کاٹا اور کہا کہ اس نے تیری آنکھ نکالی تھی میں اسے دیکھنا نہیں چاہتا۔ پھر دوستوں سے کہا کہ لکڑیاں اکٹھی کرو، پھر آگ جلائی اور اس میں کود گیا۔ لوگوں نے اس کی ماں سے جا کر کہا تو وہ پکار اٹھی۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو کہاں ہے۔ اللہ تجھ سے راضی ہو۔ ماں کا راضی ہونا تھا کہ خالق برحق بھی راضی ہو گیا اور اللہ کے حکم سے جبرئیل آئے اور اپنا پَر مل کر بڑھیا کو بھی تن درست کیا اور جوان کا ہاتھ بھی صحیح ہو گیا۔

☆☆☆

تیرہواں وعظ

در بیانِ احسان بالوالدین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط (اسرا، آیت:23)

بعد از حمد وثنائے خالق حقیقی والہ العالمین ہزاروں درود و لاکھوں سلام بر رحمت للعالمین۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ معبودِ حقیقی و برحق کی فرماں برداری و اطاعت و عبادت کے بعد کچھ حقوق العباد بھی ہیں۔ بندوں کے حقوق میں سب سے پہلے ماں باپ کا درجہ ہے اور یہی ہمارا موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد اطاعتِ والدین بھی اسی طرح واجب اور ضروری ہے جس طرح اطاعتِ خالق۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود کلام مجید میں فرمایا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ احسان اور نیکی لازم فرما دی ہے۔

کیوں نہ ہو، ذرا غور کیجیے کہ انسان کی شکل میں پیدا ہونے والے اور پیدا کرنے والے بھی یعنی بندے اور اس کے خلاقِ حقیقی کے درمیان ایک وسیلہ بھی ہے اور وہ وسیلہ ہیں والدین تو پھر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اللہ کی اطاعت کے بعد والدین کی اطاعت بھی

لازم و برحق ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ پارہ:21 سورۂ لقمان میں ارشاد فرماتا ہے:

اَنِ اشْكُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ۝

میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو کہ آخر میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شکر گزاری کے ساتھ والدین کی اطاعت ورضا ضروری ہے۔ کیونکہ بچے کی پیدائش سے لے کر اس کے جوان ہونے اور برسرِ روزگار ہونے تک والدین کو ہر طرح کے مصائب برداشت کرنا ہوتے ہیں۔ اب چونکہ انسان کے ذی شعور ہونے تک کہ انسان اپنے خالق حقیقی اور رزاقِ برحق کو جان اور سمجھ سکے۔ اس کی پرورش اور آسائش کے سامان ماں باپ کو مہیا کرنے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس وسیلے کی حق گزاری لطف و مہربانی کے ساتھ امر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ٹھہری۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے والدین کی اطاعت اور رضا جوئی پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

رَضَی الرَّبِّ فِیْ رَضَی الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ ۝

اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ہے اور والدین کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

یعنی ماں باپ خوش ہوں تو اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو جاتا ہے اور ماں باپ کو خفا رکھا جائے تو وہ خالق برحق بھی ناراض ہو جاتا ہے۔

والدین کی ناراضگی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے

مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک شخص دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ تو ارشاد فرمایا: ھُمَا جَنَّتُكَ اَوْ نَارُكَ ۝

وہ تیرے لیے جنت بھی ہو سکتے ہیں یا دوزخ بھی۔

یعنی اگر تو اپنے والدین کی اطاعت کرے تو جنت کا حقدار ہے اور اگر ان کی نافرمانی کرے تو تیرے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے۔

والدین کی خدمت میں جہاد سے زیادہ درجہ ہے

مشکوٰۃ کے صفحہ:241 پر ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے دربارِ عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں غزوہ یعنی جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ مشورہ کر لوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ھَلْ لَّكَ مِنْ اُمٍّ ۝ کیا تیری ماں ہے؟ تو عرض کیا: ہاں ہے۔

پھر فرمایا: فَالْزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا ۝

اس کی خدمت کو لازم رکھ کیونکہ اس کے پاؤں تلے جنت ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ ۝ (مرقات حاشیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:421)

جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل

کشف الغمہ، صفحہ:211 پر مرقوم ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلٰوةُ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِهَا اوّل وقت میں نماز ادا کرنا۔

پھر عرض کیا: پھر کون سا عمل؟ فرمایا: بِرُّ الْوَالِدَیْنِ ۝ والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔

پھر عرض کیا: پھر کون سا عمل؟ تو فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ ۝ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

ایک اور مقام پر فرمایا: بَرُّوْا اٰبَائَكُمْ لِیَبَرَّكُمْ اَبْنَائُكُمْ وَعِفُّوْا عَنْ نِسَاءِ النَّاسِ تَعِفُّ نِسَائُكُمْ ۝ (کشف الغمہ، صفحہ:211)

اپنے والدین کے ساتھ احسان اور نیکی کرو تاکہ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کرے لوگوں کی عورتوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو کہ تمہاری عورتوں کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنے والدین کی اطاعت اور فرماں برداری نہ کریں گے ان کی

اولاد بھی ان کی فرماں بردار نہ ہوگی۔ یعنی یوں سمجھئے کہ یہ ادلے کا بدلہ ہے یا یوں کہیے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ کیونکہ یہ فرمانِ نبوی کے مطابق ہے۔

والدہ کا حق

مشکوٰۃ، صفحہ:88 پر ہے۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری خدمت اور احسان کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ ارشاد ہوا: تیری ماں۔ پھر عرض کیا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: تیری ماں۔ پھر عرض کیا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: تیری ماں۔ اس کے بعد پھر پوچھا گیا تو فرمایا تیرا باپ۔

اس سے ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ احسان اور خدمت کی حقدار ماں ہے اور اس کے بعد باپ یعنی باپ کی بہ نسبت ماں زیادہ نیکی اور خدمت کی حقدار ہے۔

حلیمہ سعدیہ کا احترام

مشکوٰۃ، صفحہ: 42 پر ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ بمقام حجرانہ گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت آئی، حضور ﷺ خود آگے بڑھے، اپنی چادر مبارک بچھائی اور اسے اس پر بٹھایا۔ حضرت ابو طفیل نے کہا: میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ جس کی اس قدر تکریم کی جارہی ہے؟ لوگوں نے بتلایا: یہ رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانے والی والدہ ہیں۔

والدین کی خدمت سے رزق میں کشادگی ہوتی ہے

کشف الغمہ، صفحہ:26 پر حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّمَدَّ لَهٗ فِيْ عُمُرِهٖ وَيُزَادَ فِيْ رِزْقِهٖ فَلْيَبَرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحْمَهٗ

جسے پسند ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں فراخی ہو اسے اپنے والدین کے ساتھ احسان اور نیکی کرنا اور صلہ رحمی کرنا چاہیے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:221)

میرے بھائیو! ماں باپ کی خدمت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بے حساب رزق دیتا ہے۔

حکایت

نزہۃ المجالس، صفحہ:168 پر ہے۔ ایک شخص کے تین بیٹے تھے۔ کرنا خدا کا یوں ہوا کہ وہ شخص بیمار ہو گیا۔ اس کے خوش نصیب بیٹوں میں سب سے بڑے نے باپ کی خدمت اپنے ذمے لے لی، چونکہ والد کی خدمت کو بڑی دولت جانتا تھا اس نے تمام میراث بھائیوں کو دے دی اور باپ کی خدمت کرتا رہا، حتیٰ کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ روز بعد اس نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ فلاں مقام پر جا، وہاں ایک دینار ہے، لے لو۔ اس نے ایسا نہ کیا۔ دوسری رات پھر کسی نے خواب میں کہا کہ فلاں مقام پر دس دینار پڑے ہیں لے لو، برکت ہوگی۔ لیکن اس نے اسے بھی قبول نہ کیا تیسری رات پھر خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ فلاں مقام پر اتنے دینار ہیں جاؤ لے لو، تجھے ان میں برکت ہوگی۔ چنانچہ اگلے روز وہ گیا اور اُٹھا لایا، پھر ایک مچھلی خریدی اسے گھر لا کر صاف کیا تو اس کے پیٹ میں سے دو قیمتی موتی نکلے جو اس نے بادشاہ کے پاس لے جا کر فروخت کر دیے اور اسے ساٹھ ہزار دینار ملے۔ رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے کہا: یہ ساٹھ ہزار دینار تیری اس خدمت کے صلے میں ملے جو تو نے اپنے والد کی کی ہے۔

دوستو! اللہ تعالیٰ اس طرح سے والدین کی خدمت گذاروں کے رزق میں فراخی عطا فرماتا ہے۔

بچھڑے کا واقعہ

بنی اسرائیل کے بچھڑے کا واقعہ تفسیر عزیزی میں صفحہ:285,286 پر یوں مرقوم ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک مرد رہتا تھا جس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اس کے پاس گائے کی ایک بچھیا تھی۔ مرنے سے پہلے وہ اس بچھیا کو جنگل میں لے گیا اور چھوڑ کر دربارِ الٰہی میں یوں عرض کی: اے پروردگار! میں اس بچھیا کو اپنے لڑکے کے لیے تیرے پاس امانت چھوڑتا ہوں تا کہ جب وہ جوان ہو تو اس کے کام آئے۔ کچھ مدت بعد وہ شخص فوت ہو گیا اور وہ بچھیا جنگل میں چر کر پلتی رہی اور حکم الٰہی سے درندوں اور انسانوں کے ہاتھ سے محفوظ رہتی تھی۔ وہ

نیک سیرت بچہ جب بڑا ہو گیا تو صبح لکڑیاں کاٹ کر بیچتا اور اپنی کمائی کے تین حصے کر کے ایک حصہ سے گزر بسر کرتا ایک حصہ والدہ کو دیتا اور ایک راہِ خدا میں خرچ کرتا تھا اور رات کو بھی تین حصوں میں بانٹتا۔ ایک حصہ ماں کی خدمت کے لیے وقف تھا، ایک حصہ میں سوتا اور ایک تہائی رات عبادتِ الٰہی میں صرف کرتا تھا۔ اسی طرح زندگی بسر ہو رہی تھی کہ ایک روز والدہ نے کہا: تیرے والد نے ایک بچھیا تیرے لیے جنگل میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چھوڑی تھی وہ اب جوان ہو گئی ہے، جاؤ جنگل سے لے آؤ۔ اس نے ماں سے اس گائے کی علامت پوچھی، تا کہ کسی اور کی گائے نہ پکڑ لے۔ والدہ نے بتلایا کہ اس گائے کا رنگ خالص زرد ہے۔ اس کے چمڑے سے شعاعیں نکلتی معلوم ہوتی ہیں اور وہ گائے آدمی کو دیکھ کر بھاگ جاتی ہے۔ جب تُو اسے دور سے دیکھے تو کہہ: اے گائے! حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام و حضرت اسحاق وحضرت یعقوب علیہما السلام کے رب کے نام کی برکت سے میرے پاس آجا، وہ تیرے پاس آجائے گی۔ ہاں! دیکھنا کہیں اس پر سوار نہ ہو جانا۔ مبادا آدمی کے استعمال سے اس کی برکت ختم ہو جائے۔ وہ نیک بخت جوان ماں کی بتائی ہوئی نشانیوں اور نصیحتوں کو پلّے باندھ کر جنگل کی طرف گیا اور ویسی ہی ایک گائے دیکھی اور اسے اپنی محترمہ والدہ کے کہنے کے مطابق بلایا۔ گائے دوڑ کر لڑکے کے پاس آ گئی اور وہ گردن سے پکڑ کر گھر کی طرف لے چلا۔ اللہ کے حکم سے وہ گائے اس جوان سے ہم کلام ہوئی اور کہنے لگی: اے نیک بخت! سفر زیادہ ہے تو مجھ پر سوار ہو جا، ہم آسانی سے پہنچ جائیں گے لیکن اس اللہ کے نیک بندے نے کہا کہ میں ہرگز سوار نہ ہوں گا کیونکہ میری ماں نے سواری سے منع کیا ہے۔ اس پر گائے نے کہا: اے نیک بخت جوان! تجھے مبارک ہو تُو آزمائش میں کامیاب نکلا، اگر تو مجھ پر سوار ہو جاتا تو میں تجھے گرا کر بھاگ جاتی اور چونکہ تو والدہ کا فرماں بردار ہے، میں بھی تیری فرماں بردار ہوں۔

پھر شیطان بصورت انسان اس جوان کے پاس حاضر ہوا اور بولا: اے نیک انسان! میری اس جنگل میں بہت سی گائیں ہیں، میں ان کے پاس جانا چاہتا ہوں لیکن میرے پیٹ میں درد بہت سخت ہے اور میں چل نہیں سکتا۔ اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تیری گائے پر سوار

ہو جاؤں؟ جب میں اپنے گلے میں پہنچ جاؤں گا تو تجھے اس امداد کے عوض دو عمدہ گائیں دوں گا اور تیری یہ گائے بھی تیرے پاس ہوگی۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے لیکن اس جوان نے کہا: میری ماں نے اس گائے پر سوار ہونے سے منع کیا ہے۔ اس لیے میں یہ گائے کرائے پر نہیں دے سکتا۔ شیطان نے کہا: تیری والدہ کی عقل ٹھکانے نہیں تجھے اپنا نفع یا نقصان خود سوچنا چاہیے۔ میں تیرا بھلا چاہتا ہوں۔ اس جوان نے کہا: میں اپنی والدہ کے حکم سے سر نہیں پھیر سکتا خواہ کچھ بھی ہو۔ اس پر شیطان نے اسے اتنے زور سے پکڑ لیا کہ وہ جوان اپنے آپ کو چھڑا نہ سکا اور وہ بے بس ہو کر بلند آواز سے پکارا: اے ابراہیم واسمٰعیل ویعقوب علیہم السلام کے اللہ! مجھے اس دشمن سے چھڑا۔ ابلیس لعین نے جب یہ آواز سنی تو جوان کو چھوڑ کر بصورت حیوان بھاگ گیا۔ اس گائے نے جوان کو بتایا کہ یہ ابلیس تھا جو کسی بہانے مجھ پر سوار ہونا چاہتا تھا تا کہ میں تیرے کام کی نہ رہ سکوں۔ لیکن جب تو نے اللہ کا نام لیا تو ایک فرشتہ آیا جس سے شیطان ڈر کر بھاگ گیا۔ آخر شام کے وقت وہ جوان گائے کو لے کر گھر پہنچا تو صبح والدہ نے کہا کہ اسے فروخت کر دو۔ اس کی قیمت اس شہر میں تین دینار ہے لیکن چونکہ یہ گائے انوکھی ہے اس لیے شاید کوئی اس کی قیمت اس سے زیادہ دے دے۔ البتہ فروخت سے قبل مجھ سے پوچھ لینا۔ چنانچہ وہ جوان گائے کو لے کر منڈی گیا تو راستے میں اللہ کا بھیجا ہوا ایک فرشتہ بصورت انسان ملا اور پوچھا کہ اس گائے کو کتنے میں فروخت کرو گے؟ جوان نے کہا کہ تُو کیا دیتا ہے؟ فرشتے نے کہا کہ تین دینار۔ جوان نے کہا کہ اگر میری والدہ رضا مند ہوئی تو میں اس گائے کو تین دینار ہی میں فروخت کر دوں گا۔ فرشتے نے کہا: تو اپنی ماں سے پوچھنے نہ جا اور چھ دینار لے لے۔ اس پر جوان نے کہا اگر چھ دینار میں بھی فروخت کروں تو والدہ کی اجازت ضروری ہے۔ تو فرشتے نے کہا کہ بارہ دینار لے لو اور ماں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر اُس نوجوان نے کہا کہ اگر تو گائے کے برابر سونا بھی دے دے تو بھی میں اپنی ماں کی اجازت کے بغیر نہ بیچوں گا۔

ماشاءاللہ! کیسی فرماں برداری اور اطاعت ہے۔ جب فرشتے نے یہ جواب سنا تو کہا: اے نیک بخت جوان! میں اللہ کا فرشتہ ہوں اور تیرے امتحان کے لیے آیا تھا کہ تُو اپنی والدہ

کا کس قدر فرماں بردار اور اطاعت گزار ہے۔ اس گائے کو گھر لے جاؤ اور بنی اسرائیل کو اس گائے کی ضرورت پیش آئے گی۔ جب وہ خریدنے آئیں تو ان سے کہنا کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ اس کی کھال کو سونے سے بھر دو۔ اس سے تیری تمام عمر آرام سے گزرے گی۔ چنانچہ وہ گائے لے کر واپس آیا اور تمام قصہ والدہ سے کہا۔ پھر ایسا وقت آیا کہ بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بار بار استفسار پر اس گائے کی نشاندہی کی اور وہ گائے اس قیمت پر فروخت ہوئی جو فرشتے نے اس جوان کو بتلائی تھی یعنی گائے کی کھال سونے سے بھر کر قیمت کے طور پر دی گئی۔

دیکھو بھائیو! یہ ہے والدین کی اطاعت گزاری اور فرماں برداری کا صلہ کہ اللہ تعالیٰ نے رزق میں اس قدر فراخی فرمائی کہ ساری عمر آرام سے کھاتے رہے۔ ماشاء اللہ کیوں نہ ہو جب والدین راضی ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جاتا ہے اور اپنے بندے کو مالا مال کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی شان ہے کہ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۝ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں فراخی فرماتا ہے۔

اپنے ماں باپ کو ایک دفعہ محبت کی نگاہ سے دیکھنے سے حجِ مقبول ومبرور کا ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلٰی وَالِدَیْہِ نَظْرَ رَحْمَۃٍ اِلَّا کَتَبَ اللہُ تَعَالٰی لَہٗ بِکُلِّ نَظْرَۃٍ حَجَّۃً مَّبْرُوْرَۃً قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللہِ وَاِنْ نَظَرَ کُلَّ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ قَالَ نَعَمْ اَللہُ اَکْثَرُ وَاَطْیَبُ ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:42)

جب کوئی بیٹا اپنے والدین کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے تو اللہ اس کے لیے ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) اگر کوئی ہر روز سو مرتبہ دیکھے تو کیا اسے سو حج کا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خزانے کثرت سے بھرے ہوئے ہیں اور وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی طرف کمی کی نسبت کی جائے۔

ماشاء اللہ کسی زادِ راہ اور خرچ کی ضرورت نہیں کہ والدین کی خدمت سے ہی سیکڑوں حج

ہو جاتے ہیں۔

والدین کی خدمت سے مصائب ٹل جاتے ہیں

مشکوٰۃ کے صفحہ:420 پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخص سفر میں تھے کہ بارش ہونے لگی۔ وہ بچنے کے لیے ایک غار میں چلے گئے، اس غار کے منہ پر ایک بڑا پتھر گرا جس سے انھیں نکلنا مشکل ہو گیا۔ اب انھوں نے مشورہ دیا کہ اپنے نیک اعمال کو یاد کرو اور پھر اس کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو شاید اس مصیبت سے نجات ملے۔

چنانچہ ایک نے کہا: الٰہا! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے بچے بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں ان کی خدمت کے لیے بکریاں چراتا تھا اور جب شام کو واپس گھر آتا تو دودھ دوہ کر پہلے بوڑھے والدین کو پلاتا پھر بچوں کو دیتا۔ ایک دن گھر دیر سے آیا تو میرے والدین سو چکے تھے۔ میں نے دودھ حسب معمول دوہا اور والدین کے سرہانے لے کر کھڑا رہا کہ نہ انھیں جگانا پسند کیا اور نہ ان سے پہلے بچوں کو پلانا درست سمجھا۔ بچے روتے چلاتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

خدایا! اگر میرا یہ کام تیری رضا حاصل کرنے کے لیے تھا تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں۔ چنانچہ اس کی دعا سے پتھر کا کچھ حصہ ہٹ گیا۔ ماشاء اللہ یہ ہے والدین کی خدمت کی برکت کہ مصیبت سے نجات کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس طرح باقی دو نے بھی دعا مانگی اور پتھر ہٹ گیا اور ان لوگوں کو اس مصیبت سے نجات ملی۔

والدین کی دعا اولاد کے حق میں مقبول ہوتی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ 'انطاکیہ' کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں چلتے چلتے تھک گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ پہاڑ کے دامن میں جاؤ، وہاں میرا ایک بندہ رہتا ہے اس سے سواری مانگو۔ آپ نے وہاں جا کر دیکھا کہ ایک شخص عبادتِ الٰہی میں

مشغول ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ کے بندے! مجھے سواری کی ضرورت ہے۔ یہ سن کر عابد نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو ایک بادل کا ٹکڑا نظر آیا اسے حکم دیا: اے بادل! اللہ کے حکم سے نیچے اُتر آ اور موسیٰ علیہ السلام کو سواری کا کام دے۔ چنانچہ بادل زمین کے قریب اُتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس پر سوار ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے پروردگار! تو نے اپنے اس بندے کو یہ مقام کیوں کر بخشا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کی ماں نے مرتے وقت ایک حاجت پورا کرنے کے لیے کہا تو اس نے اس کی وہ حاجت فوراً پوری کی اس کی ماں خوش ہوگئی اور اس کے حق میں دعا مانگی: یا اللہ! اس نے میری حاجت پوری کی، تو حاجت روا ہے اس کی حاجتیں بھی پوری فرما۔ میں نے فوراً اس کی دعا کو قبول کیا اور اب اس دعا کے صدقے میں جو اس کی ماں نے اس کے حق میں کی اگر یہ شخص دعا کرے: یا اللہ! مردہ زمین کو سرسبز و شاداب کر دے تو میں اس کو سرسبز کر دوں گا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ: 168)

عجیب واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ فلاں دریا کی طرف جاؤ اور ایک عجیب بات کا مشاہدہ کرو۔ چنانچہ آپ اس دریا پر پہنچے لیکن کوئی عجیب بات نظر نہ آئی تو اپنے وزیر آصف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دریا میں غوطہ لگا کر دیکھو۔ انھوں نے غوطہ لگایا تو ایک کافوری قبہ برآمد ہوا۔ جس میں موتیوں، جواہرات اور یاقوت کے چار دروازے تھے اور سب کے سب کھلے تھے لیکن پانی کی بوند تک قبہ میں داخل نہ ہوئی تھی اور ایک جوان اس قبہ میں بیٹھا عبادتِ الٰہی میں مشغول تھا۔ آخر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ امر عجیب دیکھ کر اس مردِ خدا سے پوچھا کہ تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ اس نے عرض کیا: یا حضرت! میری ماں اندھی اور میرے والد اپاہج تھے اور میں ان کی ستّر سال تک خدمت کرتا رہا حتیٰ کہ میری ماں کا آخری وقت آپہنچا تو اس نے میرے حق میں اللہ عزوجل کے حضور دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اَطِلْ عُمْرَہٗ فِیْ طَاعَتِکَ ○ اے میرے اللہ! اس کی عمر دراز فرما جو تیری اطاعت میں بسر ہو۔ جب والد کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی:

اے پروردگار! میرے بیٹے سے ایسے مقام پر خدمت لے کہ شیطان کا گزر وہاں سے نہ ہو سکے۔ چنانچہ والد کی وفات کے بعد میں یہاں آیا اور اس قبہ کو پایا اور اس وقت سے اس میں محو یادِ خدا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کس زمانے کی بات ہے؟ تو اس بندۂ خدا نے عرض کیا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وقت تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حساب لگا کر اس کی درازئ عمر کا پتہ لگایا کہ دو ہزار چار سو سال گزر چکے ہیں لیکن اس جوان کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا۔ پھر پوچھا: اے اللہ کے بندے! کھانے پینے کا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے کیا انتظام کیا ہے؟ تو اس نے کہا: ایک پرندہ میرے پاس کوئی زرد رنگ کی چیز لاتا ہے۔ جس میں ساری دنیا کے لطف اور ذائقے محسوس ہوتے ہیں اور اس سے بھوک پیاس، سردی، گرمی، نیند اور سستی دور ہو جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کے بعد وہ قبہ میں داخل ہو گیا۔
(نزہۃ المجالس، صفحہ: 167)

دوستو! یہ ہے والدین کی دعا کا اثر اور یہ ہے اس کی مقبولیت۔

جنت کا ساتھی

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: یا اللہ! مجھے میرا جنت کا ساتھی دکھا دے تو حکم ہوا کہ فلاں شہر میں چلا جا۔ وہاں ایک قصاب ہے جو جنت میں تیرا ساتھی ہوگا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں گئے اور اس قصاب کے پاس پہنچے۔ اس قصاب نے آپ کی دعوت کی۔ جب کھانا کھانے بیٹھے تو اس قصاب نے ایک بڑی زنبیل پاس رکھ لی۔ وہ ایک نوالہ خود کھاتا اور دو نوالے زنبیل میں ڈالتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس امر سے متعجب ہوئے لیکن اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی اور وہ قصاب اُٹھ کر باہر گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اس زنبیل میں ایک ضعیف العمر مرد اور ایک عورت ہے جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر مسکراہٹ سے خوشی کا اظہار کیا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی اور جاں بحق ہو گئے۔

قصاب واپس آیا تو زنبیل میں اپنے والدین کو مردہ پایا، قدرأ معاملے کو سمجھ گیا اور موسیٰ علیہ السلام کی دست بوسی کی اور کہا کہ آپ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تو آپ نے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا؟ تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! زنبیل میں میرے والدین تھے جن کو میں کھانا کھانے سے پہلے کھلاتا تھا۔ یہ ہر وقت دعا کرتے تھے: یا اللہ! ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی زیارت کے بعد اس دنیا سے اُٹھانا۔ اب میں نے ان کو مردہ دیکھ کر جان لیا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تیری ماں کے ہونٹ ہلتے تھے وہ کیا کہہ رہی تھی۔ تو قصاب نے عرض کیا: اے اللہ کے برگزیدہ پیغمبر! جب میں اسے کھانا کھلاتا تھا تو وہ میرے حق میں ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتی تھی: اے الٰہ العالمین! میرے بیٹے کو موسیٰ علیہ السلام کا جنت میں رفیق بنا۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ کے نیک بندے! مبارک ہو کہ اللہ نے تجھے جنت میں میرا ساتھی بنایا ہے۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:168)

دوستو اور ساتھیو! یہ ہے والدین کی خدمت اور دعا کا اثر کہ ایک پیغمبر کی رفاقت میں جنت ملتی ہے۔ معلوم ہوا کہ والدین کی دعائیں جنت میں لے جاتی ہیں، تو کرلو اپنے ماں باپ کی خدمت کہ اس سے بہتر کوئی سودا نہیں ہے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 419 پر ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَاءَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا ۝ قَالُوْا حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَانِ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّهٖ ۝

میں جنت میں داخل ہوا تو اس میں قرآنِ کریم پڑھنے کی آواز سنی تو میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے جو قرآن پڑھتا ہے؟ تو فرشتوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔ دیگر صحابہ نے سوچا کہ کس طرح اس نے یہ فضیلت پائی ہوگی تو رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ تم بھی اسی طرح نیکی حاصل کرسکتے ہو کہ ماں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

☆☆☆

چودھواں وعظ

در بیانِ حقوقِ زوجین

(1)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ط (سورۂ بقرہ، آیت:228)

بعد حمد وثنائے خدائے عزوجل سبحانہ وتعالیٰ اس کے حبیب کریم ہادیِ برحق وعظیم پر لاکھوں درود اور کروڑوں سلام کہ جس نے ظالموں کو ظلم سے روکا اور راہِ حق دکھایا اور مظلوموں کی حمایت کرکے انھیں برابر کا حق دلایا۔

کبھی وقت تھا کہ عرب کا انسان اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کردیتا تھا اور عورتوں سے بہت بُرا سلوک کیا جاتا، انھیں غلاموں کی سی زندگی بسر کرنا پڑتی اور کسی کی عزت محفوظ نہ تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو معاشرے میں ایک صحیح مقام دلایا اور ان کے حقوق کی مردوں پر وضاحت کردی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ط (سورۂ بقرہ، آیت:228)

ترجمہ: عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح مردوں کے حقوق (شرعی) عورتوں پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مرد وعورت دونوں کے کچھ حقوق ایک دوسرے پر ہیں۔ جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسی طرح کچھ حقوق عورت کے

بھی مرد کے ذمے ہیں، جنھیں بجالانا ضروری ہے اور مَردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے کہ اس میں خدائے تعالیٰ عزوجل نے اپنی حکمت کا اظہار کیا ہے۔

اب مَردوں کے ذمے عورتوں کے کیا حقوق ہیں، ذرا ملاحظہ فرمائیے:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کا اظہار کرے اور اس کی کوتاہیوں کو اگر نا قابلِ گرفت ہوں تو نظرانداز کردے، مثلاً بات بات پر عورت کا ناراض ہونا اور ناشکری کا اظہار کرنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ یعنی عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے زندگی بسر کرو۔ یعنی مرد کو چاہیے کہ عورت سے مہربانی اور خوش اخلاقی کا اظہار کرے تو زندگی خوش اسلوبی سے گزر سکتی ہے، ورنہ زندگی اجیرن ہو جائے گی، جھگڑے فساد شروع ہو جائیں گے اور بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ ناسازگار ماحول انسان کے دل کو زندگی سے اُچاٹ کر دیتا ہے یہاں تک کہ طلاق اور خودکشی کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فی زمانہ آپ ملاحظہ کرتے یا سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں۔ لہٰذا زندگی میں محبت اور خوش اخلاقی کا اظہار ضروری ہے۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے بھی اسی بات کی تعلیم دی ہے۔ مشکوٰۃ میں صفحہ 282 پر ایک روایت میں درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ ۚ (رواہ ترمذی)

ترجمہ: کامل ایمان والا وہ مرد ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنے اہل پر زیادہ مہربان ہو۔

ایک اور روایت میں صفحہ: 281 پر رقم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ اِذَا مَاتَ ۚ

تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہو اور میں اپنے اہل سے تمہاری نسبت بہتر برتاؤ کرتا ہوں اور جب تم میں سے ایک مرجائے تو دوسرا اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ: 113 پر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنی عورت کی بدکاری پر صبر کرے گا اس کو گویا حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا سا ثواب ملے گا۔ جو انھوں نے بیماری اور مصیبتوں کے دوران کیا تھا اور جو عورت مرد کی بدخوئی پر صبر

کرے گی اسے فرعون کی بیوی آسیہ کا ثواب ملے گا۔

مزید صفحہ: 184 پر لکھا ہے کہ ہادیِ برحق رہبرِ اعظم ﷺ وصالِ مبارک کے وقت آہستہ آہستہ فرما رہے تھے: نماز کی پابندی کرنا، غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور عورتوں کے معاملے میں ڈرتے رہنا، کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں میں اسیر ہیں۔

شیر کی تسخیر

زواجر میں صفحہ: 41 پر ایک حکایت اس طرح سے درج ہے کہ ایک شخص کا ایک نیک بھائی تھا۔ وہ سال میں ایک دفعہ اس بھائی کی ملاقات کے لیے آتا تھا۔ ایک دفعہ وہ آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے اس نیک آدمی کی بیوی بولی کہ کون ہے؟ اس نے کہا: میں تیرے خاوند کا بھائی ہوں۔ اس عورت نے اپنے خاوند کو گالیاں دیتے اور برا بھلا کہتے ہوئے بتایا کہ وہ لکڑیاں لینے گیا ہے۔ اتنے میں وہ شخص آ گیا کہ شیر پر لکڑیاں لادے ہوا تھا۔ اس نے بھائی کو دیکھ کر سلام کیا، اندر لے گیا اور کھانا کھلایا اور رخصت کیا لیکن بیوی اس اثنا میں اسے کوستی رہی۔ دوسرے سال جب وہ شخص پھر اپنے نیک بھائی کے ہاں آیا تو دروازے پر دستک دی، اندر سے کسی نے پوچھا کون ہے؟ تو جواباً کہا: میں تیرے خاوند کا بھائی ہوں، اس کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔ تو وہ عورت خوش ہوئی اور اس مہمان کی آؤ بھگت کی اور اپنے خاوند کی تعریف کی اور مہمان کو تشریف رکھنے کے لیے کہا اور بتایا کہ اس کا بھائی لکڑیاں لینے گیا ہے۔ اتنے میں اس شخص کا بھائی بھی آ گیا لیکن اس مرتبہ لکڑیاں شیر کی بجائے اپنی پشت پر لاد رکھی تھیں۔ وہ اپنے بھائی کو دیکھ کر خوش ہوا اور حسب سابق اندر لے گیا، کھانا کھلایا اور وہ عورت بھی بہت اچھے طریقے سے پیش آئی۔ جب رخصت ہونے لگا تو اس مہمان بھائی نے اپنے میزبان بھائی سے پوچھا: اے بھائی! جب میں پچھلے سال آیا تو لکڑیاں شیر پر لاد رکھی تھیں۔ لیکن اس دفعہ اپنی پشت پر لکڑیاں لاد کر لائے ہو، اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس پر اس نیک آدمی نے کہا: بات دراصل یہ ہے کہ میری پہلی بیوی زبان دراز اور بد خلق تھی، چونکہ میں اس کی زبان درازی پر صبر کرتا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس صبر کے بدلے شیر مسخر کر دیا

تھا لیکن اس کے مرنے پر جو مجھے دوسری بیوی ملی وہ نیک اور خوش خلق ہے اور اس کے آنے سے مجھے آرام ضرور مل گیا لیکن وہ شیر میرے قبضے سے نکل چکا ہے جو میرے صبر کا معاوضہ تھا۔ اب لکڑیاں اپنی پشت پر لاد کر لاتا ہوں۔

ہاں! بات ہو رہی تھی حسنِ سلوک کی تو میرے بھائیو! اپنی ازواج کے ساتھ خوش مزاج اور خوش طبعی، لطافت اور ظرافت کا بھی قدرے اظہار کرنا چاہیے۔ اس سے دل کو راحت اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ بھی ازواجِ مطہرات کے ساتھ خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔

کیمیائے سعادت، صفحہ: 183 پر ایک روایت درج ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ فرمائی کہ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ دوڑ میں آگے نکل گئے، پھر کچھ عرصے بعد دوبارہ دوڑ لگائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے نکل گئیں۔ تب آپ نے فرمایا: ہم اور تم اب برابر ہو گئے۔ آپ کا اُم المومنین کے ساتھ دوڑ لگانا اور یہ کلمات فرمانا محض خوش طبعی پر مبنی تھا کہ ہمارے لیے ایک مثال قائم فرمائیں۔

مزید اسی صفحہ پر رقم ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سخت گیر تھے۔ مگر اپنے اہل کے ساتھ حسنِ سلوک دیکھیے کہ بیوی کے ساتھ بچوں کا سا سلوک کرتے اور محبت سے پیش آتے تھے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت خوشی کا اظہار کرنا چاہیے لیکن گھر سے باہر نکلو تو خاموش ہو جانا چاہیے۔

مرد کے فرائض میں ایک یہ بھی شامل ہے کہ اپنی عورت کو اپنی طاقت کے مطابق گناہوں سے روکے۔ فرمانِ الٰہی ہے: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۝

ترجمہ: اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

عورت کو گناہوں سے بچانے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے پردے کا انتظام کرے، گھر سے بلاضرورت باہر نہ نکلنے دے۔ جب کوئی خلافِ شرع بات دیکھے تو مناسب سزا دے کہ ایسی سزا کی پُرسش نہ ہوگی۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 282 پر روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيْ مَا ضَرَبَ اِمْرَاَتَهٗ عَلَيْهِ ۝

ترجمہ: جو مرد اپنی عورت کو جائز طریقے سے مارے تو اس سے اس کی پرسش نہ ہوگی۔

پھر فرمایا: عَلِّقُوا السَّوْطَ حَيْثُ يَرَاهُ اَهْلُ بَيْتٍ فَاِنَّهٗ اَدَبٌ لَهُمْ ۝

ترجمہ: اپنے گھر میں کوڑا ایسی جگہ لٹکا دیا کرو جس کو گھر والے دیکھیں کیونکہ ان کے لیے یہ ۔اس طرح سے نہ وہ نڈر رہوں گے اور نہ احکامِ شریعت سے غفلت برتیں گے۔

(کشف الغمہ، صفحہ: 81)

عورتوں کو تاک جھانک سے روکنا چاہیے، اس طرح خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔ اسے کوٹھے پر نہ چڑھنے دے تاکہ وہ خود کسی نامحرم کو دیکھے اور نہ اسے کوئی دیکھنے پائے۔ ان باتوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے کہ تمام خرابیاں آنکھ اور نظر سے پیدا ہوتی ہیں۔

کیمیائے سعادت صفحہ: 184 پر ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا سے استفسار فرمایا کہ عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: عورت کے لیے یہی بہتر ہے کہ نہ کوئی غیر مرد اسے دیکھے اور نہ وہ خود ہی کسی نامحرم کو دیکھے۔ تب حبیب خدا ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور گلے سے لگا کر فرمایا:

اِنَّكَ بُضْعَةٌ مِّنِّيْ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی عورت کو دیکھا کہ کھڑکی میں سے دیکھ رہی ہیں تو ان کو سزا کے طور پر زد و کوب کیا۔

عورت کو مجلسِ وعظ اور مسجد وغیرہ میں جانے سے روک دینا چاہیے، کیونکہ آج کل کی عورتوں کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں۔

رسولِ پاک ﷺ کے زمانے میں عورتوں کو مسجد میں باپردہ آنے کی اجازت تھی اور پچھلی صف میں کھڑی ہو کر نماز ادا کرتی تھیں۔ صحابہ کرام نے اپنے زمانے میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ اگر رسولِ اکرم ﷺ آج کل کی عورتوں کے چلن کو دیکھتے تو عورت کو کبھی مسجد میں آنے کی اجازت نہ

دیتے۔ تو میرے دوستو! آج جو عورتوں کا حال ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ آج کل کی عورت کو تو مقفل رکھنا ہی شاید سود مند ثابت ہو سکے۔

مردوں کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ عورت کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام اپنی استطاعت کے مطابق کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے کسی شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) عورت کا حق ہم پر کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا اَطْعَمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا كَسَوْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ۔

جب تو کھانا کھائے تو عورت کو بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو عورت کو بھی پہنائے، نہ تو اس کے چہرے پر مارے، نہ اسے گالیاں دے اور نہ ہی گھر سے نکالے بلکہ گھر میں رہنے دے۔

میرے بھائیو! اپنے اہل کو کھلانا پلانا اور ان کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنا ایک فرض ہے۔ جس کی ادائیگی کا بڑا اجر ہے اور وہ صدقہ وخیرات اور جہاد سے بڑھ کر ہے کہ عورت کی دست نگر ہو کر خرابی پیدا نہ کرے۔

چنانچہ کیمیائے سعادت، صفحہ: 85 پر ایک روایت میں ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے ایک دینار جہاد میں خرچ کیا اور دینار سے غلام خرید کر آزاد کیا۔ ایک دینار کسی مسلمان کو دیا کہ اپنی حاجت پوری کرے اور ایک دینار اپنے عیال کو دیا، تو جو دینار اس نے اپنے عیال کو دیا وہ سب سے زیادہ ثواب کی راہ میں خرچ ہوا۔ مرد کو گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مل کر کھانا کھانا چاہیے، یا پھر اگر گھر میں مہمان ہو تو اس کے ساتھ بیٹھ کر کھائے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس گھر والوں پر صلوٰۃ ورحمت بھیجتے ہیں جو مل جل کر کھاتے ہیں۔

مرد، عورت اور بچوں کو جو نان ونفقہ دے وہ حلال کمائی سے ہو کیونکہ اگر اہل وعیال کی پرورش مالِ حرام سے کرے گا تو یہ سب سے بڑی خیانت ہوگی اور اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں۔

مرد اگر عورتوں میں عدل وانصاف سے ان کے ساتھ سلوک کرے کہ ترجیحی سلوک سے خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا (سورۂ نسا، آیت: 3)

ترجمہ: جو عورتیں تمہیں خوش آئیں، دو دو تین تین یا چار چار نکاح میں لاؤ لیکن اگر اس بات کا ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی کافی ہے یا لونڈیاں جن کے تم مالک ہو۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انصاف نہ کر سکو۔

لہٰذا اگر کسی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے کھانے پینے اور ان کے ساتھ رات گزارنے میں انصاف سے کام لے کہ ایک عورت کو جیسا کھلائے پلائے ویسا ہی دوسری کو بھی کھانے پینے کو دے اور جیسا کپڑا ایک کو پہنائے ویسا ہی دوسری کے لیے بھی مہیا کرے۔ اگر ایک کے ساتھ دو راتیں بسر کرے تو لازم ہے کہ دوسری کے ساتھ بھی دو راتیں گزارے مگر چونکہ محبت اور مباشرت مرد۔ کے اختیار کی بات نہیں، اس لیے اس کی ذمے داری اس پر نہیں۔ میرے بھائیو! اپنی عورتوں میں مساوات اختیار کرو کہ اس کا امر اللہ اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، ورنہ اس کا عذاب یا بے انصافی کی سزا ضرور ہے۔

اِذَا كَانَتْ عِنْدَ رَجُلٍ اِمْرَاَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَآءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ۔

ترجمہ: جس مرد کے یہاں دو عورتیں ہوں اور ان میں برابری نہ کر سکے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک حصہ مارا ہوا ہوگا۔

اللہ کے حبیب، لولاک لما کے مالک بھی اپنی ازواجِ مطہرات میں باری مقرر فرماتے اور انصاف فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ سے اس عدل وانصاف کے باوجود یوں دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْ مَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْ مَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ: 309)

ترجمہ: یا اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس میں، مَیں مالک تھا، پس مجھ پر ملامت نہ کرنا اس میں جس میں تو مالک ہے اور مَیں مالک نہیں ہوں۔

یعنی یا اللہ! جو ظاہری تقسیم میں کر سکتا تھا اور جس پر ایک انسان کی حیثیت سے مجھے اختیار تھا اس میں مَیں نے انصاف کیا اگر قلبی محبت میں کمی بیشی ہو تو اس پر مجھے اختیار نہیں بلکہ تجھے اختیار ہے لیکن اس کے لیے مجھ سے کوئی مواخذہ نہ ہو۔

اپنی بیویوں میں انصاف کرنے والوں کی شان میں نزہۃ المجالس، حصہ دوم، صفحہ:14 پر حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَّمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَا يَدَيْهِ يَمِيْنَ وَهُمُ الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُّوْا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: بے شک انصاف کرنے والے اللہ رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے حکم اور اپنے اہل میں عدل وانصاف کرتے ہیں اور اس حکم سے منہ نہیں موڑتے۔

ایک فریضہ جو مرد کے ذمے عورت کے لیے ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت جو مہر مقرر ہو مرد کو چاہیے کہ اپنی بیوی کو اس کی ادائیگی کرے۔ یوں اس میں عورت کو اختیار ہے کہ اپنی خوشی سے چاہے تو اسے معاف کر دے یا کچھ حصہ معاف کرے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا۔ (سورۂ نسا، آیت:4)

ترجمہ: اپنی عورتوں کو خوشی سے مہر دے دو پھر اگر وہ اپنی دلی خوشی سے اس میں سے کچھ تمھیں دے دیں تو اسے رچتا پچتا کھاؤ۔

معلوم ہوا کہ مہر کی ادائیگی فرض ہے اور بخوشی پورا مہر ادا کرنا چاہیے۔ اگر عورت اپنا حق بخش دے تو بخشش ہو سکتی ہے ورنہ مرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بیوی کے حق کی ضبطی کا خیال بھی دل میں لائے، اگر ایسا کرے گا تو اس کا شمار زانیوں میں ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ نے ایسے شخص کے لیے فرمایا ہے:

اَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةً يَّنْوِيْ اَنْ لَّا يُعْطِيَهَا مِنْ صَدَاقِهَا شَيْئًا مَّاتَ

يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ زَانٍ۔ (کشف الغمہ، حصہ دوم، صفحہ:20)

ترجمہ: جو مرد کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور دل میں یہ نیت ہو کہ میں اس کا مہر ادا نہیں کروں گا تو وہ جب مرے گا اس کا شمار زانیوں میں ہوگا۔

مرد کا حق یہ بھی ہے کہ اپنی بیوی کو ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ اور نیک اعمال کی ادائیگی کا حکم دے اور اسے نماز، روزے اور دوسرے شرعی مسائل سے آگاہ کرے تاکہ وہ فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ ہو۔ ورنہ اس کا گناہ مرد کے سر پر بھی ہوگا کیونکہ شرعی مسائل کا علم حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے اور اس وقت وہ مرد کے اختیار میں ہوتی ہے۔

آقائے نامدار حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔

کشف الغمہ، صفحہ:77 حصہ دوم میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

مِنَ الْجَفَاءِ اَنْ يُّجَامِعَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ قَبْلَ اَنْ يُّلَاعِبَهَا۔

ترجمہ: یہ ظلم ہے کہ کوئی مرد اپنے اہل سے بلا رغبت دلائے مباشرت کرے۔

حق یہ ہے کہ عورت سے مباشرت کے وقت پہلے اسے مباشرت کی رغبت دلائے، اس سے پیار کی باتیں کرے، بوس و کنار سے اس کا دل خوش کرے اور حیوانوں کی طرح جلدی نہ کرے۔

مباشرت کے وقت چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ منہ قبلہ کی طرف نہ ہو اور جماع کے وقت یہ دعا پڑھے، تاکہ شیطان کے مکر سے محفوظ رہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْنُبْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مِنِّيْ۔

ترجمہ: یا اللہ! مجھے شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو مجھ سے دور رکھ۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:186 پر رقم ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں آدمی کے عجز کی نشانی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو دیکھے کہ وہ اسے دوست رکھتا ہے تو اس کا نام دریافت نہ کرے، دوسرا یہ کہ کوئی بھائی اس کی عزت کرے اور وہ نہ کرے اور تیسرا یہ کہ جب اس کی حاجت پوری ہو جائے تو عورت کی حاجت پوری ہونے تک صبر نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جماع کے وقت کلام کرنے سے احتراز کیا جائے کیونکہ اس میں اولاد کے گونگے ہونے کا خطرہ ہے۔ سخت گرمی یا سخت سردی اور قضائے حاجت کے وقت جماع نہ کرے کہ بواسیر کا خطرہ ہے۔

پیٹ بھرے میں جماع نہ کرے، اس سے یرقان کا مرض لاحق ہو سکتا ہے۔ سینگی کچھوانے اور دوائی پینے کے بعد جماع کرنے سے سِل کا مرض پیدا ہو سکتا ہے۔ میانہ شب جماع کا بہترین وقت ہے۔ (کشف الغمہ، صفحہ:77)

جب دوبارہ جماع کا خیال ہو تو بہتر ہے کہ غسل کرے یا وضو کرے، ورنہ کم از کم استنجا کر لے۔

جب اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرمائے تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ایسا کرنے سے بچہ لڑکپن کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ بچے کا نام اچھا سا رکھے کہ تمام ناموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر نام عبداللہ، عبدالرحمن اور اسی قسم کے نام ہیں۔

جب بچہ پیدا ہو تو اس کے منہ میں کوئی میٹھی چیز کسی نیک انسان کے ہاتھ سے ڈلوائی جائے یہ سنّت ہے۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:187)

بچہ پیدا ہونے کے بعد ساتویں روز اس کے بال مونڈھیں اور اگر توفیق ہو تو ان بالوں کی مقدار کے برابر سونا چاندی خیرات کیا جائے۔

عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو اور لڑکی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جائے۔ اگر لڑکی پیدا ہو تو کراہت یا نفرت کا اظہار نہ کیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اس لڑکی میں وہ خیر ہو جو لڑکے میں نہیں۔

کیمیائے سعادت میں ہے کہ دختر کا پیدا ہونا زیادہ مبارک ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ نیز سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کی تین بہنیں ہوں اور وہ ان کی وجہ سے دُکھ اور تکالیف برداشت کرتا ہو اور ان کی خیر گیری کرتا ہو، تو ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ رحمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پھر کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! اگر دو ہوں؟ فرمایا: تب بھی اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اگر ایک ہو تو بھی اللہ تعالیٰ نگاہِ رحمت سے دیکھتا ہے۔

جب عورت میں کوئی ایسا عیب پایا جائے کہ مرد یا اس کے رشتے داروں کو اس سے تکلیف ہو یا شرعی احکام یا ارکانِ اسلام کی پابندی نہ ہو تو ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے۔ مگر بغیر عذرِ شرعی کے ایسا کرنا سخت ممنوع ہے۔ کیونکہ مرد اور عورت میں جدائی ڈالنا شیطانی خصلت ہے اور ایسا کرنے یا کروانے والے کو ابلیس بہت عزیز رکھتا ہے اور گلے سے لگاتا ہے۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللهِ الطَّلَاقُ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:283)

ترجمہ: تمام حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔

اگر طلاق دینے کی ضرورت محسوس ہو تو فقط ایک ہی طلاق دے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:284 پر ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں۔ جب رسول اکرم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو یہ سن کر آپ غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: یہ شخص کتاب اللہ سے کھیلتا ہے حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔

عورت کی راز کی باتیں کسی کو نہیں بتلانی چاہئیں اور نہ اس کے عیب ظاہر کرے

کیمیائے سعادت میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دینا چاہی تو کسی نے پوچھا: اسے کیوں طلاق دیتا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں اپنی عورت کا راز ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ جب اسے طلاق دی تو پھر اس سے پوچھا گیا: تو نے اسے کیوں طلاق دی ہے؟ اب اس نے کہا: وہ عورت اب میری نہیں رہی، اب غیر کی ہو گئی ہے اور مجھے کوئی حق نہیں کہ کسی عورت کا راز فاش کروں۔

واہ واہ! ماشاء اللہ۔ کیا خوب جواب دیا، ایسا ہی چاہیے تھا۔

یہ ہیں مَردوں کے چند ایک فرائض جو مختصر عرض کیے گئے ہیں۔

☆☆☆

پندرہواں وعظ

دربیانِ حقوقِ زوجین

(2)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ط (سورۂ بقرہ، آیت:228)

اللہ عزوجل کے حضور تسبیح وتقدیس کے بعد اس کے پیارے نبی محمد مصطفی احمد مجتبیٰ شافع روزِ جزا ﷺ پر ہزاروں درود اور کروڑوں سلام کہ ہمارے لیے باعثِ نجات ومغفرت ہیں اور ہماری ہدایت کے لیے ہر قسم کی تکالیف کو برداشت فرمایا لیکن اپنی اُمت کو جو درجہ بخشا وہ کسی دوسری اُمت کو حاصل نہیں۔

تو میرے بھائیو! ہمیں چاہیے کہ اس احسان کا ہر وقت شکر ادا کریں اور اللہ اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اور ہم پر جو ایک دوسرے کے حقوق ہیں ان کو قرآن اور سنت کی روشنی میں ادا کریں۔ چنانچہ حقوق العباد میں کچھ عورتوں کے حقوق مَردوں کے ذمے ہیں اور کچھ مَردوں کے حق عورتوں کے ذمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ط (سورۂ بقرہ، آیت:228)

ترجمہ: عورتوں کا حق بھی ایسا ہی ہے جیسا ان پر مَردوں کا (شرع کے مطابق) ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

بھائیو! عورتوں کے حقوق جو مردوں پر ہیں اور جنھیں ادا کرنا مردوں کا فرض ہے' پچھلے وعظ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اب سنیے کہ عورت کے ذمے مرد کے کیا حقوق ہیں اور انھیں ادا نہ

کرنے کی کیا خرابی ہے۔

عورت کو چاہیے کہ اپنے مرد کے لیے اپنے آپ کو آراستہ کرے تاکہ اس کا مرد خوش ہو لیکن اپنی زیبائش غیر پر نہ ظاہر کرے، اس سے وہ اپنے شوہر کی خائن ہوگی۔ ایسی عورتوں کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِذَا اکْتَحَلَتِ امْرَأَۃٌ لِغَیْرِ زَوْجِھَا سَوَّدَ اللّٰہُ وَجْھَھَا وَجَعَلَ قَبْرَھَا حُفْرَۃَ النَّارِ ۝

ترجمہ: جو عورت نامحرم کو دکھانے کے لیے آنکھوں میں سرمہ لگاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو سیاہ کرے گا اور اس کی قبر کو دوزخ کا گڑھا بنائے گا۔

نزہۃ المجالس کے اسی صفحہ پر درج ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کا ایک گروہ پستانوں کے بل لٹکا ہوا دیکھا جن کے نیچے آگ جلائی جا رہی تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو غیر کو دکھانے کے لیے سنگار کرتی تھیں۔

عورت کو مرد کا شکرگزار ہونا چاہیے کیونکہ وہ اس کے لیے خوراک، لباس اور ہر قسم کی آسائش وسامان زیبائش مہیا کرتا ہے۔ جو عورت اپنے خاوند کی ناسپاس ہوگی اللہ تعالیٰ اس سے کبھی خوش نہ ہوگا اور دوزخ کی آگ ان کے ناسپاس ہونے کی سزا ہوگی۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے کہ حبیب خدا ﷺ کا فرمان ہے: میں نے دوزخ کی طرف نگاہ کی تو بہت سی عورتوں کو دوزخ میں دیکھا۔ عرض کیا گیا: ان کے دوزخ میں ڈالے جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: وہ اپنے خاوند کی ناشکری کرتی تھیں۔

ایسی ہی ناسپاس عورتوں کے بارے میں کشف الغمہ میں صفحہ:80,81 پر نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی یوں درج ہے: لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلٰی امْرَأَۃٍ لَّا تَشْکُرُ لِزَوْجِھَا ۝

اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا جو اپنے خاوند کا شکر نہیں ادا کرتی۔

عورت کا فرض ہے کہ ہر جائز بات میں اپنے شوہر کی اطاعت اختیار کرے کہ نیک بیوی کی علامت اطاعت شعاری ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اِمْرَأَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِنْ نَظَرَ اِلَيْهَا اَسَرَّتْهُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَيْهَا اَبَرَّتْهُ وَاِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ۝

ترجمہ: مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی شے حاصل نہیں ہے۔ (پھر نیک بیوی کی تفسیر بیان فرمائی) اگر اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اس کی طرف نظر کرے تو مسرور کرے (اپنے خاوند کو) اگر اس پر قسم کھائے تو اس کو حانث نہ ہونے دے اور اگر اس سے خاوند غائب ہو تو اپنے نفس اور اس کے مال میں خیر خواہی کرے۔

نزہۃ المجالس، حصہ دوم، صفحہ:109 پر ایک روایت میں ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ کے زمانۂ اقدس میں ایک شخص سفر پر گیا اور اپنی بیوی کو تاکید کر گیا کہ گھر سے باہر نہ نکلنا۔ اتفاق کی بات کہ اس عورت کا باپ بیمار ہوگیا تو اس نے حضور نبی کریم ﷺ سے باپ کی بیمار پرسی کے لیے جانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے خاوند کی اطاعت کر پھر اس کا باپ مرگیا۔ اب اس نے حضور نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی تو آپ نے پھر یہی فرمایا: گھر سے نہ نکلنا بلکہ اپنے خاوند کی اطاعت کر تو اس عورت نے اپنے خاوند کے کہنے کی اطاعت کی اور گھر سے نہ نکلی۔ اس پر آپ نے فرمایا: چونکہ تو نے اپنے خاوند کی اطاعت کی اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کی مغفرت فرمادی ہے۔

اطاعت گزار عورت جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوسکتی ہے۔ مشکوٰۃ میں صفحہ:281 پر شاہِ دو جہاں ﷺ کا فرمان یوں درج ہے:

اَلْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ۝

ترجمہ: عورت جب پانچوں وقت کی نماز ادا کرے، ماہِ رمضان کا روزہ رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرماں برداری کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہوگی۔

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عورت کا فرض ہے کہ مرد کی اجازت کے بغیر اپنے شوہر کے گھر سے باہر قدم نہ رکھے اور اگر ایسا کرے گی تو فرشتے اس پر لعنت بھیجیں گے۔ چنانچہ کشف الغمہ صفحہ:81 پر سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

اِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِهَا وَزَوْجُهَا كَارِهٌ لَعَنَهَا كُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَآءِ وَكُلُّ شَيْءٍ مَرَّتْ عَلَيْهِ غَيْرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ حَتّٰى تَرْجِعَ۝

ترجمہ: جب عورت اپنے گھر سے نکلتی ہے اور مرد اس کو ناپسند سمجھتا ہے تو آسمان میں فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور ہر شے اسے لعنت کرتی ہے جس پر عورت گزرے سوائے انسانوں اور جنوں کے یہاں تک کہ واپس آجائے۔

پھر فرمایا: اِنِّيْ لَاَبْغُضُ الْمَرْأَةَ تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا تَجُرُّ ذَيْلَهَا تَشْكِيْ زَوْجَهَا۔ (کشف الغمہ، صفحہ:81)

ترجمہ: بے شک میں اس عورت کو ناپسند کرتا ہوں جو چادر کا دامن کھینچتے ہوئے گھر سے باہر نکلے اور اپنے خاوند کی شکایت کرے۔

اور یہ بھی فرمایا: لَيْسَ لِلْمَرْأَةِ نَصِيْبٌ فِي الْخُرُوْجِ اِلَّا مُضْطَرَّةً وَلَيْسَ لَهَا نَصِيْبٌ فِي الطَّرِيْقِ اِلَّا الْحَوَاشِيْ۝ (کشف الغمہ، صفحہ:81)

ترجمہ: گھر سے باہر نکلے مگر لاچاری امر سے اور نہ ہی راستے کے درمیان میں چلے مگر کنارے کنارے۔

پس مندرجہ بالا احادیث نبوی سے ظاہر وثابت ہے کہ جب تک عورت کو کوئی امر ایسا نہ درپیش ہو کہ باہر نکلے بغیر چارہ نہ ہو، عورت اپنے مرد کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے نہیں نکل سکتی۔ کیونکہ عورت کے باہر نکلنے سے لوگوں کی نظریں خواہ مخواہ اس کی طرف اٹھیں گی اور شیطانی وسواس واعمال کا ظہور لازمی ہے، جسے کسی ایماندار کے لیے ممکن نہیں کہ پسند کرے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:269 پر روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۝

ترجمہ: عورت سر سے پاؤں تک ستر (چھپانے کی چیز) ہے، جب باہر نکلتی ہے تو

شیطان اس کو جھانکتا ہے۔

جب عورت کا خاوند اسے محبت کے لیے بلائے تو اگر کوئی عذرِ شرعی نہ ہو تو ہر قسم کے کام چھوڑ کر اپنے خاوند کی اطاعت کرے کیونکہ فرمان رسول ﷺ ہے:

إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَأْتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ ۝ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:281)

ترجمہ: جب مرد اپنی زوجہ کو بلائے اور کوئی شرعی عذر نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اپنے خاوند کی فوراً اطاعت کرے۔ اگرچہ وہ توے کے اوپر روٹی رکھی ہو۔

اگر ایسا نہ کرے گی تو ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:280)

ترجمہ: جب خاوند عورت کو بستر کی طرف پکارے اور وہ انکار کرے اور مرد ناراض ہو کر رات بسر کرے تو فرشتے صبح ہونے تک ایسی عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

عورت نفلی عبادات، مثلاً نفل نماز یا نفلی روزہ کی ادائیگی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتی، کیونکہ ممکن ہے خاوند کو جماع کی خواہش ہو اور بیوی روزہ سے ہو۔ جماع چونکہ روزہ کی حالت میں جائز نہیں لہٰذا اس کی تکلیف مرد کو ہوگی، اس سے اگر اس کا خاوند ناراض ہو جائے تو اس کے روزے یا نماز کا کوئی ثواب نہ ہوگا۔

کشف الغمہ صفحہ:82 پر ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُوْمُ الْمَرْأَةُ مِنْ فِرَشِهَا فَتُصَلِّيْ تَطَوُّعًا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا ۝

ترجمہ: کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے بستر سے اٹھ کر نفلی نماز نہیں پڑھ سکتی۔

نیز زواجر، صفحہ:34 پر فرمانِ نبوی یوں درج ہے:

وَمِنْ حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الزَّوْجَةِ أَنْ لَا تَصُوْمَ صَوْمًا تَطَوُّعًا إِلَّا بِإِذْنِهِ فَإِنْ فَعَلَتْ جَاعَتْ وَعَطِشَتْ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا ۝ (زواجر، حصہ دوم، صفحہ:34)

ترجمہ: مرد کا حق عورت پر ایک یہ بھی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر روزہ نفلی نہ رکھے، اگر بلا اجازت روزہ رکھے گی تو محض بھوک اور پیاس برداشت کرے گی اور روزہ اس کا قبول نہ ہوگا۔

حکایت

مشکوٰۃ میں صفحہ:252 پر ایک روایت میں رقم ہے کہ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھتی ہوں تو صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے مارتے ہیں اور اگر روزہ رکھتی ہوں تو افطار کرا دیتے ہیں اور خود سورج نکلنے کے وقت نمازِ فجر ادا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو اس وقت موجود تھے، اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) جب وہ نماز پڑھتی ہے تو لمبی لمبی سورتیں پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اسے منع کیا تھا۔ تو حضور نے فرمایا: نماز میں ایک سورت خواہ وہ چھوٹی ہو کافی ہوتی ہے۔ پھر عرض کیا: یا نبی اللہ! (ﷺ) جب یہ نفلی روزے رکھتی ہے تو رکھتی چلی جاتی ہے۔ میں چونکہ ایک جوان مرد ہوں اس لیے صبر نہیں کرسکتا۔ تو رحمۃ اللعالمین نے فرمایا:

لَا تَصُوْمُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا ۝

ترجمہ: کوئی عورت مرد کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔

پھر صفوان نے دن چڑھے نماز پڑھنے کے متعلق عرض کیا: یا رسول اللہ! چونکہ مجھے رات گئے تک کام کرنا پڑتا ہے اس لیے صبح سورج نکلنے کے وقت آنکھ کھلتی ہے۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تو جب جاگے نماز ادا کر لیا کر۔

میرے ساتھیو! آپ لوگوں نے ملاحظہ کرلیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم نے ہمارے لیے کس قدر آسانیاں رکھی ہیں کہ مرد کے اذن کے بغیر عورت اللہ تعالیٰ کے لیے نفلی عبادات بھی نہیں کرسکتی۔

عورت کا قول و فعل مرد کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے کہ عورت کی تخلیق ہی اللہ تعالیٰ نے

مرد کی رضا کے لیے کی ہے۔ پس عورت کے لیے ضروری ہے کہ مرد کو راضی رکھے۔ اگر عورت اس حال میں مرجائے کہ اس کا خاوند اس سے خوش رہا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّمَا اِمْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۝

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ: 281)

ترجمہ: جو عورت مرجائے اور اس کا خاوند اس پر راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

اور جو عورت اس حالت میں مرجائے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو تو وہ مستحق عذاب ہوگی۔

حکایت

چنانچہ نزہۃ المجالس، صفحہ: 5 پر ہے:

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک جوان بیمار ہو گیا تو اس کی ماں نے منت مانی کہ اگر اللہ عزوجل میرے بیٹے کو شفا دے تو میں سات دن کے لیے دنیا سے نکل جاؤں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس جوان کو شفا بخشی تو وہ عورت ایک قبر میں داخل ہو گئی اور اس پر مٹی ڈال دی گئی۔ جب وہ قبر میں داخل ہوئی تو اس نے ایک دروازہ دیکھا جو ایک باغ کی طرف جاتا تھا اور وہ اس باغ میں داخل ہو گئی۔ باغ میں اس نے دو عورتیں دیکھیں: ایک کو پرندہ اپنے پروں سے ہوا دے رہا ہے اور دوسری کو ایک پرندہ سر سے نوچ رہا ہے۔

اس عورت نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو پہلی بولی: جب میں دنیا سے رخصت ہوئی تو میرا خاوند مجھ سے خوش تھا اور یہ اس کی برکت ہے کہ مجھ کو یہ پرندہ پروں سے ہوا دے رہا ہے اور دوسری نے بتلایا: مرتے وقت اس کا خاوند اس سے ناراض تھا اور اس عورت سے عرض کی کہ میرے خاوند سے کہنا کہ مجھے معاف کر دے۔

چنانچہ سات روز کے بعد جب اس عورت کو اس کے بیٹے نے قبر سے نکالا تو اس نے اس عورت کے خاوند کو جسے عذاب مل رہا ہے اس کا پیغام دیا اور اس مرد نے اسے معاف کر دیا پھر

اس لڑکے کی ماں نے اُس عورت کو خواب میں دیکھا کہ اس کے شوہر کے معاف کرنے پر اس کو عذاب سے نجات مل گئی ہے۔

میرے دوستو! نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تین اشخاص کی اللہ تعالیٰ عبادت قبول نہیں فرماتا اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی بارگاہ ایزد تعالیٰ میں پہنچتی ہے۔ بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ وہ اپنے آقا کے پاس واپس آجائے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دے۔ دوسرے وہ عورت جس پر اس کا خاوند ناراض ہو، تیسرے مست جب تک ہوش میں نہ آئے۔

تو میرے دوستو! دیکھو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی عبادت کی کوئی وقعت نہیں ہے جو اپنے والی یا خاوند کو ناراض رکھ کر کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے شوہر کی اطاعت ہر عورت کے لیے لازمی ہے اور اسے ہر وقت اپنے شوہر کی خدمت کا خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے خاوند کے لیے معمولی سا ایسا کام بھی کرے گی جس سے اس کا خاوند راضی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس عورت کو بے پناہ اجر اور ثواب سے نوازے گا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 12 پر روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جو عورت اپنے خاوند کے کپڑے دھوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اس کے حق میں دو ہزار نیکیاں لکھنے کا حکم فرماتا ہے، دو ہزار گناہ بخشتا ہے اور دو ہزار درجے بلند کرتا ہے۔ ہر چیز اس کے لیے مغفرت کرتی ہے۔

زواجر کے صفحہ: 23 پر رقم ہے کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کو حضور ﷺ کے دربار میں پیش کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) میں اس لڑکی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ انکار کرتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اے لڑکی! اپنے باپ کی اطاعت کر۔ تو اس لڑکی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس وقت تک نکاح نہ کروں گی جب تک آپ بیان نہ فرمائیں کہ مرد کے عورت پر کیا حق ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مرد کا عورت پر حق اتنا ہے کہ اگر مرد کے جسم پر پھوڑا ہو اور اس سے پیپ جاری ہو یا اس کے نتھنوں سے پیپ یا خون بہہ رہا ہو، تو عورت اسے زبان سے چاٹ لے تب بھی اس نے اپنے خاوند کا حق پورے طور پر ادا نہیں کیا۔ اس

لڑکی نے یہ سن کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔اب میں کبھی نکاح نہ کروں گی کیونکہ میں ان حقوق کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتی۔

میرے بھائیو! یہ ہیں مختصر اُمردوں کے حقوق عورتوں پر جنھیں میں پوری طرح بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، ورنہ مردوں کے حقوق عورتوں پر اتنے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنْ کُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا ۔

ترجمہ: اگر میں کسی کو کسی کے سجدے کا حکم دیتا کہ سجدہ کرے (سجدۂ تعظیمی) تو البتہ عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

☆☆☆

سولہواں وعظ

دربیانِ حقوق العباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۔ (سورۂ نسا، آیت:36)

ترجمہ: سب تعریفیں اُس خدائے ذوالجلال کے لیے سزاوار ہیں جو خالق کائنات اور معبودِ حقیقی ہے اور اس نے ہماری رہبری اور تعلیم و تدریس کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور ہزاروں درود اس ذاتِ بابرکات پر جسے اللہ تعالیٰ نے ان تمام پیغمبروں پر شرف عطا فرمایا اور جن کے ذریعے سے ہمیں نجات کا راستہ دکھایا۔

اے میرے دوستو! اللہ عزوجل نے اس آیت مبارکہ میں اپنی عبادت کا حکم فرمایا ہے اور اپنی عبادت کے ساتھ اس کے مقبول ہونے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ ہم کسی کو اس کا ساجھی نہ ٹھہرائیں، بلکہ ہمارے ذمے اس کی عبادت کے بعد کچھ اور حقوق بھی ہیں، انھیں پورا کریں تو ہماری عبادت مقبول ہوسکتی ہے۔ یہ حقوق چونکہ اس کے بندوں سے متعلق ہیں اس لیے انھیں حقوق العباد کہتے ہیں۔

چونکہ حقوق العباد میں پہلا حق والدین کا حصہ ہے جو انسان کی اصل ہیں اور سببِ ولادت ہیں پھر پیدائش سے لے کر سکونت تک ہر قسم کی آسائش بچے کے لیے مہیا کرتے ہیں، یا یوں کہیے کہ والدین اپنی اولاد کے لیے دنیا میں جنت کی سی آسائش مہیا کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کے دل میں بچے کے لیے ایسی محبت والفت بھر دی ہے کہ وہ

اپنی ہر قسم کی آسائشوں اور راحتوں کو بچے کی خواہشات اور ضروریات پر قربان کر دیتے ہیں۔ والدین خود بھوکے رہ کر بچے کی بھوک پیاس بجھاتے ہیں۔ خود کچھ پہننے کو ملے یا نہ ملے لیکن بچے کو اس کی خواہش کے مطابق لباس پہناتے ہیں۔ بچے کی صفائی و ستھرائی کا خیال رکھتے ہیں۔ بچہ ذرا روتا ہے تو ماں کا دل بے قرار ہو جاتا ہے، وہ اگر کوئی ضد کرے تو اس کی ضد پوری کی جاتی ہے۔ ذرا بیمار ہو جائے یا کوئی تکلیف پہنچے تو والدین کی طبیعت میں جو بے چینی پیدا ہوتی ہے وہ ان ہی کو معلوم ہوتی ہے۔ وہ بچے کی آسائش کے لیے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرتے ہیں اور اپنی نیندیں حرام کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کا سب سے پہلا حق نیکی میں ہے۔

لیکن میرے دوستو! جس کے سر سے مشفق والدین کا سایہ اٹھ گیا ہے، جو والدین کی محبت سے محروم ہو گیا ہو، جس کی آہ و زاری سننے والے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکے ہوں، جس کا رونا خدا کے سوا کوئی نہ سننے والا ہو، جو کسی سے ضد کر کے اپنی بات نہ منوا سکتا ہو۔ جس بچے کو نہلانے دھلانے والے نہ رہے ہوں، جس کے ناز اُٹھانے والی ماں اور جس کی خوشیوں کا متمنی باپ ڈھیروں مٹی تلے دب چکے ہوں، اس یتیم بچے کی بھوک پیاس کا خیال کون رکھے گا، اس کے لیے لباس کون مہیا کرے گا، تاکہ وہ گرمی یا سردی سے اپنے جسم کو بچا سکے اور اس یتیم کی بیماری کے وقت تیمارداری کون کرے گا۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے ایسے یتیموں اور بے کسوں کی کفالت کا حکم ان کو دیا ہے جو اِن کی کفالت کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان یتیموں کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کریں، اگر وہ بھوکے ہوں تو کھانے کو دیں، اگر ننگے ہوں تو پہننے کو دیں، اگر بیمار ہوں تو ان کی تیمارداری کریں اور اگر دلگیر ہوں تو ان کی دلداری کریں۔

چنانچہ یتیموں کے والی اور غلاموں کے مولیٰ سید مکی و مدنی نے یتامیٰ کی دلداری فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن جنت میں اس طرح ہوں گے۔ (آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیانی انگلی کے درمیان کم از کم فاصلے کے اشارے سے سمجھایا) (زواجر، صفحہ:205)

ابن ماجہ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ عَالَ ثَلٰثَةً مِّنَ الْاَيْتَامِ كَانَ كَمَنْ قَامَ لَيْلَتَهٗ وَصَامَ نَهَارَهٗ وَغَدَا وَرَاحَ شَاهِرًا سَيْفَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُنْتُ اَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ اَخَوَانِ كَمَا هَاتَيْنِ اُخْتَانِ وَالْوُسْطٰى ۝ (رواہ ابن ماجہ، زواجر، صفحہ:205)

ترجمہ: جو شخص تین یتیموں کی خبر گیری کرتا ہے، تو وہ اس شخص جیسا ہو گا جو ساری رات نماز ادا کرے اور سارا دن روزہ رکھے اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کے راستے میں ننگی تلوار سے جہاد کرے۔ میں اور وہ جنت میں قریب قریب ہوں گے جیسا کہ یہ دو انگلیاں شہادت اور درمیانی آپ میں متصل ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝

یعنی کوئی یتیم حاجت براری کے لیے حاضر ہو تو اس کو مت جھڑکو۔ کہیں اس کا زخمی دل ٹوٹ نہ جائے، کیونکہ اس کی بھوک پیاس کا خیال رکھنے والے اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔ نہ اس کا کوئی غم خواری کرنے والا ہے، نہ اس کو تسلی دینے والا اور نہ کوئی اس کی ضروریات کا خیال رکھنے والا ہے خدا کے سوا۔ اب اس کا دنیا میں ہے ہی کون کہ اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو غم خواری اور خاطر داری سے تسلی دے، اس کے زخمی دل پر نوازش اور مہربانیوں سے بھرپور محبت کا مرہم رکھے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے زخمی دل کو ٹھیس پہنچانے سے روکا ہے۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ کہ یتیم کو مت جھڑکو بلکہ اپنی مہربانی اور نوازشات سے اس کے زخمی دل کی مرہم پٹی کرو۔

محبِ الیتامیٰ والمساکین رحمت للعالمین کا ارشاد گرامی ہے ان لوگوں کے بارے میں جو یتیم کی دلداری کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ لَا يُعَذِّبُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ رَاحَمَ الْيَتِيْمَ ۝

(نزہۃ المجالس، صفحہ:125)

یعنی مجھے اس خدائے عزوجل کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو عذاب نہیں دے گا جو یتیم پر رحم کرے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:433 پر ابن ماجہ سے روایت ہے:

خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ اِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ اِلَيْهِ° (رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:423)

ترجمہ: مسلمانوں میں خیر و برکت والا وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور بُرا اور بے برکت گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو مگر اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔

حکایت

نزہۃ المجالس، صفحہ:125 پر ایک فاحش و فاجر شخص کے متعلق روایت ہے۔ ایک دفعہ اُس نے ایک یتیم کو ننگا دیکھا، اس پر رحم کھایا اور اسے پہننے کے لیے کپڑا دیا۔ جب وہ رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ روزِ قیامت قائم ہے اور فرشتے اس کو اس کے گناہوں کے عوض نارِ جہنم کی طرف کھینچے لیے جا رہے ہیں۔ اچانک وہی یتیم جس کو اس نے کپڑا پہنایا تھا حاضر ہوا اور فرشتوں سے سفارش کی: اسے چھوڑ دو، میں اپنے رب کریم کی طرف واپس لے جاتا ہوں۔ جب فرشتوں نے تامل کیا تو ندا آئی: اے فرشتو! اسے چھوڑ دو کہ اس نے یتیم پر احسان کیا ہے اور میں نے اسے اس احسان کے بدلے میں بخش دیا ہے۔ پھر اس کی آنکھ کھل گئی اور اس خواب سے اس کے دل میں یتیموں پر نوازشات کرنے کی مزید اُمنگ پیدا ہوئی۔

اس کے ساتھ ایک اور حکایت درج ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز دربارِ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرا دل بہت سخت ہے اس کا کیا علاج ہے؟ تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یتیموں پر شفقت کرو اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔ اس سے تیرے دل کا مرض دور ہو جائے گا۔

مشکوٰۃ شریف میں یتیم کے سر پر رضائے الٰہی کے لیے ہاتھ پھیرنے والے کے لیے یوں فرمانِ نبوی درج ہے: مَنْ مَسَحَ رَاْسَ يَتِيْمٍ لَمْ يَمْسَحْهُ اِلَّا لِلّٰهِ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ عَلَيْهَا يَدَهٗ حَسَنَاتٌ° (مشکوٰۃ، صفحہ:423)

ترجمہ: جو شخص یتیم کے سر پر محض رضائے الٰہی کے لیے ہاتھ پھیر دے گا، تو جتنے بال

اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنی نیکیاں اس کو ملیں گی۔

حکایت

زواجر کے صفحہ:206 پر ایک حکایت یوں رقم ہے۔ ایک سید صاحب انتقال فرما گئے، ان کی ایک نیک سیرت بیوی اور چند بچیاں تھیں، وہ افلاس سے تنگ آ کر کسی دوسرے شہر کی طرف کوچ کر گئے۔ والدہ نے اپنی بچیوں کو ایک مسجد میں چھوڑا اور خود ان کے لیے کچھ کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے شہر کے ایک امیر کے پاس گئیں اور اپنے حالِ زار سے آگاہ کیا اور رہائش اور خورد و نوش کے لیے کچھ مکان و سامان مانگا۔ امیر نے کہا: اپنے سیدہ ہونے کی کوئی گواہی پیش کرو۔ چونکہ وہ اجنبی تھی اس کے لیے گواہی پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ امیر نے اسے جواب دے دیا۔ اس پر وہ ایک اور شخص کے پاس تشریف لے گئیں جو نجومی تھا۔ اس سے اپنا حال بیان کیا تو اس نے بلا حیل و حجت انھیں ایک مکان دیا اور سامانِ خورد و نوش مہیا کیا اور اپنے پاس بہت عزت و تکریم کے ساتھ رکھا۔

رات کو اس مسلمان امیر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت کا دن ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ قریب ہی ایک محل ہے جسے دیکھ کر اس امیر نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ محل کس کا ہے؟ تو حضور نے فرمایا: یہ ایک مسلمان کے لیے ہے۔ اس پر اس امیر نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بھی مسلمان ہوں، مجھے محل میں داخل ہونے کی اجازت دیجیے۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان ہونے کی صداقت میں گواہی پیش کرو۔ اس امیر نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس اس وقت گواہ کہاں؟ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تونے میری اولاد سے گواہ مانگا تھا۔ اب تجھے بھی اپنی صداقت پر گواہ پیش کرنا ہوگا۔ اس پر وہ امیر پریشان و پشیمان ہوا اور اسی اثنا میں اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ صبح اس سیدزادی کی تلاش میں نکلا تو پتہ چلا کہ وہ ایک مجوسی کے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ وہ امیر اس مجوسی سے گویا ہوا کہ سیدہ صاحبہ کو میرے یہاں بھیج دو میں ان کی خدمت سے سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور ایک ہزار دینار بھی پیش کیے۔ لیکن وہ شخص نہ مانتا تھا، اس پر اس

نے کہا: تم مجوسی ہو، میں مسلمان ہوں۔ اس لیے میں ان کی خدمت کا حق دار ہوں۔ اس شخص نے بتلایا: ہم اس سیدہ کی برکت سے مسلمان ہو چکے ہیں اور مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے۔ وہ محل جو تو نے خواب میں دیکھا تھا وہ میرے اور میرے گھر والوں کے لیے ہے۔

تو میرے بھائیو اور میرے دوستو! یہ ہے اجر، یتامیٰ پر مہربانی کرنے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کا۔ اور ان کو جھڑکنے والا تو گویا دنیا و آخرت میں نامراد ہی رہے گا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 125 پر اس درِ یتیم صاحب لولاک ﷺ کا فرمان یوں ہے:

اِذَا بَكَى الْيَتِيْمُ اِهْتَزَّ لَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَيَقُوْلُ يَا مَلَائِكَتِيْ مَنْ ذَا الَّذِيْ اَبْكٰى هٰذَا الْيَتِيْمَ الَّذِيْ غَيَّبْتُ اَبَاهُ فِي التُّرَابِ فَتَقُوْلُ الْمَلٰٓئِكَةُ رَبَّنَا اَنْتَ اَعْلَمُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ يَا مَلَائِكَتِيْ اشْهَدُوْا اَنَّ مَنْ اَسْكَنَهٗ وَاَرْضَاهُ اَنْ اَرْضِيَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

ترجمہ: جب کوئی یتیم روتا ہے تو عرشِ الٰہی کانپتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! اس یتیم کو جس کا باپ میں نے قبروں میں غائب کر دیا، کس نے رُلایا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے، تو رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ کہ جو شخص اس کو اپنے یہاں جگہ دے گا اور راضی رکھے گا میں اس کو قیامت کے دن راضی رکھوں گا۔

میرے دوستو! کچھ لوگ ایسے ڈھیٹ بھی واقع ہوئے ہیں جو یتیم کی پرورش کرنا یا اس پر مہربانی اور عنایات کرنا تو درکنار کسی نہ کسی طریقے یا بہانے سے ان کی وراثت پر قابض ہونے کی کوشش کرتے ہیں، تو اللہ عزوجل نے ایسے نابکار لوگوں کے بارے میں سورۂ نسا میں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔

(آیت: 10)

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں بے شک وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

زواجر، صفحہ: 205 پر ابویعلی سے روایت ہے کہ قیامت کے دن قبروں سے ایسی قوم اُٹھائی جائے گی جن کے منہ سے آگ کے شعلے نکلیں گے۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔

زواجر میں اسی صفحہ پر درج ہے کہ معراج کی رات حضور اقدس ﷺ نے ایک گروہ کو آگ میں دیکھا کہ اُن کے منہ میں آگ کے پتھر ڈالے جاتے ہیں اور وہ پتھر ان کی دُبر سے باہر نکل آتے ہیں۔ حضور کے استفسار پر جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) یہ لوگ وہ ہیں جو دنیا میں یتیموں کا مال کھاتے تھے۔

میرے دوستو! ایسے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے جو یتیم کا مال کھاتے ہیں، بلکہ یتیم کا مال تو ایک مکھی بھی اپنے اوپر حرام سمجھتی ہے۔

حکایت

ایک کاتب لکھتے ہیں کہ میں نے ساٹھ کے قریب قرآن پاک لکھے اور دورانِ کتابت میں نے محسوس کیا کہ مکھی تقریباً ہر لفظ پر بیٹھتی ہے لیکن ان الفاظ پر نہیں بیٹھی جو وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ میں ہیں۔ یعنی مکھی ان الفاظ کو بھی یتیم کا حق سمجھ کر ان پر بیٹھنا پسند نہیں کرتی تھی۔

(واللہ اعلم بالصواب)

ہاں، میرے دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد کچھ حقوق العباد بھی ہیں جن میں والدین کا سب سے پہلا درجہ ہے۔ پھر اقربا کا اور پھر یتامیٰ اور مساکین کا۔ یتامیٰ کے بارے میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں اور یتامیٰ کے ساتھ مساکین کا بھی اسی طرح حق ہے۔ کیونکہ نوع انسانی ایک ہی باپ سے ہے اور آپس میں سب بھائی ہیں، تو کیوں نہ ایک امیر بھائی دوسرے غریب، مسکین اور ضرورت مند کی مدد کرے گا اور پھر اسلامی اخوت میں تو ایک مومن کے دوسرے مومن پر بے شمار حقوق ہیں۔ کیونکہ ارشاد ربانی کے مطابق:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ° بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پھر اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ° وہ دراصل ایک دوسرے کے دوست اور ولی ہیں۔

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ° اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی گئی ہے۔

رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ° آپس میں رحمت وشفقت رکھتے ہیں۔

اور فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق دین سراسر خیر خواہی ہے، تو مسلمان فرمانِ نبوی کی بنا پر ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔

میرے دوستو! حضور نبی کریم فرماتے ہیں: مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جب کوئی عضو بیمار ہوجاتا ہے تو سارا جسم بے چین ہوجاتا ہے اور یہی ایمانِ کامل کی نشانی ہے: ؎

مبتلائے درد ہو کوئی عضو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

نبی کریم ﷺ کا مزید ارشاد ہے: جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ تو میرے دوستو! کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہ چاہتا ہو اور اپنی حاجت روائی کا خواہاں نہ ہو۔

حقوقِ ہمسایہ

ہاں تو میرے مومن بھائیو! میں عرض کر رہا تھا کہ یتامیٰ ومساکین، مسافر وغلام اور ہمسایہ سب اسی اخوتِ اسلامی میں شامل ہیں اور اسی زمرے میں شامل ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔

انسانی معاشرے میں یہ لازم ہے کہ انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوں، یعنی ہر انسان کو دوسرے انسان سے واسطہ اور کام پڑتا ہے اور سب سے زیادہ جو لوگ ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں وہ پڑوسی یا ہمسایہ ہیں۔ پھر انسان کو فوری طور پر ہر لمحہ کسی تکلیف یا رنج پہنچنے کا سب سے زیادہ اندیشہ اس سے ہوتا ہے جو زیادہ قریب ہو۔

ان تمام صورتوں میں اسلام نے ہمسایوں کے باقاعدہ حقوق اور فرائض مقرر کردیے

ہیں، تاکہ وہ ایک دوسرے کے لیے مفید اور باعثِ اطمینان بن سکیں اور بعض حالات میں ایک دوسرے پر بھروسہ کرسکیں۔

حقوقِ ہمسایہ کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: وہ شخص جو چاہتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرے یا جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا دعویٰ کرتا ہو اُسے چاہیے کہ پڑوسی کا حق ادا کرے۔

زواجر میں صفحہ: 308 پر حبیب کبریا رحمۃ للعالمین کا ارشادِ گرامی ہے: مَازَالَ جِبْرَئِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَیُوَرِّثُهٗ° (رواہ الشیخان)

ترجمہ: جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ مجھے ہمسایہ کے بارے میں وصیت کرتے ہیں حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ اسے میرا وارث بنادیں گے۔

ایک جگہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس رب کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے شاملِ حال اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

ایک انصاری سے روایت ہے کہ میں اپنے اہل سمیت حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کھڑے ایک شخص سے محوِ گفتگو ہیں۔ یہاں تک کہ اتنی دیر تک حضور نبی کریم کا کھڑے رہنا میرے دل پر شاق گزرا۔ جب وہ شخص چلا گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! یہ شخص کون تھا جس نے آپ کو اتنی دیر تک کھڑے رکھا؟ میرے دل پر ناگوار گزر رہا تھا، تو حضور نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں مجھ سے مصروفِ کلام تھے۔

ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبرئیل امین نے مجھے پڑوسی کے حقوق کی اس قدر تاکید کی کہ میں سمجھا کہیں ان کو وراثت کا حق نہ دلادیں۔

تو میرے دوستو! ان فرموداتِ نبوی سے ظاہر ہے کہ ہمسایہ کے حقوق کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔

بھائیو! پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلے میں مَیں سب سے پہلے عرض کرتا ہوں کہ ان کے

ساتھ کیسا حسنِ سلوک ہو۔

لفظ حسنِ سلوک میں تو بہت وسعت ہے لیکن مختصراً عرض کر دینا چاہتا ہوں:

(1) ہمسایہ اگر مدد کی ضرورت محسوس کرے تو اس کی ہر ممکن طریقے سے مدد کرنی چاہیے۔

(2) اُدھار مانگے تو اُدھار دیا جائے۔

(3) محتاج ہو تو اس کی دستگیری کی جائے کہ فرمانِ نبوی ہے:

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ۰ (مشکوٰۃ، صفحہ:424)

یعنی وہ کامل مومن نہیں جو سیر ہو کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔

(4) ہمسایہ اگر بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت و تیمارداری کرے۔

(5) اگر اسے کوئی خوشی نصیب ہو تو اس کو مبارکباد پیش کرنی چاہیے۔

(6) اگر اس پر کوئی مصیبت آجائے تو ہمسایہ کی دل جوئی کرنی چاہیے۔

(7) جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو۔

(8) اپنی عمارت کو اس کی اجازت کے بغیر اس قدر بلند نہ کرے کہ اس کے لیے ہوا میں رکاوٹ ہو۔

(9) اسے اپنی ہنڈیا کی بو کی تکلیف نہیں دینی چاہیے بلکہ اسے سالن بھی بھیجنا چاہیے۔

(10) اگر پھل خرید کر لائے جائیں تو انھیں بھی بھیجے جائیں، اگر اس قدر استطاعت نہ ہو تو گھر میں چھپا کر کھائے کہ ان کے ہمسایوں کے بچے نہ مچل جائیں۔

کشف الغمہ میں صفحہ:215 پر فرمان نبوی ﷺ ہے:

اِذَا اشْتَرَیْتَ فَاکِھَۃً فَاھْدِلَہٗ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَادْخِلْھَا سِرًّا وَّلَا یَخْرُجْ بِھَا وَلَدُکَ فَیُغِیْظَ بِھَا وَلَدَہٗ۰ (کشف الغمہ، صفحہ:215)

یعنی جب کوئی پھل خرید کر لائے تو بطور ہدیہ ہمسایہ کے گھر بھیج دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو چپکے سے اسے گھر میں لے آئے اور تیرا لڑکا وہ میوہ لے کر باہر نہ جائے کہ کہیں ہمسایہ کا لڑکا دیکھ کر تنگ نہ کرے۔

تحائف بھیجنا

حضور نبی کریم ﷺ نے پڑوسیوں کو تحائف دینے کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ اس سے مؤانست و محبت و مؤدت کے جذبات زیادہ اُبھرتے ہیں اور دلی کدورتیں ڈھل جاتی ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے: اے مسلمان کی بیویو! تم میں سے کوئی اپنی پڑوسن کو ہدیہ دینے کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ ایک بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

پھر فرمایا: اِذَا اشْتَرٰی اَحَدُکُمْ لَحْمًا وَطَبَخَ قِدْرًا فَلْیُکْثِرْ مَرَقَتَہٗ فَلْیَغْرِفْ لِجَارِہٖ مِنْہُ۰ (کشف الغمہ، صفحہ:251)

یعنی جب تم میں سے کوئی گوشت خریدے اور ہانڈی پکائے تو چاہیے کہ پانی زیادہ ڈال کر شوربا زیادہ بنائے اور اس میں سے کچھ چمچے اپنے ہمسایہ کے گھر بھیجے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکری ذبح کرتے تو اپنے خادم حضرت نافع سے فرماتے: اس میں سے ہمارے ہمسایہ کے گھر کچھ بطور ہدیہ بھیجو۔ حالانکہ ان کا ہمسایہ ایک یہودی تھا۔ (کشف الغمہ، صفحہ:217) ماشاء اللہ ہمسائے کا کتنا خیال رکھا جاتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میرے دو پڑوسی ہیں۔ ان میں سے کس کے یہاں ہدیہ بھیجوں؟ تو ارشاد فرمایا: اس پڑوسی کے یہاں جو تیرے گھر سے زیادہ قریب ہے۔

تو میرے دوستو! سب سے پہلا حق پڑوسیوں میں سب سے نزدیکی پڑوسی (جار ذی القربی) کا ہے اور اسی طرح قریبی پڑوسیوں کے بعد دور کے پڑوسیوں کا حق ہے۔

دینی تعلیم

پڑوسیوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سکھائے جائیں اور ان کو دینی تعلیم پر عمل کی ترغیب دلائی جائے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لوگ اپنے پڑوسیوں میں دینی سمجھ نہیں پیدا کرتے، ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین نہیں سیکھتے۔ اس کے بعد حکم دیا:

لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دیں۔ حضور کے اس خطبے کی خبر جب قبیلہ اشعر کے لوگوں کو ہوئی تو آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم دوسرے لوگوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! یہ بھی تمہاری ذمے داری ہے اور ان لوگوں کو حضور نے اس ذمے داری کے پورا کرنے کے لیے ایک سال کی مدت دی۔

ہمسایہ کی جان کی حفاظت

پڑوسیوں کے حقوق وفرائض میں سب سے پہلے یہ بات داخل ہے کہ ہر شخص اپنے ہمسایہ کی جان ومال کی حفاظت کرے۔ جس طرح کہ وہ اپنے جان ومال کی حفاظت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ کا واضح فرمان ہے: ”تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اپنے پڑوسیوں کے لیے وہی پیار نہ رکھے جو خود اپنی جان کے لیے رکھتا ہے۔“

اور فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو قتل کریں گے۔

عصمت کی حفاظت

یوں تو اسلام نے ویسے ہی عصمت دری کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر بڑی سخت سزا تجویز کی ہے لیکن جب کوئی شخص پڑوسی کی بیوی یا بیٹی کی عصمت لوٹے تو یہ جرم بہت بھیانک اور عام زنا سے دس گناہ بڑا گناہ ہے۔

لَاَنْ يَّزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشَرَةِ نِسْوَةٍ اَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّزْنِيَ بِامْرَاَةِ جَارِهٖ۝ (کشف الغمہ، صفحہ:214)

اس لیے کہ مرد کا دس عورتوں سے زِنا کرنا زیادہ آسان ہے اپنے ہمسایہ کی ایک عورت سے زنا کرنے سے۔ یعنی غیر ہمسایہ کی دس عورتوں سے زنا کرنا ہمسائے کی ایک عورت کے ساتھ زنا کرنے سے کم گناہ کا حامل ہے۔

تو میرے بھائیو! اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں پڑوسی پر ایک بڑا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کی عصمت کی حفاظت کرے۔

مال کی حفاظت

اکثر وبیشتر پڑوسی اپنے گھر کو کھلا چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے اِدھر اُدھر چلے جاتے ہیں کہ ابھی واپس آجائیں گے۔ اس صورت میں پڑوسی پر لازم ہے کہ اپنے ہمسایہ کے مال کی حفاظت کرے، چہ جائیکہ اس کی غیر حاضری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے چوری کا ارتکاب کر کے اُس کے اعتماد کو مجروح کرے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

کشف الغمہ، صفحہ:214 پر حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَاَنْ يَّسْرِقَ الرَّجُلُ مِنْ عَشَرَةِ اَبْيَاتٍ اَنْ يَّسْرِ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّسْرِقَ مِنْ بَيْتِ الْجَارِ۝ (کشف الغمہ، صفحہ:241)

یعنی مرد کا دس گھروں کی چوری کرنا زیادہ آسان ہے اپنے ہمسایہ کے ایک گھر سے چوری کرنے سے۔

آزادی کی حفاظت

پڑوسی کی آزادی کا فرض بھی ہر شخص پر عائد ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسے ہر جائز کام میں پورا اختیار حاصل ہو اور دوسرے اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اسے اس مصیبت سے رہائی دلانا چاہیے یا ہر ممکن اسے آزاد کرانے کی کوشش کرنی چاہیے بشرطیکہ وہ کسی شرعی جرم کا ارتکاب نہ کر چکا ہو۔

ابوداؤد میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ شبہ کی بنا پر گرفتار کیے گئے تو ایک صحابی نے عین خطبہ کے دوران اُٹھ کر نبی ﷺ سے سوال کیا: میرے ہمسایوں کو کس قصور میں پکڑا گیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے دو مرتبہ ان کے سوال کو سن کر سکوت فرمایا: تاکہ کوتوال شہر اگر کوئی معقول وجہ رکھتا ہو تو اُٹھ کر بیان کرے۔ لیکن جب تیسری مرتبہ صحابی رسول نے اپنا سوال دہرایا اور کوتوال نے کوئی وجہ بیان نہ کی تو آپ نے حکم صادر فرمایا: خلوا له جيرانه۔ اس کے ہمسایوں کو رہا کرو۔

حکایت

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک نوجوان رہتا تھا، جو شراب پی کر شعر پڑھا کرتا تھا کہ "مجھے لوگوں نے ضائع کر دیا، کیسے نوجوان اور رعنا کو ضائع کر دیا۔"

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک روز یہ مانوس آواز پڑوس سے سنائی نہ دی، پوچھنے پر پتہ چلا کہ کوتوال شہر اسے گرفتار کر کے لے گیا ہے۔ آپ حقوقِ ہمسائیگی کا خیال فرماتے ہوئے اس کا حال پوچھنے گئے تو کوتوال نے آپ کی آمد پر اسے رہا کر دیا۔ راستے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نوجوان ہمسائے سے پوچھا: اب بتاؤ تم تو کہتے تھے مجھے لوگوں نے ضائع کر دیا۔ ہم نے تمھیں کہاں ضائع کیا؟ امام صاحب کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر اس نے شراب نوشی سے توبہ کی اور پاکبازی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

ہمسایہ کو اذیت نہ دے

پڑوسیوں کا ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اذیت نہ پہنچائیں۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں ایک دلنشیں انداز میں فرمایا:

خدا کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا۔

صحابہ نے عرض کیا: کون؟ یا رسول اللہ! فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے: مَنْ اٰذٰی جَارَهٗ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ مَنْ حَارَبَ جَارَهٗ فَقَدْ حَارَبَنِیْ وَمَنْ حَارَبَنِیْ فَقَدْ حَارَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

(المجالس السنیہ، صفحہ: 44، وکشف الغمہ، صفحہ: 214)

ترجمہ: جس نے اپنے ہمسایہ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے خدائے عزوجل کو تکلیف دی اور جس نے ہمسایہ سے لڑائی کی اُس نے میرے ساتھ لڑائی کی اور جس نے مجھ سے لڑائی کی، اس نے اپنے خدا عزوجل کے ساتھ لڑائی کی۔

ایک اور واقعہ پر آپ نے فرمایا: جو شخص خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے

پڑوسی کو ایذا نہ دے۔

میرے دوستو! حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ اس شخص کو بہتر پڑوسی اور نیک انسان قرار دیا جس نے اپنے پڑوسی کو آرام پہنچایا اور اذیت نہ دی۔

حکایت

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ: 424 پر ایک روایت ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فلاں عورت بہت نمازیں ادا کرتی ہے، روزے رکھتی ہے اور صدقات و خیرات بھی کرتی ہے۔ مگر زبان کی تیز ہے کہ ہمسایہ بھی اس کی زبان سے محفوظ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی نیکی نہیں، اس کو دوزخ کی سزا ملے گی۔ پھر صحابہ نے دوسری خاتون کا ذکر کیا جو صرف فرض نمازیں ہی ادا کرتی تھی اور معمولی صدقہ دیتی تھی۔ مگر کسی کو ستاتی نہ تھی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: وہ خاتون جنت میں جائے گی۔

میرے دوستو! اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو پڑوسیوں کی چھوٹی سی چھوٹی تکالیف کا خیال رکھتے ہیں۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 200 پر ہے کہ ایک اللہ کے نیک بندے کے یہاں چوہوں کی بہتات تھی، اُس نے کسی سے شکایت کی تو اُسے بلی رکھنے کا مشورہ دیا گیا۔ اس پر اُس نے جواب دیا کہ اگر میں اپنے گھر میں بلی لے آؤں تو ممکن ہے کہ چوہے بلی کے ڈر سے میرے ہمسائے کے گھر میں چلے جائیں اور یہ بات مجھے منظور نہیں۔

پڑوسی کی اذیت پر صبر

حضرت امیر المومنین علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ حُسْنُ الْجِوَارِ كَفُّ الْاَذٰى وَلٰكِنَّ الصَّبْرَ عَلَى الْاَذٰى۔

یعنی حسنِ جوار یہ ہے کہ اگر ہمسایہ تکلیف دے تو اس پر صبر کیا جائے۔

حکایت

امام المسلمین شہزادۂ دو جہاں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہمسایہ ایک یہودی تھا۔

اس کے بیت الخلا کی دیوار میں سوراخ ہو گیا جس سے نجاست حضرت حسن کے گھر میں پڑنے لگی، جس کا یہودی کو علم نہ تھا۔ ایک دن اس یہودی کی بیوی آپ کے یہاں آئی تو نجاست کا ڈھیر دیکھا اور اپنے خاوند کو اطلاع دی۔ اس پر وہ یہودی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کی۔ تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کوئی بات نہیں۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے یہی تعلیم دی ہے کہ: ہمسائے کا اکرام کریں۔

وہ یہودی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔
(نزہۃ المجالس، صفحہ:201)

حکایت

زواجر، حصہ اول، صفحہ: 207 پر ایک روایت یوں درج ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم شاہِ دو جہاں ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے میرا پڑوسی بہت ستاتا ہے۔ آپ نے اس شخص کو صبر کی تلقین کی اور واپس کر دیا۔ پھر دو تین مرتبہ اس شخص نے بعد میں اپنی تکلیف کو بیان کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: اپنا سامان اس کی راہ میں ڈال دو۔ اس نے ایسا ہی کیا جب لوگوں نے ماجرا پوچھا تو اس نے بتلایا کہ میں اپنے پڑوسی سے تنگ آکر یہ مکان چھوڑ رہا ہوں۔ لوگوں نے اس کے پڑوسی کو ملامت کی تو اس نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! جو شخص مجھے ملتا ہے لعنت کرتا ہے، تو آپ نے فرمایا: لوگوں کی لعنت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر لعنت کی ہے۔ اس پر اس نے اپنے پڑوسی شخص سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ اچھا سلوک کروں گا تو حضور نے اس شاکی شخص سے فرمایا: اب اپنا سامان گھر میں رکھ لو کہ تمہاری کفایت ہو چکی ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ: 424 پر ہے کہ حضور ﷺ ایک روز وضو فرما رہے تھے تو صحابہ نے وضو سے گرتے ہوئے پانی کو اٹھا کر اپنے چہروں پر مل لیا تاکہ برکت حاصل ہو تو حضور نے فرمایا: کس چیز نے تمہیں اس بات پر آمادہ کیا ہے؟ تو عرض کیا: اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی محبت نے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: جو اپنے خدا اور رسول کو محبوب جانتا ہو وہ اس کی باتوں کی تصدیق کرے، اس کی امانت کو ادا کرے اور اپنے ہمسائے کے ساتھ احسان کرے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ اور اس کے رسولِ مکرم و معظم ﷺ نے اس قدر ہمسایہ کی تکریم کا حکم دیا ہے، تو ہمیں بھی حضور کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے ان ارشادات پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے اور ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

سترہواں وعظ

در بیانِ کسبِ حلال واکلِ حلال

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔

(سورۂ بقرہ، آیت:172)

بعد حمد وثنا اس خالق برحق اور مالک ارض وفلک کے ہزاروں درود اور لاکھوں سلام اس کے محبوب پر جو ہمارے لیے وسیلۂ دارین ہیں اور لولاک کے مالک ہیں کہ ان کے صدقے میں سب کچھ ظہور میں آیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں سے یوں خطاب فرمایا ہے: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاک اور صاف چیزیں کھاؤ۔

میرے بھائیو! بمطابق حکم ربانی جائز طریقے سے حلال روزی کمانا اور کھانا اسی طرح فرض ہے جس طرح دوسرے ارکانِ اسلام، یعنی مسلمان کے لیے نماز، روزے کی طرح حلال روزی کمانا اور کھانا بھی فرض ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ۔ یعنی فرض باتوں کے بعد ایک اور فرض کسبِ حلال کی تلاش ہے یعنی حلال لقمہ کھانے کے لیے حلال کی روزی کمانا ضروری ہے۔ کیونکہ حلال کمائی کی روزی سے ہی حلال لقمہ مل سکتا ہے۔

حلال کی روزی کھانے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:172)

ترجمہ: اے ایمان والو! حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص لگاتار حلال روزی کھاتا ہے اور حرام لقمہ کی آمیزش نہیں ہونے دیتا، اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کے دل کو اپنے نور سے روشن کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے دل سے جاری ہو جاتے ہیں۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:214)

اللہ رب العزت اپنے پیغمبروں اور رسولوں کے لیے بھی کسبِ حلال اور رزقِ حلال پسند فرماتے ہوئے امر فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (سورۂ مومنون، آیت:51)

یعنی اے میرے رسولو! اے میرے بھیجے ہوئے پیغمبرو! پاک اور حلال روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

ہاں! یہاں ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پاکیزہ اور حلال روزی کھانے کا پہلے حکم فرمایا ہے اور نیک اعمال اور عبادات کا بعد میں، تو یوں کہیے کہ اعمال اسی وقت ہی صالح ہو سکتے ہیں جب کہ لقمۂ حلال پیٹ میں ہوگا اور عبادت بھی خلوصِ نیت سے اسی وقت ہو سکے گی جب کہ حلال کھائیں گے ورنہ، نہ اعمال مقبول ہوں گے نہ عبادت ہی قابلِ قبول ہوگی۔

رزقِ حلال کے ساتھ طیب کی جو صفت لگائی گئی ہے، اس کا مطلب ہے:

(1) روزی میں چیزیں بجائے خود پاکیزہ ہوں۔

(2) اللہ تعالیٰ نے انھیں جائز قرار دیا ہو۔

(3) پھر وہ حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہوں۔

قرآن کریم میں اس وضاحت کا مطلب یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ بغیر کسب حلال کے حجت نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث پاک کی روایت ہے، جو اس بات کی وضاحت کرتی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

پاکیزہ چیزوں کا حکم

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ

تَعَالٰی طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّباً وَاِنَّ اللهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ اللهُ تَعَالٰی یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۝ وَقَالَ تَعَالٰی یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَى السَّمَآءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَهُوَ كَیْفَ یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ ۝ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ہی شرف قبولیت عطا فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا جو حکم اس نے رسولوں کو دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ دوسری جگہ فرمایا: اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں عطا کی ہیں، ان میں سے کھاؤ۔

پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کر رہا ہے، اس کے بال پراگندہ ہیں، وہ گرد سے اَٹا ہوا ہے اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر پکارتا ہے۔ یارب! یارب! ادھر اس کی یہ حالت ہے کہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا لباس حرام کا ہے۔ اے غذا بھی حرام کی دی گئی ہے، بھلا ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

حضرت عائشہ کی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کو یہ دعا مانگتے سنا: یااللہ! میں تیرے اسم مطہر وطاہر وطیب ومبارک جو تجھے پسند ہے، اس کے ذریعے دعا مانگتا ہوں۔ تیرا وہ نام کہ جب اس سے پکارا جائے تو تو جواب دیتا ہے اور جب مانگا جائے تو، تو عطا فرماتا ہے اور جب رحم کی بھیک مانگی جائے تو، تو رحم فرماتا ہے اور جب مشکل کشائی کی درخواست کی جائے تو مشکل حل ہو جاتی ہے۔

ماشاء اللہ! اللہ کے اسم پاک میں یہ تاثیر ہے، کیونکہ وہ پاک ہے اور پاک چیزوں کو

پسند کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لایقبل الا الطیب پاک چیزوں کے سوا کچھ قبول نہیں ہوتا۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے، تو حضور نے ارشاد فرمایا: لقمۂ حلال کا التزام کر لو خود بخود مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔

پھر فرمایا: اگر کوئی شخص ایسے کپڑے میں نماز ادا کرے گا جس کی قیمت میں دسواں حصہ بھی حرام ہو، تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (ترمذی)

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت مقدام بن سعد رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی نے اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ سے کمایا ہو اور خدا کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جس آدمی کے شکم میں ایک نوالہ بھی حرام جائے اس کی دعا چالیس روز تک قبول نہیں ہوتی اور جو گوشت حرام مال سے بنا ہے آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔

تو اے میرے بھائیو! مالِ حرام سے بچو، کیونکہ بمطابق فرمانِ نبوی حرام خور آتش جہنم میں جلایا جائے گا۔

انبیا کا کسب

تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضراتِ انبیا علیہم السلام نے حلال روزی حاصل کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کسب اختیار فرمایا، مثلاً: حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نجار یعنی بڑھئی تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سی کر گزر بسر کرتے تھے۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام جانوروں کے صوف اور ریشم

وغیرہ سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھیڑ بکریاں چراتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر گزر اوقات کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو روئے زمین کے بادشاہ تھے درختوں کے پتوں اور چھال سے پنکھے، بوریاں اور زنبیل تیار کر کے گزارہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ابتدا میں پیشہ بکریاں چرانا، پھر تجارت اور آخر میں جب بارِ نبوت سے سرفراز ہوئے تو جہاد کا پیشہ اختیار کیا۔ ماشاء اللہ

انبیائے کرام نے تو بحکم الٰہی کسب حلال کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کیا تو ہمارے مومنین کے لیے چونکہ کسب حلال کا حکم ہے تو بھائیو! جو روزی ہم اپنی محنت اور جائز طریقے سے حاصل کریں وہ روزی حلال اور پاکیزہ ہے اور اس کا درجہ عبادتِ الٰہی سے بڑھ کر ہے۔

کشف الغمہ، صفحہ:2 پر فرمانِ رسول ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِقَ۔

اللہ تعالیٰ کمانے والے مومن کو دوست رکھتا ہے۔

ایک آدمی کا کسب

کیمیائے سعادت، صفحہ:189 پر ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ ایک مقام پر تشریف فرما تھے کہ ایک جوان صبح سویرے آپ کے پاس سے گزر کر ایک دکان پر گیا۔ تو صحابہ کرام نے کہا: کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ راہ حق میں اتنی سویرے اُٹھا ہوتا، تو آپ نے فرمایا: ایسا نہ کہو، اگر یہ اس لیے جاتا ہے کہ اپنے آپ کو، اپنے ماں باپ اور اہل وعیال کو لوگوں سے بے نیاز رکھے تو اس کا یہ فعل بھی خدا کی راہ میں ہے اور اگر یہ فساد گزاف تو انگری کے لیے جاتا ہے تو شیطان کی راہ ہے۔

فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ جو شخص دنیا میں طلبِ حلال اس لیے کرتا ہے کہ وہ لوگوں کا محتاج نہ ہو اور ہمسائے اور رشتے داروں کے ساتھ نیکی کر سکے تو قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔

کیمیائے سعادت میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں

سب سے زیادہ اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کسب حلال کی غرض سے بازار جاؤں اور مجھے موت آجائے۔

ایک اور واقعہ یوں درج ہے کہ امام روز الحی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے دیکھ کر کہا: آپ کا یہ کسب کب تک رہے گا؟ آپ کے مسلمان بھائی آپ کے اس رنج و تکلیف میں کفایت کر سکتے ہیں۔ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خاموش رہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے: جو طلبِ حلال کے لیے ذلت برداشت کرتا ہے، بہشت اس کے لیے واجب ہوجاتی ہے۔

میرے بھائیو! کسب کے ذرائع تو بے شمار ہیں مگر سب سے بہتر کسب زراعت ہے۔ کیونکہ اس میں ہاتھ کی کمائی ہے اور توکّل کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ کسان زمین میں ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے اور وقت پر پانی دیتا ہے پھر خدا پر آس لگا کر بیٹھ جاتا ہے، کیونکہ:

آفت ارض وسماوی سے　　　ہے نگہباں تو فضل باری ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اس محنت کا بدلہ دے یا اس کے اعمال کی سزا میں اس کی اس محنت پر پانی پھیر دے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پیشے کو اختیار فرمایا اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اس پیشے کو پسند فرمایا اور اس کی ترغیب دلائی، کیونکہ اس سے تمام انسانوں کے لیے رزق مہیا کیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

طَیْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَہِیْمَۃٌ اِلَّا کَانَ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔

یعنی مسلمان جو باغ لگاتا ہے یا زراعت کا کام کرتا ہے اور اس کے باغ سے یا کھیتی سے کوئی پرندہ جانور یا انسان کچھ کھا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 20 پر ہے کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اِلَّا کَانَ مَا اُکِلَ مِنْہُ لَہٗ صَدَقَۃً وَمَا سُرِقَ مِنْہُ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔

یعنی نہیں ہے کوئی مسلمان جو باغ لگائے اور جو کچھ اس میں سے کھایا جائے اس کے

لیے صدقہ ہوا اور جو چوری ہو جائے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوا۔

ماشاءاللہ! کیسا بابرکت پیشہ ہے کہ جو کھایا جائے وہ بھی صدقہ اور جو چوری ہو جائے وہ بھی صدقہ۔

دوسرے نمبر پر تجارت کا پیشہ ہے۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام نے تجارت کو عمدہ اور نفیس پیشہ قرار دیا ہے۔

کیمیائے سعادت میں مرقوم ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تجارت کرو، کیونکہ رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ۔ (مشکوۃ)

یعنی راست گو اور امانت دار تاجر انبیا، شہدا اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔

مشکوۃ شریف، صفحہ: 242 پر راجع بن حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) کون سا کسب زیادہ پاکیزہ ہے؟ تو فرمایا: عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ۔

یعنی آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور اچھی بیع یعنی اس میں کوئی خیانت اور دھوکہ نہ ہو۔

اس حدیث مبارک سے ظاہر ہے کہ تجارت بہت عمدہ پیشہ ہے لیکن ایمانداری اور نرمی ضروری ہے۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے ایسے تاجر کے لیے دعا فرمائی جو لینے دینے میں نرمی اختیار کرتا ہے۔ رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰی وَاِذَا اقْتَضٰی۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو بیچتے اور خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت آسانی اختیار کرے۔

چنانچہ مشکوۃ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھلے زمانے کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ جب اس شخص کا نزع کا وقت آیا تو اس سے پوچھا گیا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تو نے کوئی اچھا کام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے علم میں کوئی ایسا کام نہیں، البتہ! میں خرید و فروخت کے وقت لوگوں سے اچھی طرح پیش آتا

تھا کہ اگر مالدار بھی مہلت مانگتا تو اسے مہلت دے دیتا اور اگر کوئی تنگ ہوتا تو اس سے درگزر کرتا تھا اور معاف کر دیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ سے زیادہ معاف کرنے کا حقدار ہوں۔ اے فرشتو! میرے اس بندے سے درگزر کرو کہ وہ بھی اس کے صلے میں جنت میں داخل ہو جائے، تو میرے دوستو! جو لین دین میں درگزر اور آسانی اختیار کرے اللہ تعالیٰ بھی روزِ قیامت اس کے لیے حساب کتاب میں درگزر اور آسانی اختیار کرے گا۔

میرے بھائیو! آج کل تو اس عمدہ پیشے کو جھوٹ بول کر اور کم تول کر بدترین پیشہ بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمانِ نبوی ہے کہ زمین کا بہترین ٹکڑا مساجد ہیں اور بدترین حصہ بازار ہیں، جہاں کم تولا جاتا ہے اور جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں اور شیطان ہر صبح اپنا جھنڈا لے کر بازار میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے ایسے تاجروں کو فاسق و فاجر ٹھہرایا ہے جو جھوٹی قسمیں کھاتے اور کم تولتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ، صفحہ: 234)

قیامت کے روز تاجرین کا حشر فاجرین کے ساتھ ہوگا مگر ان تاجروں کے سوا جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں، نیکی کریں اور سچ بولیں۔

پھر فرمایا کہ خرید و فروخت کے وقت بہت قسمیں کھانے سے بچا کرو، کیونکہ اس سے چیز تو بک جاتی ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثَلَاثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ قَالَ اَبُوْذَرٍ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ ھُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلْفِ الْکَاذِبِ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ: 243)

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: وہ نقصان اٹھانے والا اور نامید

کون ہے یارسول اللہ! تو فرمایا: کپڑا لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا چلانے والا۔

میرے دوستو اور بھائیو! تجارت، کسبِ حلال کے لیے ایک اچھا ذریعہ ہے لیکن ایمانداری اور سچائی لازم ہے، ورنہ یہ بھی عذاب بن جاتا ہے۔

اب دیکھیے جس طرح حلال روزی حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح مالِ حرام سے بچنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ایمان والوں کے لیے کلام پاک میں یوں ارشاد ہوا ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۝

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

یعنی خیانت، چوری، سود یا رشوت کے ذریعے سے کسی کا مال کھانے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد سے مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ ۝

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

مالِ حرام میں اُجرتِ زنا، اُجرتِ تصویر کشی، مالِ یتیم، جھوٹی قسم کی اُجرت اور کم ناپ سے حاصل شدہ فائدہ بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کم تولنے والوں کے لیے ناراضگی کا اظہار یوں کیا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولٰئِكَ أَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ (سورۂ مطففین، آیت:1-6)

کم تولنے والوں کے لیے خرابی ہے کہ وہ جب دوسروں سے لیں تو پورا تول لیں اور جب انھیں ناپ کر دیں تو کم دیں۔ کیا ان کے گمان میں نہیں کہ قیامت کے عظیم دن انھیں اُٹھایا جائے گا۔ جس روز سب لوگ حساب کتاب کے لیے اللہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔

تفسیر حسینی، جلد: ثانی، صفحہ: 452 پر روایت ہے کہ جو شخص ناپ تول میں خیانت کرتا ہے، قیامت کے دن اسے دوزخ کی گہرائیوں میں ڈالا جائے گا اور دو آگ کے پہاڑوں کے درمیان بٹھا کر حکم دیا جائے گا۔

كِلْهُمَا وَزِنْهَا ۝ ان پہاڑوں کو ناپو اور تولو۔ جب وہ تولنے لگے گا تو آگ اس کو جلا دے گی۔

لہٰذا کم تولنے والوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں مدین شہر کے رہنے والوں کا قصہ کم تولنے والوں کے لیے باعثِ عبرت ہے۔

قصہ اصحابِ مدین

مدین کے لوگ تجارت پیشہ تھے اور آسودہ حال تھے لیکن بت پرست تھے۔ کم تولتے اور کم ناپتے تھے، یعنی ان کا عقیدہ بھی غلط تھا اور اعمال بھی غلط، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ بے شک میں تمھیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر یوم محیط کے عذاب کا ڈر ہے۔ اے میری قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور دین میں فساد نہ کرو۔ اللہ کے دیے ہوئے سے جو بچے وہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تمھیں یقین نہ ہو تو میں تمھیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ اس پر قوم نے حضرت شعیب کو جواب دیا:

يَا شُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِيْ أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ (سورۂ ہود، آیت:87)

اے شعیب! (علیہ السلام) کیا تمہاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں، بے شک تم بڑے بردبار اور نیک ہو۔

آپ نے اپنی قوم کو کافی مدت تک سمجھایا بجھایا لیکن وہ ان حرکتوں سے باز آنے والے نہ تھے۔ آپ نے انھیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو بولے:

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (شعراء، آیت:187)

یعنی اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرادو۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام ان سے بالکل مایوس ہو گئے تو بارگاہ الٰہی میں دعا کی:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ۝ (سورۂ اعراف، آیت:89)

اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اللہ کے نبی نے دعا فرمائی اور نبی کی دعا کبھی خطا نہیں جاتی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا دعا فرمانا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فوراً دعا کو قبول فرمالیا: فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورۂ شعراء، آیت:189)

جب انھوں نے اسے جھٹلایا تو وہ ابر کے سائے والے دن کے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ بے شک وہ یوم عظیم کا عذاب تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عذاب کی تفصیل یوں بیان فرمائی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس قوم پر جہنم کا دروازہ کھول دیا اور دوزخ کی شدید گرمی بھیجی۔ وہ وہاں سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ایک سرد اور خوشگوار بادل بھیجا۔ وہ سب اس کے نیچے (مرد، بچے اور عورتیں) جمع ہو گئے۔ جب وہ سب بادل کے نیچے پناہ گزیں ہوئے تو بادل سے آگ برسنے لگی اور وہ سب جل کر راکھ ہو گئے۔ نعوذ باللہ من غضبہ۔

کم تولنے والے کو وقتِ مرگ کلمہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ہائے کم تولنے کی بدبختی! لیکن آج کل اکثر مسلمان ان سب حرام کاموں کو شیرِ مادر خیال کرتے ہیں۔

حکایت

حضرت مالک بن دینار ایک روز ایک بیمار کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے جو

قریب المرگ تھا۔ حضرت مالک بن دینار نے اسے کلمہ پڑھنے کی تلقین کی مگر بڑی کوشش کے باوجود کلمے کی بجائے دس گیارہ، دس گیارہ ہی گنتا رہا۔ جب اس سے اِس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: میرے سامنے آگ کا پہاڑ ہے، جب میں کلمہ پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں تو یہ آگ مجھے جلانے کو لپکتی ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: تم دنیا میں کیا کام کرتے تھے؟ اس نے کہا میں کم تولا کرتا تھا۔ (تذکرۃ الاولیاء، صفحہ:957)

توبہ توبہ مالِ حرام کا کس قدر عذاب ہے۔ اللہ محفوظ رکھے ایسے کسب سے۔ لیکن افسوس اُن پر جو اس بات کو نہیں سمجھتے اور حرام پیشوں کی کمائی کھاتے ہیں۔ اس کمائی سے کپڑے بناتے اور پہنتے ہیں، نمازیں بھی ادا کرتے ہوں، بعض صدقات وخیرات بھی کرتے ہوں گے۔ لیکن انھیں یہ جان لینا چاہیے کہ یہ محض ان کا گمان ہے کہ وہ اس کا ثواب پاتے ہوں گے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:241)

یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ مال کو ہی قبول فرماتا ہے۔ حرام مال کو قبول نہیں فرماتا۔

کیمیائے سعادت، صفحہ:215 پر ہے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو مالِ حرام سے صدقہ دیتا ہے اور خیرات کرتا ہے، وہ ایسے شخص کی مثل ہے جو ناپاک کپڑے کو پیشاب سے دھوتا ہے۔ اس طرح وہ اور زیادہ پلید ہو جاتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ:242 پر ایک حدیث رسولِ مقبول ﷺ اس طرح سے منقول ہے:

يَكْتَسِبُ عَبْدٌ مَالًا حَرَامًا فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ فَلَا يُقْبَلُ مِنْهُ وَيُنْفِقُ مِنْهُ فَلَا يُبَارِكُ لَهٗ يُتْرِكُهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَى النَّارِ ۝ (کشف الغمہ، صفحہ:6)

یعنی جو انسان مالِ حرام کماتا ہے اور پھر صدقہ کرتا ہے، اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور اسے خرچ کرے گا تو اس کے لیے اس میں برکت نہ ہوگی اور اسے اپنے پیچھے چھوڑے گا مگر یہ اس کے لیے دوزخ کا زادِ راہ ہوگا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حرام کھانے والے کی نہ نماز قبول ہوتی ہے، نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہو سکے گا۔

حکایت

چنانچہ مجالسِ سنیہ، صفحہ:25 پر حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت درج ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے ایک شخص کو بڑی تضرع وزاری سے دعا مانگتے دیکھا اور بارگاہ خداوند میں عرض کی: اے پروردگار! تو اس بندے کی دعا کیوں نہیں قبول فرماتا؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی: اے موسیٰ! اگر یہ شخص اتنا روئے کہ اپنے آپ کو ہلاک کردے اور اپنا ہاتھ اتنا اُٹھائے کہ آسمان تک پہنچ جائے، تب بھی میں اس کی دعا قبول نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کے پیٹ میں حرام ہے، اس کی پشت پر حرام ہے اور اس کے گھر میں حرام ہے۔

میرے دوستو! یہ ہے حرام کی سزا اور اسی لیے ہمارے اسلاف نے حرام کے ساتھ مشتبہات کو بھی ترک کردیا کہ کہیں حرام کی حدود میں داخل نہ ہوجائیں۔

حضرت صدیق اور فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قَے کرنا

چنانچہ ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارے اسلاف کس طرح شبہ والی چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک غلام سے دودھ کا شربت پی لیا پھر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ ذریعہ حلال سے نہیں ہے، آپ نے فوراً حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی۔ قے اس قدر سخت کی کہ جسم اطہر سے روح کے جدا ہونے کا خدشہ پیدا ہوگیا اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا: یا الٰہی! میں اس شربت سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو میری رگوں میں باقی رہ گیا ہے اور باہر نہیں آیا۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:214)

اسی صفحہ پر ایک واقعہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق کا درج ہے کہ لوگوں نے آپ کو غلطی سے صدقے کا دودھ پلادیا۔ جب آپ کو پتہ چلا تو آپ نے فوراً قے کردی۔

حضرت حسن کا تقویٰ

کیمیائے سعادت، صفحہ:217 پر سبطِ رسول حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

درج ہے کہ ایک کھجور صدقے کی منہ میں ڈال لی تو حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً وہ کھجور پھینکوادی اور فرمایا: کُخ کُخ۔ قے کردو۔

صدقے کے مشک کا واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غنیمت کا کچھ مشک گھر میں رکھوایا تاکہ آپ کی زوجہ محترمہ اسے مسلمانوں کے پاس فروخت کریں۔ ایک دن جب گھر میں تشریف لائے تو آپ کو اپنی بیوی کی چادر سے مشک کی خوشبو آئی۔ جب آپ نے پوچھا: چادر میں سے خوشبو آرہی ہے۔ تو انھوں نے عرض کیا: حضور میں مشک تول رہی تھی تو خوشبو میرے ہاتھوں کو لگ گئی جو میں نے اپنی چادر سے پوچھ لی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کے سر سے چادر اُتار لی اور اسے دھوتے رہے اور مٹی ڈالتے رہے اور بار بار سونگھتے تھے، حتیٰ کہ اس میں سے خوشبو جاتی رہی۔ تب آپ نے وہ چادر اپنی بیوی کے حوالے کی۔ اگرچہ یہ اس قدر معاف تھی، جو انھوں نے پونچھ لی، پھر بھی حضرت خلیفۃ المسلمین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تقویٰ سے بعید جانا اور پرہیز کیا، مبادا کبھی زیادتی کا امکان ہو۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:217)

کیمیائے سعادت، صفحہ:218 پر مرقوم ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ قید ہوگئے اور چند دن بھوک سے رہے، ایک پارسا مرید عورت نے اپنی حلال کی کمائی سے آپ کی خدمت میں کھانا بھیجا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اس پر اس عورت نے کہا: جو کھانا میں نے بھیجا وہ حلال تھا اور آپ بھوکے بھی تھے، پھر آپ نے اسے کیوں نہ کھایا؟ آپ نے فرمایا: وہ کھانا جیل کے محافظ کے ہاتھ میں تھا جو ظالم ہے، چونکہ کھانے کے مجھ تک پہنچنے کا سبب ایک ظالم کی قوت تھی جو کھانا لانے میں صرف ہوئی، اس لیے میں نے اس سے پرہیز کیا۔

اللہ اللہ! یہ تقویٰ، اللہ کی حدوں سے دور رہنے کا طریقہ واقعی یہی ہے۔

حضرت مقاتل بن صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ایک دن میں حماد بن

سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ ان کے گھر کا اثاثہ ایک بوریے، ایک کھال، قرآن کریم اور ایک لوٹے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی اثنا میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خلیفہ وقت محمد بن سلیمان ہیں۔ خلیفہ اندر آئے اور بیٹھ گئے اور حماد رحمۃ اللہ علیہ سے یوں گویا ہوئے: یا حضرت! جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میرے تمام جسم میں خوف اور ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسا عالم جس کا علم حاصل کرنے کا مقصد رضائے الٰہی کو حاصل کرنا ہو، سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں اور جس عالم کا مقصود دنیا ہو وہ سب سے ڈرتا ہے۔ پھر خلیفہ نے ہزار درہم پیش کیے کہ انھیں کام میں لائیں تو حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جاؤ، یہ ان کے مالک کو واپس دے دو۔ تو خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں نے یہ میراث حلال سے حاصل کیے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے ان کی ضرورت نہیں، تو خلیفہ نے کہا کہ ان کو مستحقین ہی میں تقسیم فرما دیجیے۔ تو آپ نے جواب دیا: اگر میں ان کو انصاف سے تقسیم کروں تو کوئی یہ کہہ کر گنہگار نہ ہو جائے کہ انصاف سے کام نہیں لیا۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا آپ نے وہ درہم نہ لیے۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:225)

☆☆☆

اٹھارہواں وعظ

در بیانِ شراب خوری

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
أَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ، آیت:90-91)

ترجمہ: سب تعریفیں اس خالق حقیقی و برحق کے لیے سزاوار ہیں جس نے ہمیں اپنی نوازشوں اور رحمتوں سے نوازنے کے لیے خاتم الانبیاء سید الاتقیاء نور مجسم شفیع مجرمان سیدنا محمد ﷺ کو ایسے وقت میں گمراہی و ضلالت کے گڑھے سے نکالنے کے لیے وسیلہ بنا کر بھیجا جبکہ ہم اپنے معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر شیطانی اعمال، مثلاً بت پرستی، جوئے، شراب، زنا اور غارت گری کی طرف راغب تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لیے ہم میں اپنے محبوب پیغمبر محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! بے شک شراب خوری، جوے بازی، بت پرستی اور پانسہ وغیرہ ناپاک اور شیطانی اعمال ہیں، ان سے اجتناب کرو تا کہ تم فلاح پاسکو۔

میرے دوستو اور میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے شراب خوری اور جوے بازی سے

اجتناب کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ یہ اعمال شیطانی ہیں اور گناہوں اور معاشرتی خرابیوں کا باعث ہیں، اس لیے انسان کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ شیطانی اعمال سے پرہیز کرے۔

شراب کو اللہ تعالیٰ نے چونکہ نجس قرار دیا ہے، اس لیے اس کا پینے والا بہر صورت گندہ اور ناپاک ہوگا۔ اس کے ہاتھوں کو شراب لگے گی تو وہ بھی گندے ہوں گے، منہ اور پیٹ بھی گندے ہو جائیں گے اور اسی طرح شراب کی گندگی سے دل گندہ ہوگا اور جس کا قلب گندہ ہو خدا کی یاد کب اس کے دل میں گھر کرے گی۔ شیطان اس پر غالب آئے گا اور ایمان ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرِبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرِبُ ۰ وَھُوَ مُؤْمِنٌ ۰

(رواہ الشیخان، زواجر، صفحہ:126)

یعنی زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ کامل مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری کرتا ہے تو کامل مومن نہیں ہوتا اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ کامل مومن نہیں ہوتا ہے۔

شراب ایک نشہ آور مشروب ہے۔ جس سے انسان اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا واضح دشمن شیطان ہے۔ جو نسلِ انسانی کی پیدائش سے ہی اسے گمراہ کرنے کی طرف راغب ہے۔ موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کوئی وقت ہو جب حضرتِ انسان غافل ہو تو اسے خدا پرستی سے ہٹا کر شیطانی اعمال کی طرف رجوع کر دے۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے بار بار اس ضعیف العقل انسان کو متنبہ کیا ہے کہ شیطان تیرا دشمن ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کر۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ عَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ۰

ترجمہ: شیطان ہمیشہ اسی تاک میں رہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تم میں عداوت اور بغض پیدا ہو اور تم ذکرِ الٰہی اور نماز سے غافل ہو جاؤ۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ جل شانہ نے واضح فرما دیا ہے کہ شراب خوری نہ صرف انسان کو نماز اور ذکرِ الٰہی سے غافل کرتی ہے بلکہ شراب انسان کی دشمن اور دوسری معاشرتی خرابیوں کا پیش خیمہ بھی ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے:

اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّھَا اُمُّ الْخَبَائِثِ ۰ (زواجر، صفحہ:126)

ترجمہ: شراب خوری سے پرہیز کرو کہ یہ سب برائیوں کی اصل اور ماں ہے۔

پھر روایت میں فرمایا کہ: اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ ۰

(رواہ الحاکم، زواجر، صفحہ:127)

ترجمہ: شراب سے بچو، یہ ہر شرارت کی کنجی ہے۔

یعنی ہر قسم کی برائی اور شرارت شراب سے پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے انسان کو شراب خوری سے اجتناب کرنا چاہیے۔

انسان کی معاشرتی زندگی کا انحصار خود ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، محبت اور بھائی چارے پر ہے کہ دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے مل جل کر اپنے کام کاج میں سہولت پیدا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے خوراک، کپڑا اور دوسری اشیائے صرف مہیا کرتے ہیں۔ پھر دیکھ بھال اور حفاظت میں بھی ہمارے بھائی ہماری مدد کرتے ہیں۔ اگر ہمارے معاشرے میں ایسی خرابیاں پیدا ہوں اور ہم میں نفاق اور دشمنی پیدا ہو جائے اور ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں، اس طرح سے یہ دنیا کا نظام احسن طریقے سے نہ چل سکے گا۔ یعنی ہمارا معاشرہ درست نہ ہوگا۔ ایک مثال لیجیے کہ:

شراب نوشی کرنے والا شراب کے نشے میں بے ہوش ہو جائے گا۔ اسے اپنے پرائے کی تمیز نہ ہوگی۔ چونکہ اسے اپنے قویٰ پر اختیار نہ ہوگا تو اس ام الخبائث کے اثر سے اس سے زنا صادر ہو جائے گا۔

جب شرابی کسی عورت سے زنا کرے گا تو اس عورت کے ورثا اس چیز کو برداشت نہیں کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّسَآءَ سَبِیْلًا ۰

ترجمہ: بے شک زنا بے حیائی اور بہت بری راہ ہے۔

تو میرے بھائیو! زنا سے عورت کے وارث برانگیختہ ہوں گے، دشمنی کی آگ بھڑکے گی، فساد پیدا ہوگا اور جنگ وجدال تک نوبت پہنچے گی۔ پھر بات یہیں ختم نہیں ہوگی، جس کی عزت تباہ ہوئی ہوگی وہ دوسرے کی عزت پر بھی ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ یہ سب کچھ کس لیے ہوگا؟ کس وجہ سے ہوگا؟ شراب پینے سے۔

ہاں تو میرے دوستو! شراب پینے والا انسان بدمست ہو جاتا ہے، اللہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور شیطان اسے برائیوں کی طرف راغب کرتا ہے، اسے اپنے پرائے کا ہوش نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ماں، بہن یا بیوی میں تمیز نہیں کر سکتا ہے۔

چنانچہ زواجر میں صفحہ:130 پر مرقوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم محمد ﷺ سے ایک دفعہ شراب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: هِيَ أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ وَأُمُّ الْفَوَاحِشِ ۝ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ تَرَكَ الصَّلٰوةَ وَوَقَعَ عَلٰى أُمِّهٖ وَخَالَتِهٖ وَعَمَّتِهٖ ۝
یعنی یہ نہایت ہی کبیرہ گناہ ہے۔ تمام برائیوں کی ماں اور اصل ہے۔ جو شخص شراب پیتا ہے، نماز کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنی ماں، خالہ اور پھوپھی کے ساتھ زنا کرتا ہے۔

تو میرے بھائیو! یہ شراب جسے آج کل فیشن سمجھا جاتا ہے، کس قدر بری چیز ہے کہ اس کا بیچنا اور خریدنا بھی سخت گناہ ہے، اس کی فروخت پر بھی پابندی نہیں۔ بلکہ اس کے بنانے اور اس کی درآمد پر بھی پابندی چاہیے۔ تب کہیں اس نجس مشروب کی خرابیوں سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔

زواجر، حصہ: دوم، صفحہ:131 پر ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے:

عَاصِرُهَا وَمُعْتَصِرُهَا وَشَارِبُهَا وَحَامِلُهَا وَالْمَحْمُوْلَةُ إِلَيْهِ وَسَاقِيْهَا وَبَائِعُهَا وَاٰكِلُ عَنْهَا وَالْمُشْتَرِيُّ لَهَا وَالْمُشْرٰى لَهٗ ۝

ترجمہ: بنانے والا اور بنوانے والا، پینے والا اور اٹھانے والا اور جس کے پاس اُٹھا کر لائی گئی ہو اور پلانے والا اور بیچنے والا اور اس کے دام کھانے والا، خریدنے والا اور جس کے

لیے خریدی گئی ہو۔

معلوم ہوا کہ شراب کا بنانا، ٹھیکہ لینا، بیچنا، تباہی کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس موذی شے سے محفوظ رکھے جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

دیکھنے میں تو شراب پینا ایک معمولی اور غیر اہم بات معلوم ہوتی ہے لیکن ہے یہ تمام برائیوں کی جڑ۔ اس طرح کہ شراب پینے سے بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ شہوت غالب آجائے تو زنا کا ارتکاب ہو جاتا ہے، کوئی منع کرے تو لڑائی جھگڑے کا سخت امکان ہوتا ہے اور اسی جھگڑے یا اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لیے شرابی قتل کا مجرم بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

حکایت

زواجر کے صفحہ:128 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے کہ ایک عابد اللہ تعالیٰ کی یاد میں لوگوں سے جدا ہو کر تنہائی اختیار کرتا تھا اور خدا کی عبادت وریاضت میں مصروف ہوتا تھا۔ لیکن شیطان بھی اس کے لیے اپنے مکر کے جال پھیلانے میں مصروف تھا کہ ایک عورت خوب صورت اس پر عاشق ہو گئی اور اسے پھانسنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس عورت نے اپنے خاوند کو اس عابد کے پاس بھیجا کہ اسے بلا لائے اور ایک گواہی کا بہانہ بنایا۔ وہ عابد اس کے خاوند کے ساتھ ہو لیا اور جب اس مکار عورت کے مکان میں داخل ہوا تو خاوند نے دروازے بند کر دیے اور وہ اس مکان میں مقفل ہو گیا۔ اب اس کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے سامنے ایک خوبصورت عورت بیٹھی تھی جس کے پاس ایک لڑکا تھا اور ایک برتن میں شراب تھی۔ جب اس عورت سے عابد نے بلانے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میں نے تمھیں کسی گواہی کے لیے نہیں بلایا۔ میں نے صرف تجھے اپنی محبت کی تسکین کے لیے بلایا ہے کہ تو میرے ساتھ زنا کرے، یا یہ شراب پی لے یا اس لڑکے کو قتل کر دے۔ اگر تو ان کاموں کی تکمیل سے انکار کرے گا تو میں شور کروں گی اور جس مصیبت میں گرفتار ہوگا تجھ پر ظاہر ہے۔ چنانچہ اس عابد نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ ان گناہ کے کاموں میں ایک شراب پینا ہی آسان کام ہے جس سے میرے زہد میں فرق نہ آئے گا۔ یہ سوچ کر اس نے شراب کا پیالہ لے کر پی لیا

جس سے اس میں مدہوشی پیدا ہوگئی اور شہوت غالب آئی اور زنا کا ارتکاب کیا اور پھر اس زنا کے فعل کو چھپانے کے لیے اس لڑکے کو بھی قتل کرنا پڑا۔

تو میرے بھائیو! یہ ہے انجام شراب نوشی کا کہ اس عابد نے جس قدر گناہوں اور ظلم سے بچنے کی کوشش کی تھی شراب نے سب گناہ اسی کے ہاتھ سے کروائے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ شراب کے نشے میں مدہوش رہنے والا اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے آپ کی خبر نہیں ہوتی، کیونکہ اسے نماز اور ذکرِ الٰہی کا خیال کہاں؟

زواجر میں صفحہ:126 پر ابن ابی الدنیا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کے پاس سے گزرا جو شراب کے نشے میں بدمست تھا، اس کی بے ہوشی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں پیشاب کرتا تھا اور اس پیشاب سے وضو کی مانند ہاتھ منہ دھوتا تھا اور پڑھتا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْاِسْلَامَ نُوْرًا وَّالْمَآءَ طَھُوْرًا۔

تو میرے دوستو! یہ شراب نوشی کا اثر ہے کہ پانی اور پیشاب میں تمیز نہیں، تو وہاں اللہ اور نماز کا کہاں خیال؟ اگر وہ نماز پڑھے گا بھی تو بے ہوشی میں ناجائز کلمات کہہ جائے گا جو کفر کا باعث ہوں گے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی ترجمہ: نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہیے۔

یعنی ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے کہ پڑھنے والے کو خود اس بات کی سمجھ نہیں کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ اس سے نماز ساقط نہیں ہو جاتی بلکہ نماز کے لیے ہوش میں آنا ضروری ہے۔ اگر نماز پڑھنے میں نیند کا غلبہ ہو کہ جو پڑھے سمجھ میں نہ آئے تو نماز نہ پڑھے جب تک ہوش میں نہ آجائے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے گندے اور بے ہوش شرابی کی نماز قبول کیسے فرمائے گا جو شراب جیسی نجس چیز پی کر ناپاک ہو گیا ہو۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں صفحہ:317 پر ارشادِ نبوی یوں منقول ہے:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَہٗ صَلٰوۃَ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ

اللّٰہُ عَلَیْہِ فَاِنْ عَادَ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَہٗ صَلٰوۃَ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَاِنْ عَادَ فِی الرَّابِعَۃِ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَہٗ صَلٰوۃَ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ یَتُبِ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَقَاہُ مِنْ نَّھْرِ الْخَبَالِ۔

ترجمہ: جو شخص شراب پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ پس اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ پھر اگر وہ شراب کی طرف لوٹا تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کرتا پھر اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اگر چوتھی مرتبہ لوٹا تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔ اب اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کرتا یعنی توبہ کی توفیق نہیں۔ وہ بلا توبہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اس کو پیپ کی نہر سے پلائے گا۔

ہاں تو میرے دوستو! نشہ آور چیزیں خواہ شراب ہو یا افیون ہو یا بھنگ وغیرہ سب حرام ہیں اور ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ بعض شراب کو برا خیال کرتے ہوں گے لیکن بھنگ اور افیون وغیرہ کو استعمال کرنا ناجائز نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ان کا کھانا، پینا بھی مثل شراب حرام ہے۔

زواجر میں بعض علما سے منقول ہے کہ افیون اور بھنگ شراب سے زیادہ خبیث ہیں۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھنگ اور افیون سے بچنے کا ارشاد فرمایا ہے، کیونکہ یہ انسانی دماغ میں فتور پیدا کرتی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ:320 پر ابوداؤد سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر منشی و مسکر شے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ افیون اور بھنگ بھی نشہ آور اور مسکر ہونے کی وجہ سے اس میں شامل ہیں۔ درمختار میں ہے:

یُحَرَّمُ اَکْلُ الْبَنْجِ وَالْحَشِیْشَۃِ وَرَقُ الْقَنْبِ وَالْاَفْیُوْنَ لِاَنَّہٗ مُفْسِدُ الْعَقْلِ وَیَصُدُّ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ۔

ترجمہ: حرام ہے کھانا جوائن، خراسانی اور بھنگ و افیون کیونکہ یہ عقل کو بگاڑتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز سے روکتی ہیں۔

افیون اور شراب میں فرق شرعی صرف یہ ہے کہ شراب کی شرعی سزا اسّی 80 کوڑے ہیں لیکن بھنگ اور افیون کے استعمال پر حدِ شرعی نہیں بلکہ تعزیر لگے گی کہ جو سزا قاضیِ وقت مناسب خیال کر کے تجویز کرے۔

دوستو! نشہ آور مثلاً شراب وغیرہ پینے والے کا دنیاوی حشر تو آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ دنیا میں اس کے لیے کس قدر خرابی ہے۔ اب ذرا اس کی عاقبت کا اندازہ بھی لگایئے کہ کس قدر ناپاک ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:317 پر مسلم کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ اِنَّ عَلَى اللهِ عَهْدًا لِمَنْ يَّشْرِبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَّسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ ؕ

یعنی ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص نشہ آور شے پئے گا، میں اس کو طینۃ الخبال پلاؤں گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) طینۃ الخبال کیا ہے؟ فرمایا: جہنمیوں کا پسینہ یا دوزخیوں کا پیپ۔

اور بعض روایت میں ہے کہ زانیہ عورتوں کے فرجوں کی پیپ پلائی جائے گی۔ (زواجر، صفحہ:127)

اور مشکوٰۃ، صفحہ:318 پر ترمذی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَلَا قَمَّارٌ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا مُؤْمِنُ الْخَمْرِ ؕ

یعنی والدین کا نافرمان، جوئے باز، احسان جتلانے والا اور شرابی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

شرابی کا منہ قبلے سے پھیر دیا جاتا ہے

زواجر میں صفحہ:132 پر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: جب کوئی شرابی مرجائے اس کو قبر میں دفن کر کے مجھے سولی پر چڑھا دو پھر شرابی کی قبر کھودو۔

اگر اس کا چہرہ قبلہ سے پھرا ہوا نہ پاؤ تو مجھے سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دو۔

دیکھو مسلمانو! شرابی کو کس قدر نجس خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا چہرہ بھی قبلہ رخ کرنے کی اجازت نہیں اور قبر میں اس کے لیے جو عذاب ہے اللہ تعالیٰ اس عذاب عظیم سے سب کو محفوظ رکھے۔

حکایت

زواجر میں صفحہ:133 پر ایک روایت یوں منقول ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا لڑکا فوت ہوگیا، میں اس کو قبر میں دفن کر آیا۔ کچھ عرصے بعد میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ اس کے سر کے تمام بال سفید ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے بچے سے دریافت کیا کہ میں نے تجھے اس حال میں دفن کیا تھا کہ تُو چھوٹا سا تھا لیکن تیرا سر کیونکر سفید ہوگیا۔ تو بچے نے جواب دیا: ابا جان! جب مجھے دفن کیا گیا تو اس کے بعد ایک شرابی کو میری قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ جب وہ قبر میں لایا گیا تو دوزخ کی آگ بھڑکی جس کے بھڑکنے سے کوئی بچہ ایسا نہ رہا جس کا سر سفید نہ ہوا ہو۔

اللہ اللہ! میرے دوستو! یہ ہے شرابی کا انجام۔ اللہ تعالیٰ اس نجس اور ظالم مشروب سے سب کو بچائے۔ (آمین)

حکایت

زواجر میں اسی صفحہ پر ایک اور حکایت یوں بیان کی گئی ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ایک جوان روتا ہوا دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیر المومنین! مجھ سے ایک گناہِ عظیم سرزد ہوا ہے۔ کیا میرے لیے توبہ ہے؟ خلیفہ نے کہا جو گناہ بھی ہے دربارِ خدا عزوجل میں توبہ کرو، وہ قبول کرے گا، کیونکہ وہ تواب الرحیم ہے، عفو وغفور ہے، تیرے گناہ معاف کر کے درگزر فرمائے گا اور وہ کیا جرم ہے جو تجھ سے سرزد ہوا؟

جوان نے کہا: اے امیر المومنین! میں نے کفن چرانے کے لیے چند قبریں کھودیں اور کچھ عیب کی باتیں دیکھیں۔ خلیفہ نے کہا: بیان کر۔ اس جوان نے عرض کیا کہ میں نے ایک قبر کھودی تو دیکھا کہ میت کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہے، یہ دیکھ کر ڈر گیا اور قبر سے باہر نکلا۔ اس پر

کسی نے کہا: اس کے قبلہ سے رخ پھرنے کی وجہ پوچھ، جب میں نے پوچھا: تو آواز آئی کہ یہ نماز کو ہلکا اور معمولی سمجھتا تھا۔ پھر میں نے ایک قبر کھولی دیکھا کہ مردہ بصورت خنزیر ہے اور اس کی گردن میں طوق وزنجیر ہے، میں ڈر کر باہر نکلا تو وہی آواز آئی، میرے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ شراب خور تھا اور بلا توبہ کیے مر گیا، اس لیے اس کو یہ عذاب دیا گیا ہے۔

پھر اس جوان نے عرض کیا: میں نے ایک اور قبر کھودی تو دیکھا کہ میت آگ کی میخوں سے بندھا ہوا ہے اور اس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر خوف زدہ ہوا اور قبر سے باہر نکلا تو وہی آواز آئی کہ اس مردے کی سزا کے بارے میں پوچھو، تو میں نے کہا: یہ میت کیوں اس عذاب میں مبتلا ہے؟ آواز آئی: یہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور یہ چغل خور بھی تھا، اس لیے اسے یہ سزا دی گئی ہے۔ پھر ایک اور قبر کھودی تو اس میں دیکھا کہ مردے کو آگ لگی ہوئی ہے، باہر نکلنا چاہا تو پھر وہی آواز سنائی دی کہ اس مردے کے بارے میں بھی دریافت کر۔ چنانچہ میں نے اس مردے کا حال پوچھا، تو جواب ملا کہ یہ نماز کا تارک تھا۔

اس کے بعد اس جوان نے ایک اور قبر کا حال بیان کیا کہ اس قبر کی مٹی ہٹا کر دیکھا تو قبر کو بہت وسیع پایا، تاحدِ نظر کنارہ نہ تھا۔ وہ قبر نور یزدانی سے روشن و منور تھی۔ میت ایک تخت پر محو خواب تھا۔ عمدہ اور نفیس قسم کا لباس زیب تن تھا، اس کے چہرے سے نور ایمان فروزاں تھا۔ مجھ پر اس کی ہیبت اور رعب کا اثر ہوا، میں نے حسب سابق اس مرد خدا کے بارے میں بھی دریافت کیا، تو آواز آئی کہ یہ وہ شخص ہے جس نے جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کی اور برے کاموں سے بچا اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتا رہا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب خور کے لیے سزا رکھی ہے اور وہ کسی صورت اس سے بچ نہیں سکتا۔ جب تک کہ سچے دل سے تائب نہ ہو۔

میرے دوستو! اس وقت موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور شراب پینے والے حضرات تہ دل سے توبہ کریں تاکہ ان کی مغفرت اور نجات کی سبیل پیدا ہو۔ کیونکہ شراب پینے والے کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اگر وہ اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کا فرمانِ گرامی سنے اور اللہ کے خوف سے ڈر کر توبہ کرے اور شراب پینا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو جائے گا، اسے

بخش دے گا اور اس کے لیے جنت کی نعمتیں خاص کر دے گا۔ ورنہ اللہ کا عذاب تو ٹل نہیں سکتا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ایسے توبہ کرنے والوں کے لے بشارت دی ہے:

حَلَفَ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ بِعِزَّتِیْ لَا یَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِیْ جُرْعَةً خَمْرٍ اِلَّا سَقَیْتُهٗ مِنَ الصَّدِیْدِ مِثْلَهَا وَلَا یَتْرُکُهَا مِنْ مَخَافَتِیْ اِلَّا سَقَیْتُهٗ مِنْ حِیَاضِ الْقُدُسِ۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ، صفحہ:318)

ترجمہ: میرے رب عزوجل نے قسم کھائی کہ مجھے اپنی عزت کی قسم! میرا جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیے گا میں اُسے اتنی ہی پیپ پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف سے اسے چھوڑے گا اسے حوضِ قدسی سے پلاؤں گا۔

میرے دوستو! اب توبہ کا وقت ہے۔ کیوں نہ ہم توبہ کریں اور خدا عزوجل اور اس کے پیارے رسول ﷺ سے کیے ہوئے وعدوں کے مطابق خیر حاصل کریں۔ کیونکہ یہ شراب خانہ خراب دنیا اور آخرت میں انسان کی تباہی اور مصیبت کا باعث بنتی ہے۔

شراب پینے والی قومیں سستی اور تساہلی کا شکار ہو جاتی ہیں اور کمزوریِ قلب سے بزدلی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور لوگ خود غرضی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کوئی شراب پینے والی قوم فاتح نہیں ہو سکتی۔ اپنے آباواجداد کو دیکھو۔ جب تک شراب سے متنفر رہے، سارے ہندوستان پر حکمراں رہے، لیکن جب مسلمانوں میں شراب خوری عام ہو گئی، ان کی تباہی لازم ہو گئی۔

انگریز قوم اگر کسی علاقے پر حکومت کر گئی ہے تو صرف اپنی چالوں اور شیاطین سے گٹھ جوڑ کر کے دھوکہ دہی سے۔ کیونکہ انگریز شراب خوروں کے پاس سوائے فریب کاریوں کے اور کچھ نہ تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ انگریز قوم بزدل تھی اور اپنی مکاریوں سے اور جنگی چالوں سے کامیاب ہوتی رہی۔ کیونکہ انگریزوں کو کامیاب بنانے والے مسلمان غدار سپہ سالار ہی تھے یا محکوم ہندو اور دوسرے مذاہب۔

ہاں! تو میں بہت دور جا چکا، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم میں بعض لوگ شراب کو

صحت کے لیے مفید خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو بطور دوا استعمال کرتے ہیں۔

میرے دوستو! شراب میں بالکل شفا نہیں بلکہ شراب ایک وقتی محرک اور مدہوش کرنے والی چیز ہے۔ بالآخر اس کا انجام سب پر عیاں ہے کہ یہ باعثِ تباہی و بربادی ہے۔ طبی نکتۂ نظر سے دیکھیے تو شراب اعصاب کو کمزور کر کے بے ہوشی لاتی ہے اور بار بار کی اس حرکت سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور انسان مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اختلاجِ قلب یعنی دل کی کمزوری کی وجہ بن جاتی ہے۔ شرابی اکثر اوقات حرکتِ قلب بند ہونے سے مرتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ کوئی صورت نہیں کہ شرابی کو کلمۂ طیبہ نصیب ہو۔ پھر شرابی عموماً بلڈ پریشر یا فشارِ خون کے مریض ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی اعصابی بیماریاں ہیں جن کا گنوانا اس وقت ممکن نہیں۔ بس یوں ہی سمجھیے کہ ہمارے آقا و مولا شفیع و شافی محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ایک بیماری اور مرض قرار دیا ہے تو ہم اسے کیونکر دوائی تسلیم کر لیں۔

مشکوٰۃ شریف میں مسلم سے روایت ہے کہ حضرت طارق بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں عرض کیا:

اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَّلٰكِنَّ دَاءٌ

یعنی ہم تو اسے دوا کی غرض سے تیار کرتے ہیں، تو فرمایا: یہ کوئی دوائی نہیں ہے بلکہ یہ تو خود ایک بیماری ہے۔

تو میرے دوستو! دیکھ لو بمطابق فرمانِ نبوی شراب خانہ خراب جو اس قدر برائیوں اور خرابیوں کی فائل ہے، دوا کیسے ہو سکتی ہے۔

حکایت

ذرا دوائی کے طور پر پینے والے کا حال بھی ملاحظہ فرمائیے۔

زواجر میں صفحہ 13 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے: حضرت فضیل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک شاگرد قریب المرگ تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور کلمہ شریف پڑھنے کی تلقین کی تو اس کی زبان نہ چلتی تھی۔ میں نے دوبارہ کلمہ پڑھنے کے لیے کہا تو کہنے

لگا: میرا دل بے زار ہے اور میں کلمہ نہیں پڑھ سکتا۔ (نعوذ باللہ من ذلک) آپ روتے ہوئے باہر نکل آئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد انھوں نے اس شاگرد کو خواب میں دیکھا کہ فرشتے اس کو دوزخ میں گھسیٹ رہے ہیں۔ تو میں نے اس سے پوچھا: وہ تیرا ایمان و صالح اعمال کہاں گئے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ مجھے ایک بیماری لاحق تھی اور میں ایک طبیب کے پاس گیا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ سال میں ایک بار ایک پیالہ شراب پی لیا کرو۔ وہ تمہارے لیے کافی ہوگا۔ ورنہ تمہارا یہ مرض ختم نہ ہوگا۔ لہٰذا مجھے اس مشورے پر عمل کرنا پڑا اور یہ میرے اس عمل کی سزا ہے۔

دوستو! یہ دیکھو دوائی آخرت کے لیے وبال بن گئی۔ اللہ تعالیٰ اس نجاست سے سب مسلمان بھائیوں کو محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

دربیانِ زنا ولواطت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ط وَسَآءَ سَبِیْلًا ○ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:32)

سب سے اوّل اس خالق حقیقی کی درگاہ میں نذرانۂ حمد وثنا لے کر حاضر ہوتا ہوں کہ اس نے انسان کی تخلیق احسن طریقے سے کی اور پھر انسان کی ہدایت اور اس کی ضروریات کی تکمیل کے لیے طرح طرح کے اسباب وسامان مہیا کیے کہ کسی دیگر کی طاقت وقدرت میں ان اسباب کا سمجھنا بھی محال ونا ممکن ہے۔ پھر ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اس ذاتِ باصفات پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب بنالیا اور ہماری ہدایات پر مامور فرمایا۔ کسی قوم یا اُمت کو ایسا رہبر نصیب نہ ہوا، جس نے اللہ کے گمراہ بندوں کو زنا کاری، شراب خوری، غارت گری اور بے حیائی کے برے اور قبیح افعال کی مضرتوں سے آزاد کر کے انھیں مہذب انسانوں کی سی زندگی بسر کرنا سکھایا۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ خود تو زنا کاری اور بے حیائی میں اپنی بہادری خیال کرتے تھے لیکن اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے یا مار ڈالتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قبیح اور بری عادت کو پسند نہ فرمایا اور نوع انسان کی ہدایت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا کہ احکام خداوندی ان تک پہنچائیں اور ان کو اللہ کے عذاب

سے ڈرائیں اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیں۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے جو زنا اور بدکاری سے بچنے کے لیے حکم دیا وہ اس طرح سے ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ط وَسَآءَ سَبِیْلًا ○

یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی ہے اور نہایت بری راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریاتِ زندگی مہیا کر کے پھر اس کی نسل کو بڑھانے کے لیے ایک اہم قاعدہ اور کلیہ بنا دیا جس کے تحت انسان اپنی نسل کو برقرار رکھ سکتا ہے اور برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ پھر انسان کو اختیار دیا کہ دو یا تین یا چار بیویاں بھی بیک وقت اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے مگر ان میں عداوت ومساوات لازم ہے تاکہ ازدواجی زندگی پورے اطمینان سے بسر ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں فرمایا:

فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ○

ترجمہ: نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمھیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار، پھر اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی کرو، یا لونڈیاں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔

جب مالکِ حقیقی نے انسان کو اس قدر رعایت دی ہے اور اتنے اختیارات دیے ہیں کہ چار بیویوں سے بیک وقت اور اس سے بڑھ کر اپنی لونڈیوں سے تعلقاتِ ازدواجی قائم رکھ سکتا ہے تو اس سے زیادہ انسان میں قدرت کہاں تک ہوگی۔

میرے دوستو! آج کل تو انسان میں پانی ملے دودھ یا چائے اور بناسپتی گھی کا اثر ہے کہ جوانی میں ہی گھٹنوں میں درد شروع ہو جاتا ہے اور افیون وشراب کا نشہ کرنے والے یا عیاش لوگوں کی اولاد کہاں تک طاقتور ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی اس حد سے بھی تجاوز کر جائے۔

لطیفہ

ایک شخص کسی ڈاکٹر کے پاس گیا اور اسے علیحدگی میں لے جا کر راز داری کی گفتگو شروع کی کہ میں ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور وہ مانتی نہیں، کہتی ہے کہ تم بوڑھے اور نا اہل ہو۔ اب میں اس پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں یوں کہ مجھ میں ابھی بے پناہ طاقت ہے۔ آپ مجھ پر رحم فرمائیں اور مجھے کوئی ایسی دوائی دیں یا انجکشن لگا دیں کہ رات کو اسے مسخر کر سکوں۔ وہ ڈاکٹر عقل مند تھا، سمجھ گیا کہ وہ اس اقدام سے اس بے حیائی میں برابر کا شریک ہوگا اور اسے گناہ سے بھی باز رکھنا چاہیے تو اس نے اسے ایک مکچر بنا کر پلائی جس میں ایک ایسی دوائی ڈال دی جو اس کی خواہش کے منافی تھی۔ اس طرح وہ رات کو حرام کاری سے محفوظ رہا اور صبح ڈاکٹر کو جا کر کوسنے لگا۔

تو میرے دوستو! آج کل شراب خوری، زنا کاری یا بدکاری ایک فیشن کے طور پر کی جاتی ہے نہ کہ کسی مجبوری کے تحت۔ جب اللہ تعالیٰ نے اتنی رعایتیں دی ہیں تو پھر کیوں نہ پابندی لگائے کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝

(سورۂ مومنون، آیت: 5-7)

ترجمہ: جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں اور باندیوں سے، ان پر ملامت نہیں اور جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں تو وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

میرے دوستو! زنا کرنے والا حد سے گزر جاتا ہے اور بے حیائی پر اُتر آتا ہے، بے شک بے حیائی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور اللہ عزوجل اس شخص پر ناراض ہو جاتا ہے جو زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ:17 پر حضور نبی کریم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ

وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ۝

ترجمہ: زنا کرنے والا جس وقت زنا کرتا ہے، مومن نہیں رہتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے، مومن نہیں رہتا اور شرابی جس وقت شراب پیتا ہے مومن نہیں رہتا۔

جب وہ ایماندار نہیں رہا تو خدا سے دور ہوا اور اسلام سے خارج ہوا۔ بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور شیطان کی پیروی کی کیونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہونے کی وجہ سے انسان کو گمراہ کر کے ہی خوش رہتا ہے۔

ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرما دی ہے کہ شیطان سے بچو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهٗ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۝ (سورۂ نور، آیت: 21)

ترجمہ: اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور جس نے شیطان کی پیروی کی (جان لے کہ) وہ تو بے حیائی اور نامعقول باتوں کی ہی ترغیب دے گا۔

لیکن جو لوگ اللہ کے بتلائے ہوئے راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور شیطان کی پیروی میں ایسا کام کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے نانجار ظالموں پر ناراض ہو جاتا ہے اور ان کو سخت سزا دینے کا حکم فرماتا ہے۔

چنانچہ ایسے بدکاروں کے لیے اٹھارویں پارہ سورۂ نور میں ارشاد فرماتا ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (سورۂ نور، آیت: 2)

ترجمہ: زانی اور زانیہ (غیر شادی شدہ) میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمھیں ان پر ترس نہ آئے اللہ تعالیٰ کے دین میں، اگر تم اللہ اور پچھلے دن (قیامت) پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کی سزا مومنوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں دی جائے۔

لوگوں کے سامنے کھلی کچہری میں ایسی سزا دینے کا حکم اس لیے فرمایا کہ زانی اور زانیہ کو

شرمساری ہو اور دوسرے ناظرین بھی اس سے عبرت حاصل کریں کہ آئندہ ایسے جرم وگناہ کا ارتکاب نہ ہو۔

شادی شدہ مرد اور عورت اگر ایسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انھیں سرے سے ختم ہی کر ڈالنا چاہیے کہ وہ تو قوم کے لیے باعثِ ننگ و بے حیائی ہیں۔ ایسے جوڑے کے لیے حکم ہے کہ انھیں رجم یعنی سنگسار کر کے ختم کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا ۝ (منسوخ التلاوۃ)

یعنی شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں تو انھیں سنگسار کر ڈالو۔

مسلمانو! زنا ایسا بدترین اور قبیح فعل ہے کہ زانی کے وجود کو نہ دنیا میں پسند کیا جاتا ہے نہ آخرت میں برداشت کیا جائے گا۔ یوں تو زنا بہت قبیح فعل ہے لیکن ایسی صورتیں بھی ہیں کہ اس کی قباحت وسزا بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً خاوند والی عورت سے زنا کرنا نہایت قبیح ہے۔ محارم کے ساتھ زنا کرنا بھی بہت قبیح ہے۔

ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا عام عورت سے زنا کرنے کی نسبت دس گنا سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ چنانچہ زواجر، حصہ: دوم، صفحہ: 113 پر مرقوم ہے:

ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: وہ حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام کیا اور وہ قیامت تک حرام رہے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِاَنْ يَّزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشْرَةِ نِسْوَةٍ اَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّزْنِيَ بِامْرَاَةِ جَارِهٖ ۝

(رواہ احمد، زواجر، صفحہ: 113، جلد: 2)

ترجمہ: دس عورتوں سے زنا کرنا اپنی پڑوسی کی ایک عورت کے ساتھ زنا کرنے سے آسان ہے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 16 پر ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: اَنْ تَدْعُوْا لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ ۝ یعنی تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔

عرض کیا: اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ ۝ یعنی اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔

عرض کیا: پھر کون سا گناہ ہے؟ تو فرمایا: اَنْ يَّزْنِيَ خَلِيْلَةَ جَارِكَ ۝ یعنی تو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے۔

دوستو! اس کے بعد اس شخص کے لیے زیادہ قباحت ہے جو باکرہ کی نسبت ثیبہ سے زنا کرے۔ آزاد کو غلام سے زیادہ گناہ ہے اور اسی طرح عالم جاہل کی نسبت زیادہ گناہ کا حامل ہوگا۔ بوڑھا زانی جوان کی نسبت زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

زواجر، حصہ: دوم، صفحہ: 113 پر مرقوم ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِسْكِيْنٌ مُسْتَكْبِرٌ وَّلَا شَيْخٌ زَانٍ وَّلَا مَنَّانٌ ۝

(زواجر، صفحہ: 113، جلد: 2)

یعنی مسکین فقیر متکبر اور بوڑھا زانی اور احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

حدیث پاک میں ہے: اِنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ لَيَلْعَنُ الشَّيْخَ الزَّانِيَ ۝ (زواجر، صفحہ: 113)

یعنی بے شک ساتوں آسمان اور ساتوں زمین بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں۔

طبرانی کی حدیث میں ہے: لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَى الشَّيْخِ الزَّانِيْ وَلَا اِلَى الْعَجُوْزِ الزَّانِيَةِ ۝ (زواجر، صفحہ: 111)

یعنی بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔

مسلمان بھائیو! زنا کی قباحت کا اثر دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور آخرت میں بھی، تو جو عذابِ الیم اللہ تعالیٰ دے گا وہ سب پر عیاں ہے۔

زِنا کرنے والا نہ صرف خود ہی فقیر ہو جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی فقر وغربت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس طرح سے اطرافِ دنیا میں زنا عام ہو جاتا ہے تو دنیا فقر اور غریبی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور قحط پڑ جاتا ہے جیسا کہ فی زمانہ ظاہر ہے۔

زِنا کی نحوست سے عمر ناقص ہوتی ہے، یعنی عمر گھٹتی ہے۔ (زواجر، صفحہ: 111)

زنا نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے، یعنی زنا کے بعد میں تمام سابقہ نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں اور روزِ حساب زنا کے مقابلے میں تمام نیکیاں ہیچ ہوں گی۔

حکایت

زواجر، صفحہ:113 پر بنی اسرائیل کے ایک عابد کی حکایت یوں درج ہے کہ وہ عابد ساٹھ سال تک خدائے عزوجل کی عبادت میں مشغول رہا۔ ایک دن باہر نکل کر دیکھا کہ بارش ہو چکی ہے اور زمین کو اللہ تعالیٰ نے سرسبزی وشادابی عطا کر رکھی ہے۔ وہ اس مسحور کن موسم سے متاثر ہو کر سوچنے لگا کہ اگر میں اس عبادت خانہ سے باہر نکل کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤں تو خوب لطف آئے گا۔ چنانچہ وہ باہر نکل پڑا اور کسی مقام پر بیٹھ گیا۔ سوئے قسمت وہاں ایک عورت بھی آنکلی جو اس عابد کو دیکھ کر اس کے پاس آگئی اور مصروفِ گفتگو ہوئی۔ دورانِ گفتگو اس پر شہوت غالب آئی اور ان سے فعلِ بد یعنی زنا سرزد ہوا۔

اس عابد کے موت کے بعد جب اس کی ساٹھ سالہ عبادت کا وزن کیا گیا تو زنا کا وزن اس عابد پر غالب آ گیا اور اس کی ساٹھ سالہ عبادت زنا کی نحوست سے ضائع ہو گئی۔

زِنا قہرِ الٰہی کو دعوت دیتا ہے، چنانچہ جب عوام میں زنا وبدکاری کی برائی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے کہ کسی کا اس عذاب سے بچنا محال ہو جاتا ہے۔

زانی پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے۔ اس کے چہرے سے نورِ ایمان نکل جاتا ہے اور چہرے کی زیب وزینت اور رونق جاتی رہتی ہے۔ زانی کو اپنے اہل یا اولاد میں سے دنیا ہی میں بدلہ چکانا پڑتا ہے۔

حکایت

مجالس سنیہ، صفحہ:41 پر اور زواجر، صفحہ:115 پر ایک روایت یوں ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک عالم سے سنا کہ زانی یا بدکار کو اپنی بدکاری کا بدلہ اسی دنیا میں اپنی اولاد سے دینا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس بات کی آزمائش کے لیے اپنی ایک خوب صورت بیٹی کو عمدہ لباس وزیورات پہنا کر ایک لونڈی کے ہمراہ شہر میں بھیجا کہ گلی کوچوں میں بے حجاب پھر کر آئے، اگر کوئی نگاہِ بد سے اس

کی طرف دیکھے یا کوئی بری حرکت کرے تو مزاحمت نہ کرے۔ چنانچہ وہ شہزادی شہر میں گئی تو جو کوئی اسے دیکھتا آنکھیں شرم وحیا سے نیچی کر لیتا۔ جب وہ شہر کا چکر لگا کر محل کے قریب آئی تو ایک شخص نے بڑھ کر شہزادی کا بوسہ لے لیا۔ شہزادی نے گھر پہنچ کر سارا معاملہ بادشاہ سے بیان کیا۔ تب بادشاہ نے کہا کہ زندگی میں، مَیں نے صرف ایک بار ایک بیگانی عورت کا بوسہ لیا تھا جس کا بدلہ آج مجھے اپنی بیٹی سے چکانا پڑا۔

تو میرے دوستو! حرام کار کو اس دنیا میں اپنے فعل بد کا بدلہ خود اپنے اہل اولاد سے چکانا پڑتا ہے، خواہ اس کا یہ فعل کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔

حکایت

اسی طرح کی ایک اور حکایت نزہۃ المجالس میں صفحہ:82 پر مرقوم ہے:

ایک زرگر تھا جو زیورات بناتا تھا اور اس کی ایک نیک شریف اور خوب صورت بیوی تھی۔ ان کے یہاں ایک سقّہ تیس سال سے پانی لاتا تھا۔ لیکن اس عرصے میں اس نے کبھی اس بی بی کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ ایک روز جب وہ سقّہ پانی لایا تو اس نے عورت کو دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر واپس چلا گیا۔ جب اس بی بی کا خاوند گھر آیا تو اِس نے اُس سے پوچھا: آج تجھ سے کوئی گناہ تو سرزد نہیں ہوا؟ تو اس نے جواب دیا: ایک عورت نے مجھ سے کنگن خریدے تھے۔ جب میں نے اس کا ہاتھ دیکھا، وہ مجھے اچھی لگی اور میں نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیے۔ اس کی بیوی نے کہا: آج تیرے اس گناہ کا بدلہ تیری بیویوں سے (مجھ سے) لے لیا گیا ہے اور اپنا قصہ بیان کیا۔ دوسرے دن اس ماشکی نے اس بی بی سے معافی مانگی تو اس عورت نے جواب دیا: یہ تیرا قصور نہ تھا بلکہ خود میرے خاوند کی کسی حرکت کا بدلہ تھا جو اسے اِس جہان میں مل گیا۔

دوستو! یہ تھا زانی اور بدکار کا اجر جو اسے دنیا میں مل جاتا ہے۔ اب ذرا ملاحظہ کیجیے کہ آخرت میں اللہ عزوجل جو قہار وجبار ہے، ایسے بدکار لوگوں سے کیا سلوک فرمائے گا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:41 پر ایک روایت میں بتلایا گیا ہے کہ زبور میں درج ہے کہ زانی

مَردوں اور عورتوں کو اُن کے فرجوں سے دوزخ میں لٹکایا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الزُّنَاةَ يُعَلَّقُوْنَ بِفُرُوْجِهِمْ يَغْرِبُوْنَ عَلَيْهَا بَسَاطٌ مِّنْ حَدِيْدٍ ۝ (مجالس سنیہ، صفحہ: 41)

یعنی زانیوں کو اپنی فرجوں سے لٹکایا جائے گا اور ان کی فرجوں پر لوہے کے کوڑے مارے جائیں گے۔

وہ درد وکرب سے جب پکاریں گے اور فریاد کریں گے تو ان کی حالت پر رحم نہ کھایا جائے گا بلکہ فرشتے کہیں گے کہ اب فریاد کرتے ہو اور چیختے ہو۔ بدکاری کرتے وقت خوش ہوتے تھے اور اپنے رب سے حیا نہیں کرتے تھے، اب اس بے حیائی کی سزا بھگتو۔

زواجر، حصہ: دوم میں صفحہ: 112 پر طبرانی کی روایت یوں ہے:

إِنَّ الزُّنَاةَ يَشْتَعِلُ وُجُوْهُهُمْ نَارًا ۝

ترجمہ: بے شک زانیوں کے چہروں میں آگ سلگتی ہوگی۔

یعنی اُن کے چہروں کو آگ جلائے گی اور وہ اس قدر تیز ہوگی کہ ان کے چہروں میں سلگتی ہوئی نظر آئے گی۔

زواجر کے اسی صفحہ پر ایک طویل حدیث درج ہے جس کے راوی سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ فرماتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رات کو میں نے دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور زمین مقدس کی طرف مجھے لے گئے۔ ہم ایک سوراخ کے قریب پہنچے جو تنور کی مانند اوپر سے تنگ اور نیچے سے کھلا تھا۔ اس سوراخ میں آگ بھڑک رہی تھی جس میں کچھ برہنہ مرد اور عورتیں تھیں۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوتے تو وہ مرد اور عورتیں اوپر آجاتے اور جب آگ کی لہر نیچے کو جاتی تو اس کے ساتھ ہی وہ بھی نیچے آگ کے اندر چلے جاتے۔ یہ وہ مرد اور عورتیں تھیں جنھوں نے زنا و بدکاری کا ارتکاب کیا۔ (از مشاہداتِ نبوی ﷺ)

زواجر کے صفحہ: 113 پر ایک روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کا ارشاد ہے کہ محشر کے دن ایک بدبودار ہوا چلے گی جس سے ہر ایک کو تکلیف ہوگی۔ تو ایک آواز آئے گی کہ اے اہلِ محشر! کیا تم کو علم ہے کہ یہ بدبودار اور تکلیف دہ ہوا کہاں سے آرہی ہے؟ عرض کریں گے ہم نہیں جانتے کہ یہ دماغوں کو خراب کرنے والی بدبو کہاں سے آرہی ہے؟ تو جواب ملے گا: یہ بدبو زانیوں کے فرجوں کی ہے، جو بلا توبہ مر گئے تھے۔

اسی کے صفحہ: 114 پر ایک حدیث نبوی میں ارشاد ہے:

إِنَّ مَنْ زَنٰى بِامْرَأَةٍ مُتَزَوِّجَةٍ كَانَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهَا فِي الْقَبْرِ نِصْفُ عَذَابِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فَإِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَحْكُمُ اللهُ تَعَالٰى زَوْجَهَا فِي حَسَنَاتِهٖ ۝ (زواجر، صفحہ: 114)

یعنی بے شک جو شادی شدہ سے زنا کرے گا تو قبر میں اس مرد اور عورت کو اس امت کا نصف عذاب ہوگا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اس زانی کی جملہ حسنات اس عورت کے خاوند کو دے دی جائیں۔

میرے بھائیو! یہ تھا عذابِ الٰہی اُن کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور زنا جیسے فعلِ بد کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بھلا سوچو تو ان لوگوں کا حشر کیا ہوگا جو غیر فطری فعل یعنی لواطت کے مجرم ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد میں جو قوتِ شہوت پیدا کی ہے، اس کا اصل استعمال نسلِ انسانی کو بڑھانا ہے نہ کہ غلط استعمال سے لطف حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ ۝ (سورۂ شعراء، آیت: 165)

یعنی تم عورتوں کو چھوڑ کر مَردوں سے بدفعلی کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمہاری زوجیت کے لیے پیدا کیا ہے، اس طرح تو تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔

قانونِ فطرت کو توڑ کر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھوڑ کر بے راہ روی اختیار کرنا ہر قسم کی مصیبتوں اور آفتوں کو دعوت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ایسی باتوں کو برداشت نہیں کرتا۔

انسانوں کی ایک قوم میں یہ فعلِ بد جب شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو سب سے پہلے اس قوم کی ہدایت کے لیے کوئی ہادی مقرر فرماتا ہے تاکہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ کہنے کی جرأت نہ رہے کہ اسے اس جرم کا علم نہ تھا۔ چنانچہ اس قوم کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۝ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (سورۂ اعراف، آیت:81)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بھیجا آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ ایسی بدفعلی کرتی ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے بھی نہیں کی۔ تم عورتوں کی بجائے مَردوں (لڑکوں) سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے ہو۔

لیکن وہ گمراہ لوگ اس حرکتِ بد یعنی لونڈے بازی سے باز نہ آئے بلکہ اُلٹا لوط علیہ السلام کو دھمکیاں دینا شروع کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں کو بصورت طفلانِ خوبرو لوط علیہ السلام کے گھر بھیجا۔ جب ان بدکردار لوگوں کو علم ہوا تو انھوں نے خوشی خوشی حضرت لوط علیہ السلام کے خانۂ مبارک کا رُخ کیا۔ تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے مہمان ہیں تم اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ تو انھوں نے کہا:

اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

کیا ہم نے تمھیں منع نہیں کیا تھا کہ تم اَوروں کے معاملے میں دخل نہ دیا کرو۔ تو آپ نے فرمایا:

هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ اگر تم چاہتے ہو تو میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کرلو تو وہ نا ہنجار بجائے کسی سیدھی راہ پر آنے کے کہنے لگے:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝

یعنی تجھے علم ہی ہے کہ ہمارا تمہاری ان بیٹیوں پر کوئی حق نہیں اور جس چیز کی تلاش میں ہم ہیں یقیناً آپ کو اس کا علم ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے آپ کی پریشانی کو دیکھ کر فرمایا:

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ ۝

یعنی اپنے گھر والوں میں رات کا کچھ حصہ رہتا ہو تو لے کر تشریف لے جائیں کہ اس قوم کے ادبار کا وقت آپہنچا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر اس صورت میں نازل ہوا جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ (سورۂ حجر، آیت:75)

ترجمہ: پس دن چڑھے انھیں چنگھاڑ نے آلیا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کا حصہ اس کے نیچے کا حصہ کر دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں سمجھ داروں کے لیے۔

دوستو! دیکھا کس طرح سے ان بدکردار لونڈے بازوں کو اللہ تعالیٰ نے نیست و نابود کیا اور ساتھ ہی فرمادیا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝

یعنی سمجھ داروں کے لیے بے شک اس واقعہ میں درسِ عبرت ہے۔

وقت آن پہنچا ہے کہ ہم بھی اس انجام بد کے متعلق سوچیں اور عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ فرمانِ نبوی کے مطابق ہماری قوم میں بھی ایسے لواطت پسند لوگ پیدا ہوگئے ہیں جن کے پیدا ہونے کا خوف حضور نبی کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں صفحہ:312 پر ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اَخَافَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ یعنی مجھے اپنی اُمت میں جس چیز کے پیدا ہونے کا زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (لواطت) ہے۔

چنانچہ آپ نے اس فعلِ بد کے مجرموں پر لعنت فرمائی:

مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:312)

ترجمہ: جس نے لوط علیہ السلام کی قوم والا عمل کیا اس پر لعنت اور پھٹکار ہو۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جو شخص لواطت جیسے قبیح فعل کا مجرم ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کیوں نہ عذابِ عظیم دے گا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:8 پر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد مرد سے بدکاری کرتا ہے تو عرشِ عظیم کانپ اُٹھتا ہے اور ساتوں آسمان عرض کرتے ہیں کہ اجازت ہو تو اے پروردگار! ہم ان پر سنگ ریزوں کی بارش برسائیں اور زمین عرض کرتی ہے کہ اجازت ہو تو اے مالک! میں ان کو نگل جاؤں۔ تب ربّ جبار وقہار ارشاد فرماتا ہے کہ ابھی ان کو چھوڑ دو، میں ان سے جلد حساب لوں گا۔

اے دوستو! یہ اُمتِ محمدیہ ہونے کا صدقہ ہے کہ ابھی تک کوئی قہر وغضبِ الٰہی واضح صورت میں نازل نہیں ہوا اور نہ اس کا وبال ساری قوم پر ہے اور دیکھو کہ اب قوم کن حالات سے دوچار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو عذاب ملے گا اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب مرد مرد کے ساتھ فعلِ بد کرتا ہے تو شیطان بھی ربّ قہار کے عذاب کے خوف سے بھاگ جاتا ہے۔ (نزہۃ المجالس حصہ دوم، صفحہ:80)

مرد یا عورت کی دُبر میں وطی کرنے والا ایک طرح کا مجرم ہے کیونکہ دونوں میں ایک ہی طرح کا فعل ہے اور دونوں قانونِ فطرت کے خلاف ہیں۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:313 پر ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوِامْرَاَۃً فِیْ دُبُرِھَا۔ (رواہ ترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:313)

یعنی جو شخص مرد یا عورت کی دُبر میں وطی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کبھی نظرِ رحمت سے نہیں دیکھتا، یعنی اس پر قہر مسلط ہو جاتا ہے اور وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

ایسے بدکاروں کی زندگی سے اللہ، اس کے رسول اور تمام صحابہ کبار نے بے زاری کا اظہار کیا ہے اور انھیں فوری ختم کر دینے کا حکم فرمایا ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں صفحہ:312 پر ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: اَیْنَ وَجَدْتُّمُوْہُ یَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ

وَالْمَفْعُوْلَ بِہٖ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:312)

یعنی جب کسی کو قوم لوط والا عمل کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: فاعل اور مفعول دونوں کو جلا دو۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ: فاعل اور مفعول دونوں پر دیوار گرا دو، تاکہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:313)

جن بدکرداروں کے لیے دنیا میں بے زاری کا اظہار کیا گیا ہے، آخر ان کے لیے عذاب کی جلدی ہی کی گئی ہے کہ وہ اپنے کردار کا پھل بہت جلد حاصل کر لیں۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:8 پر ایک روایت میں درج ہے:

بے شک جب لوطی توبہ کیے بغیر مرجاتا ہے تو قبر میں خنزیر بنایا جاتا ہے اور ہر روز آگ ستر بار اس کے نتھنوں سے داخل ہو کر دُبر سے نکلتی ہے۔

زواجر، حصہ دوم صفحہ:118 پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یوں درج ہے:

اِنَّ اللُّوْطِیَّ اِذَا مَاتَ مِنْ غَیْرِ تَوْبَۃٍ مَسَخَ فِیْ قَبْرِہٖ خِنْزِیْرًا۔

یعنی بے شک جب لوطی بلا توبہ مرجائے تو قبر میں خنزیر بنایا جاتا ہے۔

نزہۃ المجالس میں اتنا اور زائد ہے کہ آگ ہر روز ستر دفعہ اس کے نتھنوں سے داخل ہو کر اس کی دُبر سے نکلتی ہے۔

میرے دوستو! ذرا عذابِ الٰہی کا مشاہدہ ہو کہ کس طرح ان لوطیوں کو آگ جلاتی ہے۔

حکایت

زواجر میں صفحہ:118 پر اور نزہۃ المجالس میں صفحہ:8 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے:

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک جنگل میں دیکھا کہ ایک شخص کو آگ لگی ہوئی ہے۔ جب اس آگ کو بجھانے کے لیے آپ نے اس پر پانی ڈالا تو وہ آگ ایک خوبرو نوجوان لڑکا بن گئی اور وہ مرد آگ بن گیا اور پھر اس نے اس لڑکے کو جلانا شروع کر دیا۔ اس پر آپ علیہ السلام بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی: یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ مرد اور لڑکا زندہ ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے اس واقعہ کی وجہ دریافت کی۔ مرد نے کہا: یا روح اللہ! میں دنیا میں اس لڑکے پر عاشق تھا اور میری اس محبت میں شہوت نے غلبہ کیا اور میں لواطت کا مرتکب ہوا۔ پھر موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سزا دی ہے کہ کبھی لڑکے کو آگ بنا دیتا ہے جو مجھے جلاتی ہے اور کبھی مجھے آگ بنا دیتا ہے اور میں لڑکے کو جلانے لگتا ہوں اور یہ عذاب ہم پر تا قیامت رہے گا۔ نعوذ باللہ من عذابہ۝

نزہۃ المجالس، صفحہ:8 پر ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لڑکے بارگاہِ ایزدی تعالیٰ میں پیش ہوں گے جن کے بدن پر سر نہ ہوں گے۔ ربّ عزوجل شانہٗ ان سے پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم وہ مظلوم ہیں جن کو ہمارے آبا نے لڑکوں سے بدفعلی کے دوران ان کی دُبروں میں ڈال دیا۔ تو اللہ عزوجل کا غضب جوش میں آئے گا اور فرمائے گا ان لوطیوں کو دوزخ میں ڈال دو اور ان کے چہروں پر لکھ دو کہ یہ ہمیشہ رحمتِ الٰہی سے محروم ہیں۔

دوستو! یہ تو بدلہ تھا بدفعلی کا جو لواطت کا ارتکاب کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہ ختم ہونے والے عذابِ عظیم میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ اب ان صاحبان کا حال سنیے جو شہوت کی نظر سے کسی کی طرف دیکھتے ہیں کہ یہ عمل بھی لواطت و زنا میں شامل ہے اور یہ گناہ و زِنا آنکھوں کا ہے۔

حکایت

تذکرۃ الاولیاء، صفحہ:390 پر ایک حکایت ہے:

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ تو آپ نے فرمایا: حق تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور جس گناہ کا میں نے اقرار کیا ہے اسے بخش دیا مگر ایک گناہ جس کا اقرار کرنے سے مجھے شرم آتی تھی۔ میں اس کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے چہرے کا تمام گوشت اُتر گیا اور وہ گناہ یہ تھا کہ میں نے لڑکپن میں ایک لڑکے کو شہوت کی نظر

سے دیکھا تھا۔

مسلمانو! یہ تو بدلہ ہے ایک نظرِ بد سے دیکھنے کا، بھلا جو برائی کرتا ہے اُس کا حشر کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ آپ خود ہی لگائیں۔

زِنا و لواطت بہر صورت ایک قبیح فعل ہے اور اس کی سزائے دنیوی و اُخروی بے پناہ اور دردناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فعلِ بد سے سب کو محفوظ رکھے اور اس سے دور رہنے اور بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے علاوہ جو لوگ اس فعل قبیح کا آج سے پہلے ارتکاب کر چکے ہیں انھیں صدقِ دل سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ بدکاری کا ارتکاب بے پناہ عذاب و قباحت کو دعوت دیتا ہے اور اس سے بچنا اور دور رہنا باعثِ شرف و دخولِ جنت ہے۔

زواجر میں صفحہ: 115 پر حاکم اور بیہقی سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یَاشَبَّابَ قُرَیْشٍ اِحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ لَا تَزْنُوْا اَلَا مَنْ حَفِظَ فَرْجَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ۝

یعنی اے قریشی جوانو! اپنے فرجوں کی حفاظت کرو، زِنا نہ کرو۔ جان لو! جس نے اپنی فرج کی حفاظت کی اُس کے لیے جنت ہے۔

پھر بخاری شریف کی ایک حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت ان مبارک الفاظ میں دی ہے: مَنْ یَّضْمَنُ لِیْ مَا بَیْنَ لَحْیَیْهِ وَ رِجْلَیْهِ ضَمِنْتُ لَهُ الْجَنَّةَ۝ (زواجر، صفحہ:115، جلد:2)

یعنی جو شخص میرے لیے اپنی زبان اور اپنی فرج کا ضامن ہو جائے گا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔

زواجر کے اسی صفحے پر ایک روایت امام ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث کئی دفعہ بیان فرمائی کہ بنی اسرائیل میں کِفل نامی ایک شخص تھا جو گناہوں سے نہیں بچتا تھا۔ اس نے ایک عورت کو ساٹھ دینار اس

شرط پر دیے کہ وہ اس کے ساتھ زِنا کرے گا۔

جب وہ اس عورت کے ساتھ زنا کرنے کے لیے اس کے قریب ہوا تو وہ کانپنے اور رونے لگی۔ اس پر اس نے کہا کہ تو کیوں روتی ہے؟ میں نے تجھے اس کام کے لیے مجبور تو نہیں کیا۔ تو عورت بولی کہ بات یہ ہے کہ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسا فعل نہیں کیا اور اب بھی کسی حاجت کے تحت ایسا کر رہی ہوں لیکن مجھے خوف آ رہا ہے۔

کفل نے کہا تُو عورت ہو کر ڈرتی ہے۔ مجھے تو زیادہ لائق ہے کہ اللہ سے ڈروں اور اس عورت سے کہا: چلی جاؤ، میں نے جو کچھ دیا معاف کرتا ہوں اور قسم ہے آج کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ چنانچہ جب وہ رات کو سویا تو اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی اور صبح لوگوں نے دیکھا کہ اس کے دروازے پر لکھا ہے: اِنَّ اللّٰہَ قَدْ غَفَرَ الْکِفْلَ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا۔

حکایت

تذکرۃ الاولیاء میں صفحہ:262 پر مرقوم ہے:

حضرت یوسف بن الحسنین رحمۃ اللہ علیہ جو مشائخ کبار میں سے تھے۔ ابھی ابتدائی حالت میں ہی تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلے کے ہمراہ عرب کے ایک قبیلے میں پہنچے۔ چونکہ شباب میں تھے اور صاحبِ جمال تھے۔ اس قبیلہ کے سردار کی لڑکی نے آپ کو بہت پسند کیا اور موقع پا کر آپ کے سامنے آئی۔ آپ کا شباب، جوانی کا وقت، ایک امیر خوبصورت دوشیزہ کی خواہش، یہ دونوں چیزیں آپ کو گمراہ کرنے کے لیے کافی تھیں لیکن اللہ کے خوف سے آپ کانپ اُٹھے اور اس لڑکی سے دور بھاگ گئے اور رات کو کافی دیر تک جاگتے رہے کہ دل میں خوفِ خدا تھا۔ کچھ دیر بعد سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ ایک باوقار اور بزرگ صورت شخص تخت پر سوار ہو کر فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے بتلایا کہ ہم فرشتے ہیں اور تخت پر حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر خدا عز وجل تشریف فرما ہیں۔ ہم سب یوسف

بن الحسنین کی زیارت کے لیے بحکم خدا حاضر ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: میں یہ بات سن کر رو پڑا اور خیال کیا کہ میں کیا چیز ہوں کہ پیغمبر خدا میرے دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ میں اسی خیال میں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام تخت سے نیچے تشریف لائے، مجھے گلے لگایا اور تخت پر اپنے ساتھ بٹھالیا۔ اس پر میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! میں کیا چیز ہوں اور اتنی عزت وتکریم کس لیے ہو رہی ہے؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: امیر کی لڑکی خوبصورت اور جوان تھی۔ جب تیرے پاس اپنی خواہش لے کر آئی تو آپ اس کو چھوڑ کر خوفِ خدا سے بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ حالت مجھ پر اور تمام فرشتوں پر منکشف فرمائی کہ دیکھو یہ میرا بندہ امیر عرب کی لڑکی کی خواہش کو رَد کر کے میری طرف بھاگ آیا ہے، اس کی زیارت کے لیے جاؤ اور میری طرف سے بشارت دو کہ وہ میرا برگزیدہ بندہ ہے۔ سبحان اللہ! ہم سب کو اللہ تعالیٰ اس کارِ بد سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ آج کل بے پردگی، فحاشی اور بے راہ روی کو دعوت دے رہی ہے۔

☆☆☆

دربیانِ حفظِ زبان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ ۝ (سورۂ نسا، آیت:114)

بہت سی پوشیدہ باتوں میں بھلائی نہیں سوائے اس کے کہ صدقے کا حکم دیا جائے یا نیکی کرنے اور لوگوں میں اصلاح کرنے کا امر ہو۔

اللہ تعالیٰ خالق برحق کو ہر قسم کی تعریفیں سزاوار ہیں کہ جس نے انسان کو احسنِ تقویم سے پیدا کیا اور ہر عضو جسم سے حسابِ اعمال لینے والا ہے۔ تو کیوں نہ ہم اس مالک حقیقی کی تعریف میں ہر وقت صبح وشام لب کشائی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے زبانِ انسان کو تسبیح وتہلیل معبودِ حقیقی کے لیے بخشی۔ پھر زبان کا فرض ہے کہ تمام بے ہودہ اور لایعنی باتوں سے لاتعلق ہو کر اپنے محسن اعظم کے گن گاتی رہے یا اس کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق امر بالمعروف اور کارِ خیر واصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ ۝

تو میرے بھائیو! ہم اپنا قیمتی وقت بجائے اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان کرنے کے لایعنی باتوں میں ضائع کرتے ہیں جو ہمارے لیے باعثِ گناہ ہے۔ ہمیں تو اصلاح وخیر کی باتیں کرنی چاہئیں اور بے ہودہ اور ضرر والی باتوں سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:413 پر فرمانِ نبوی ﷺ یوں درج ہے:

مِنْ حُسْنِ الْاِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:413)

ترجمہ: لایعنی باتوں کا ترک کرنا حسنِ اسلام میں شامل ہے۔

خاموشی میں نجات ہے

احمد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: مَنْ سَکَتَ نَجَا ۝ جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:413)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

مُقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:414)

مرد کا خاموشی اختیار کرنا، ساٹھ سالہ عبادت سے (جو کثرتِ کلام کے ساتھ ہو) بہتر ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: مالنجاۃ۔ نجات کس بات میں ہے؟ تو حضور نے فرمایا: املك علیك لسانك ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:413) یعنی اپنی زبان کی حفاظت کر۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ: 370 پر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ تمام اعمال میں کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ تو آپ نے اپنی زبانِ مبارک منہ سے نکالی اور اس پر انگلی رکھ کر فرمایا: خاموشی۔

مشکوٰۃ، صفحہ:311 پر یہ ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عبادتیں دس قسم کی ہیں۔ ان میں سے نو خاموشی میں ہیں اور ایک لوگوں سے بھاگنا ہے۔

دانائی تو یہی ہے کہ انسان خاموشی اختیار کرے کیونکہ خاموش رہنے والا کبھی پشیمان نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ ایسی بات نہیں کہہ پاتا جو ناموزوں ہو اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کوئی بے جا بات کرنے کے بعد پچھتاتے ہیں۔ لہٰذا خاموشی کو دانائی کا لباس خیال کرو۔

حکایت

کیمیائے سعادت میں صفحہ:372 پر ایک حکایت یوں بیان کی گئی ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر اپنی حلال روزی حاصل کرتے تھے اور حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ متواتر ایک سال تک ان کی خدمت میں حاضر ہو کر انھیں زرہ بناتے دیکھتے رہے۔ دل میں کئی دفعہ خیال آیا کہ اس صنعت کے بارے میں دریافت کریں کہ کیا چیز بنائی جارہی ہے؟ مگر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتے کہ اس سوال سے کوئی فائدہ نہیں حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے خود ایک روز بتلا دیا کہ یہ جنگ وحرب کے لیے ایک مفید لباس ہے۔ تب حضرت لقمان نے کہا کہ واقعی یہ ایک بہتر چیز ہے۔

ہاں، میرے بھائیو! میں عرض کر رہا تھا کہ لا معنی باتوں سے ہمیں ہر صورت پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ ان کا بھی حساب لیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ بے ہودہ گوئی ہمیں داخلِ جنت ہونے سے روکے۔

کیمیائے سعادت، صفحہ: 372 اور نزہۃ المجالس، صفحہ: 118 پر ایک حدیث یوں رقم ہے: ایک نوجوان اُحد کی جنگ میں شہید ہو گیا اور بھوک کی وجہ سے اس کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اس کی ماں نے اس کے چہرے سے خاک جھاڑتے ہوئے کہا: هَنِيْئًا لَكَ الْجَنَّةَ۔ تجھے جنت مبارک ہو۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اس شخص کی ماں! تجھے کیا علم ہے؟ لَعَلَّهٗ كَانَ يَتَكَلَّمُ فِيْ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔ ممکن ہے اس نے کوئی بے معنی بات کی ہو۔

فحش کلامی سے ممانعت

دوستو! زبان کو فحش کلامی سے پاک رکھنا بھی بیحد ضروری ہے کہ یہ ذہن کو گندہ کرنے کا سبب ہے اور فحش کلامی کرنے والے کا حشر دوزخیوں کے ساتھ ہوگا۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ: 275 پر ایک روایت میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فحش کلامی کرنے والے پر جنت حرام ہے اور دوزخ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کے منہ سے پلیدی نکلے گی جس کی گندگی اور بدبو سے تمام اہلِ دوزخ بیزار ہو کر فریاد کریں گے کہ یہ کون ہے؟ تو کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فحش کلامی کرتے تھے اور فحش باتوں کو پسند کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص دنیا میں فحش کلامی کرے گا قیامت کے دن وہ کتے کی شکل میں ہوگا۔

(کیمیائے سعادت، صفحہ:215)

نعوذ باللہ من ذالك۔ اللہ تعالیٰ اس سزائے عظیم سے سب کو محفوظ رکھے۔

لعنت کرنے کی ممانعت

تیسری چیز جس سے زبان کو روکنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی زبان سے کسی چیز پر خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان حیوان ہو یا انسان لعنت نہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا۔ (مشکوٰۃ) یعنی مومن لعنت نہیں کرتا۔

ملعون سے دور رہنے کا حکم

کیمیائے سعادت، صفحہ: 375 پر ایک واقعہ یوں درج ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی معیت میں سفر کے دوران ایک عورت نے ایک اونٹ پر لعنت کی۔ چنانچہ حضور نے اس اونٹ کو ننگا کر کے قافلے سے باہر نکال دینے کا حکم دیا کیونکہ وہ اونٹ ملعون ہو چکا تھا۔ عرصے تک وہ اونٹ اِدھر اُدھر پھرتا رہا اور کوئی شخص اس کے قریب نہ گیا۔

مسئلہ

کسی معین چیز یا شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں، البتہ جس کی موت کفر پر یقینی واقع ہوئی ہو، جیسے فرعون، شداد یا ابوجہل وغیرہ۔ اس پر لعنت جائز ہے یا کافروں، فاسقوں اور جھوٹوں

پر حکمی طور پر لعنت کی جاسکتی ہے۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:275)

یادر ہے کہ اگر وہ شے جس پر لعنت کی جائے لعنت کے قابل نہیں تو لعنت، لعنت کرنے والے پر واقع ہوجاتی ہے۔ مشکوۃ میں صفحہ:412 پر ترمذی کی روایت ہے:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّهٗ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهٗ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ ۝

یعنی اگر کوئی شخص کسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی اہل نہ ہو تو وہ لعنت اس پر لوٹ آتی ہے۔

مسلمانو! کسی پر لعنت کرنے سے زبان کو روکو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:375 پر ایک روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی پر لعنت کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

يَا اَبَابَكْرٍ! صِدِّيْقٌ وَلَعَنْتَ لَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ۝ صِدِّيْقٌ وَلَعَنْتَ لَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ۝

ترجمہ: اے ابوبکر! تو صدیق ہے اور تو نے لعنت کی ہے، تجھے سزاوار نہیں تھا۔ قسم ہے پروردگارِ کعبہ کی تو صدیق ہے اور تو نے لعنت کی ہے۔

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عمل سے توبہ کی اور اس کے کفارے میں ایک غلام آزاد کیا۔

چوتھی چیز جس سے زبان کو بچانا ضروری ہے وہ غیبت ہے جس کا ذکر پچھلے وعظ میں بیان کیا جاچکا ہے۔

استہزا کی ممانعت

پانچویں چیز جس سے زبان کو پاک رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ کسی بھائی کی آواز کی نقل نہ اُتاری جائے اور نہ ہی اس کے ساتھ ٹھٹھا کیا جائے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ۝ (سورۂ حجرات، آیت:11)

ترجمہ: کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اُڑائے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔

جو دوسروں کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں بے شک قیامت کے دن ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا، کیونکہ یہ دل آزاری اور مایوسی پیدا کرنے کا عمل ہے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:376 پر ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

جو لوگ دوسروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں اور ان کی ہنسی اُڑاتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن بہشت کا دروازہ کھولا جائے گا اور ان کو داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا لیکن وہ داخل نہ ہوسکیں گے اور واپس لوٹ جائیں گے۔ پھر بہشت کا دوسرا دروازہ کھول کر ان کو بلا جائے گا۔ جب وہ قریب آئیں گے تو وہ بھی بند ہوجائے گا۔ اسی طرح ان کے ساتھ چند بار کیا جائے گا، حتیٰ کہ وہ ناامید ہوجائیں گے اور پھر جب ان کو بلایا جائے گا تو وہ نہ آئیں گے کیونکہ وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا جارہا ہے۔ یہ ان کے استہزا کی سزا ہوگی جو وہ دنیا میں لوگوں کے ساتھ کرتے رہے تھے۔

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی کی گوز نکلنے پر مت ہنسو کہ جو فعل انسان خود کرتا ہے، اگر وہ دوسرے سے صادر ہوجائے تو اس میں ہنسی اُڑانے کی کوئی وجہ نہیں۔

وعدہ خلافی کی ممانعت

دوستو! چھٹی چیز جس سے زبان کو بچانا ضروری ہے وہ جھوٹا وعدہ ہے، کیونکہ جھوٹا وعدہ کرنا منافقوں کا کام ہے اور مسلمان کو ہر حال میں ایفائے عہد کی کوشش کرنی چاہیے۔

مشکوۃ میں صفحہ:17 پر فرمانِ نبوی ہے جس میں منافق کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ:

اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ ۝

ترجمہ: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

نزہۃ المجالس، حصہ دوم میں ایک روایت درج ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کسی شخص نے عرض کیا: آپ اس جگہ تشریف رکھیں میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ چنانچہ آپ اسی

کے انتظار میں کھڑے رہے تا کہ وعدہ خلافی نہ ہو۔ لیکن وہ شخص نہ آیا حتیٰ کہ پہلا، دوسرا اور تیسرا سال بھی گزر گیا، اس وعدہ وفائی سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدح فرمائی:

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ۚ بے شک وہ وعدے کے سچے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت ایک شخص نے کی اور وعدہ کیا کہ میں فلاں جگہ آپ کے پاس حاضر ہوں گا لیکن اس کو اپنا وعدہ یاد نہ رہا اور وہ دو دن تک مقام موعود پر نہ پہنچا۔ تیسرے دن وعدہ یاد آنے پر اچانک مقام موعود پر پہنچا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ منتظر ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے شخص! میں تیرا تین دن سے یہاں انتظار کر رہا ہوں اور تم نے مجھے سخت تکلیف دی ہے۔

جھوٹی قسم یا جھوٹ بولنے کی ممانعت

ساتویں چیز جس سے زبان کو روکنا از حد ضروری ہے وہ جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسمیں کھانا ہے، کیونکہ جھوٹے پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے۔ اللہ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۚ جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

ملعون اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوتا ہے اور رزق میں جھوٹ بولنے سے کمی ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص بار بار جھوٹ بولتا ہے اس کا نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے اور فرمایا کہ جھوٹ رزق کو کم کر دیتا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تجّار فاسق ہیں اور گنہگار ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا بیع حلال نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تاجر چونکہ بیع کے وقت جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، اس لیے وہ فاجر ہیں۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:381)

نزہۃ المجالس، حصہ دوم، صفحہ:9 پر تاجروں کے متعلق ترمذی کی ایک روایت درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ ۚ

یعنی سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے

ساتھ ہوگا۔

مومن جھوٹ نہیں بولتا

کیمیائے سعادت میں صفحہ:381 پر ایک روایت منقول ہے کہ حضرت عبداللہ جراد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا مومن بھی زنا کرتا ہے؟ فرمایا: شاید کر بیٹھے (آنکھوں کا زِنا دیکھنا ہے) پھر عرض کیا: کیا مومن جھوٹ بولتا ہے؟ تو فرمایا: نہیں۔ اور یہ آیت دلیل کے لیے پڑھی: يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

جھوٹ بولنا ان ہی لوگوں کا شیوہ ہے جو مومن نہیں۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عامر سے یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک چھوٹا سا لڑکا کھیلنے کے لیے جا رہا تھا کہ میں نے کہا، آؤ میں تمھیں کوئی چیز دوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے، پوچھنے لگے: کیا دو گے؟ میں نے عرض کیا: کھجور۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تم کھجور نہ دیتے تو تمہارے نامۂ اعمال میں جھوٹ لکھا جاتا۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:381)

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے جھوٹ کو اس قدر ناپسند فرماتے ہیں کہ کسی جانور کے پکڑنے کے لیے بھی دھوکہ دہی کو بُری بات خیال کرتے ہیں۔

حکایت

نزہۃ المجالس میں صفحہ:119 پر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت منقول ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے زمانے میں ایک محدث کے پاس حدیث کا درس حاصل کرنے کے لیے گئے۔ اتفاق سے اس محدث کی گھوڑی بھاگ گئی تو وہ گھوڑی کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا اور چادر کی اس طرح جھولی بنالی جیسے اس میں کوئی چارہ ہو۔ گھوڑی چارہ سمجھ کر واپس آگئی اور پکڑ لی گئی۔ امام صاحب نے اس محدث سے پوچھا کہ آپ کی جھولی میں کوئی چارہ وغیرہ تھا؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں، یہ تو محض گھوڑی کو پکڑنے کا بہانہ تھا۔ اس پر امام صاحب نے کہا: میں رسولِ اکرم صادق و امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ کا درس کسی ایسے شخص سے نہیں لینا چاہتا جو جانوروں سے جھوٹ بولتا ہے۔

حکایت

نزہۃ المجالس کے اسی صفحہ: پرایک اور حکایت یوں لکھی ہے:

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جو اللہ تعالیٰ کے اکابر اولیا میں سے تھے، ایک استاد سے علم نحو کا درس حاصل کرنے کے لیے گئے۔ اُستاد صاحب نے کہا پڑھو: ضَرَبَ زَیدٌ عَمراً (زید نے عمر کو مارا) تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کیا واقعی زید نے عمر کو مارا؟ اس پر استاد نے کہا: مارا تو نہیں یہ تو ایک مثال ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: میں ایسے علم کو نہیں پڑھتا جس کا آغاز جھوٹ سے ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُهْلِکُ ۝

صداقت نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

واقعی جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے اور جوں جوں انسان جھوٹ بولتا ہے برائیوں پر دلیر ہوتا جاتا ہے اور اسے ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے کئی اور جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ ایک جھوٹ سو جھوٹ بلواتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جھوٹ کی برائیوں سے محفوظ رکھے کہ یہ واقعی ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتا ہے اور انسان گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سچ بولا جائے تو گناہ کے کام کس طرح انجام پا سکتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے کہ سچ بولنے والے کو اپنے گناہوں کا اقرار کرنا پڑے گا اور اسے اپنے ان گناہوں کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی اور اگر وہ سزا سے بچنا چاہے تو اسے جھوٹ بولنا پڑے گا۔

نزہۃ المجالس میں ایک روایت صفحہ: 119 پر یوں درج ہے:

ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! مسلمان ہونا چاہتا ہوں اور مجھ میں بہت سی برائیاں ہیں۔ ان برائیوں کو ایک دَم نہیں چھوڑ سکتا۔ میں زِنا بھی کرتا ہوں۔ شراب بھی پیتا ہوں۔ چوری کی بھی عادت ہے اور جھوٹ بھی بولتا ہوں۔ آپ مجھ پر رحم فرمائیں اور اجازت دے دیں کہ میں ان کو ایک

ایک کر کے ترک کر سکوں۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم جھوٹ کو چھوڑنے کا وعدہ کرتے ہو؟ اس نے جانا کہ یہ تو ایک معمولی سی بات ہے، عرض کیا: ہاں، وعدہ کرتا ہوں کہ جھوٹ نہیں بولوں گا اور چلا گیا۔

اب اس نے اپنی عادت کے مطابق جب زِنا کا ارادہ کیا تو سوچا کہ دربارِ رسول میں جب میں حاضر ہوں گا تو زِنا کے متعلق سوال ہوگا۔ اگر سچ بولا تو حد شرعی جاری ہوگی اور سزا ملے گی اور اگر جھوٹ بولا تو وعدہ خلافی ہوگی، لہٰذا وہ زِنا کے ارادے سے باز آیا، پھر شراب کا ارادہ کیا تو وہی خیال دل میں پیدا ہوا اور سزا کے خوف سے شراب بھی نہ پی سکا اور چوری کرنے کا وقت آیا تو رات کو پھر وہی خیال آیا کہ سچ بولا تو ہاتھ کٹ جائیں گے اور جھوٹ میں وعدہ خلافی ہے۔ چنانچہ وہ چوری بھی نہ کر سکا۔ اس طرح جس گناہ کا خیال دل میں آتا، ساتھ ہی اس کے اقرار سے سزا کا خیال آجاتا اور جھوٹ بولنے سے وعدہ خلافی ہوتی تھی، اس لیے وہ ان تمام برائیوں کو ترک کرنے پر مجبور ہو گیا اور راہِ نجات اختیار کی۔

دوستو! واقعی جھوٹ ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور سچ میں ہی نجات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سچ بولنے والے کو پسند فرماتا ہے، اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے، اور اس کی مصیبتوں کو دور فرماتا ہے۔

حکایت

ایک اور حکایت نزہۃ المجالس میں اسی صفحہ پر یوں نقل کی گئی ہے:

پیغمبر خدا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بہت سی بیویاں تھیں۔ ایک رات آپ سب بیویوں کے پاس تشریف لے گئے کہ ہر عورت سے اولادِ صالح پیدا ہو لیکن قدرتِ خداوندی سے صرف ایک عورت سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا صرف ایک پاؤں، ایک ہاتھ اور ایک ہی آنکھ تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یہ دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور اپنے وزیر آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ آپ اور بچے کی والدہ ایک مقام پر اکٹھے ہو کر کوئی سچی بات بیان کریں اور اس سچ کی برکت سے بچے کی صحت کے لیے بحضور

پروردگارِ عالم دعا فرمائیں اور کہا: ان شاء اللہ بچہ، اللہ کے حکم سے صحت مند ہو جائے گا۔
چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ میں مشرق و مغرب
میں بادشاہی رکھتا ہوں اور اللہ کے حکم سے میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں مگر اس کے باوجود
میں ہدیہ کو پسند کرتا ہوں۔ پھر آصف برخیا رحمۃ اللہ علیہ وزیر موصوف نے کہا کہ میں زبان
سے تو کہتا ہوں کہ مجھے وزارت کا عہدہ پسند نہیں لیکن دل میں اس کی خواہش موجود ہے۔ پھر
بچے کی والدہ یوں گویا ہوئیں: اے سلیمان! اگرچہ آپ مشرق و مغرب کے بادشاہ ہیں اور
آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہر نعمت موجود ہے لیکن سفید داڑھی والے ہو۔ اگر
بالکل فقیر ہوتے اور داڑھی سیاہ ہوتی تو اس بادشاہی سے مجھے وہ فقیری زیادہ مرغوب تھی۔ اس
کے بعد ان لوگوں نے اپنے سچ کی برکت سے پروردگار کے حضور دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے
قبول فرمالی اور بچے کے تمام اعضا اللہ عزوجل کے حکم سے درست ہو گئے۔

تو میرے دوستو! دیکھئے سچ میں کس قدر برکت رکھی ہے؟ تو کیوں نہ ہم سچ کو اپنا شعار
بنالیں اور جھوٹ و بہتان سے اپنے آپ کو دور رکھیں:

جانِ بابا راستی را پیشہ کن　　از دروغِ افترا اندیشہ کن

کیا آپ لوگوں کا اس جھوٹے گڈریے کا انجام یاد ہے جو جھوٹ موٹ میں لوگوں کو تنگ
کرنے کے لیے کہتا تھا کہ لوگو! دوڑو شیر آ گیا۔ شیر آ گیا اور میری بھیڑ، بکریاں پھاڑ کر کھا گیا۔
جب لوگ بھاگے بھاگے لاٹیاں وغیرہ لے کر آتے تو کہتا کہ میں نے تو از راہ مذاق ایسا کیا تھا۔
پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے جھوٹ کی سزا دی اور ایک روز سچ مچ ایک بھیڑیا اُدھر
آ نکلا، جس نے اس کی بہت سی بھیڑوں کو ہلاک کر دیا۔ اب وہ درخت پر چڑھ کر پکارتا بھی تھا
تو لوگ اس کو جھوٹ جان کر اس کے قریب تک نہ آئے، اس طرح اس نے اپنے جھوٹ کی
سزا پائی۔

دوستو! جھوٹ کے نقصانات بہت زیادہ ہیں کہ انسان دنیاوی مضرتوں کے علاوہ اللہ
تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور آخرت کے لیے بھی رسوائی کا سامان پیدا کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو اس جھوٹ کی لعنت سے محفوظ رکھے۔

چغل خوری کی ممانعت

آٹھویں چیز جس سے زبان کو بچانا از حد ضروری ہے وہ بدترین عادت چغل خوری کی
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عادتِ بد کو ناپسند فرماتے ہوئے کلام پاک میں سورۂ ویل میں ارشاد
فرمایا ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ کہ تمام چغل خوروں کے لیے خرابی ہے۔
کیونکہ چغل خور فساد کا موجب ہوتے ہیں اور ان میں منافقت پائی جاتی ہے جس کی بنا
پر وہ لوگوں میں لگائی بجھائی کر کے ان میں لڑائی جھگڑے اور فساد کا باعث بنتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ فساد کے سخت خلاف ہے، وہ فرماتا ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:60)
یعنی اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور پیو، زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔
پھر فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں فرماتا۔
کیمیائے سعادت میں صفحہ: 392 پر ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: تم میں سے بدترین شخص وہ ہے جو چغل خوری کرتا ہے۔
ایسا شخص جو چغل خوری سے لوگوں میں فساد پھیلائے واقعی برا ہے، اپنے علاوہ دوسروں
کے لیے بھی وبالِ جان ہوتا ہے اور چغل خور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دوسروں کی دعا بھی قبول نہیں
فرماتا۔

کیمیائے سعادت، صفحہ:213 اور نزہۃ المجالس، صفحہ:127 پر ایک واقعہ یوں درج ہے
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ایک مرتبہ قحط سے دوچار ہوئی تو حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے دعائے استسقا کے لیے اپنی قوم کو جمع کیا اور دعا فرمائی لیکن مستجاب نہ ہوئی اور
بارش نہ ہوئی۔ اگلے روز پھر دعا فرمائی لیکن وہ بھی مستجاب نہ ہوئی۔ چند روز لگاتار دعا کرنے
کے باوجود بارش نہ ہوئی، تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے
کہ میری قوم کی دعا قبول نہیں کی جاتی؟ تو وحی نازل ہوئی کہ: اے موسیٰ! (علیہ الصلوٰۃ

والسلام) ان میں ایک چغل خور ہے جس کی وجہ سے دعا قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی کی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے باری تعالیٰ! بتا، وہ بدبخت کون ہے؟ تاکہ اسے باہر نکال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میں چغل خور کو برا سمجھتا ہوں تو کسی کی چغلی کیسے کھاؤں اور اس شخص کا پتہ کیسے بتلاؤں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ساری جماعت کو حکم دیا کہ سچے دل سے چغل خوری سے توبہ کریں تو دعا قبول ہوسکتی ہے تو سب نے سچے دل سے توبہ کی اور فوراً بارش شروع ہوگئی۔

میرے مسلمان بھائیو! اللہ تعالیٰ سب کو اس بدترین لعنت سے محفوظ رکھے کہ اس کی بے شمار قباحتیں ہیں۔ چغل خوری کے بیان میں ان شاء اللہ اگلے وعظ میں تفصیلاً عرض کیا جائے گا۔ بہرکیف! ہمیں اپنی زبان کو ان برائیوں سے جو میں عرض کر چکا ہوں بچانا چاہیے کیونکہ ہر ایک عضو سے اللہ تعالیٰ سوال فرمائے گا اور یہ اعضائے جسمانی ہی ہمارے خلاف گواہی دینے میں اس وقت بہت ہوشیار ہوں گے۔ کیونکہ اس وقت ان کو پروردگار حقیقی کا حکم ہوگا کہ ہمارے اعمال کی شہادت دیں اور وہ یوم حساب ہوگا۔ یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۂ نور، آیت:24)

یعنی اس روز ہماری زبانیں، ہمارے ہاتھ اور ہمارے پاؤں سب ہمارے اعمال کی گواہی دیں گے۔

تو دوستو! اعضا کو بدی کی بجائے نیکی کی طرف لگاؤ تاکہ آخرت میں رسوا نہ ہونا پڑے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور برائیوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

☆☆☆

اکیسواں وعظ

در بیانِ چغل خوری

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝

(سورۂ قلم، آیت:11)

سب تعریفیں اس خالق و مالک کے لیے سزاوار ہیں کہ جس نے انسان کو عدم سے وجود عطا فرمایا اور پھر عقل و فکر کی دولت سے نواز کر انسان کو افضل المخلوقات بنایا اور پھر انسان کو قوتِ گویائی عطا فرمائی کہ اپنا مدعا کہہ سکے اور اپنی زبان سے پروردگار کو بوقت مشکل پکارے اور اس کے ذکر و شکر میں لب کشائی کرے۔

ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اس ذاتِ بابرکات پر جسے خالقِ حقیقی نے انسان کی ہدایت و نجات کے لیے مامور فرمایا اور تمام مخلوقات کے لیے رحمت قرار دیا۔ پچھلے بیان میں عرض کر چکا ہوں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی سے نوازا ہے، اس لیے زبان کا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے خالق حقیقی کی ناشکری میں مبتلا نہ ہو۔

ایک بہت ہی قبیح اور منحوس عادت ہے جس سے زبان کو آلودہ ہونے سے بچانا نہایت ضروری ہے، وہ چغل خوری ہے۔ جس سے اُلفت و محبت کا رشتہ ختم ہوجاتا ہے، نفاق اور دشمنی کی بنیاد پڑتی ہے اور جس سے گھر خاندان بلکہ قوم میں سکون کھو بیٹھتی ہیں۔

چغل خور کی تعریف

چغل خور وہ ہے جو اپنے قول یا فعل سے لوگوں میں نفاق اور عداوت پیدا کرنے کے لیے کسی کو متہم کرے یا وہ کسی کی راز کی بات بیان کرے کہ جس سے اشتعال پیدا ہو اور

منافرت پھیلے حتیٰ کہ قتل وغارت گری وقوع میں آئے۔ یہ تو تعریف تھی ہماری زبان میں، اب ذرا ملاحظہ ہو کہ اللہ عزوجل نے ایسے خسیس کی تعریف کن الفاظ میں کی ہے۔ کلام پاک میں انتیسویں پارہ سورۂ قلم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ (سورۂ قلم، آیت:11)

یعنی بہت طعنے دینے والا جو چغلیاں لگاتا پھرتا ہے بھلائی سے روکنے والا اور حد سے بڑھ کر گنہگار، سخت مزاج اور اس پر طرّہ یہ کہ وہ حرام زادہ ہے۔

واہ واہ! خود اللہ تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں بیان فرمادیا ہے کہ چغل خوری اور طعنہ زنی ایسے شخص کا کام ہے جو حرام زادہ ہے کہ اس کی اصل میں خطا ہے اور اسی حرام زدگی کی بنا پر بھلائی نہیں چاہے گا بلکہ گنہگار ہوگا اور لوگوں کو چغل خوری سے گناہوں کی طرف راغب کرے گا۔

چغل خور حرام زدہ ہے

احیاء العلوم، جلد سوم، صفحہ:151 پر مرقوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زنیم حرام زادہ کو کہتے ہیں اور اس آیت مبارک میں اشارہ ہے کہ جو کوئی کسی کی راز کی بات ظاہر کرے اور چغل خوری کرے، وہ حرامزدہ ہے۔

میرے بھائیو! اس سے بڑھ کر حرامزدگی اور کیا ہوگی کہ دو دوستوں میں جدائی پیدا کی جائے یا کسی پر تہمت لگائی جائے، لوگوں کا سکون برباد کر کے ان کے دلوں میں محبت اور الفت کی بجائے منافرت وعداوت کا بیج بویا جائے۔ ایسے خسیس انسان کو جو قوم کے اتحاد واتفاق کو ختم کر کے منافرت اور دشمنی پیدا کرے اور اپنے سادہ لوح بھائیوں کو تباہی اور ہلاکت کی طرف بلائے بھلا کون پسند کرے گا۔ ایسے شخص کو نہ اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ

الْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ ۝ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ، صفحہ:415)

عبدالرحمٰن بن غنم اور اسما بنت یزید سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب ان کا دیدار کیا جائے تو خدا یاد آجائے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی کھاتے پھرتے ہیں، دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں اور پاک لوگوں کو مشقت اور ہلاکت کی طرف بلاتے ہیں، یعنی وہ نیک اور پاک لوگوں پر تہمت لگا کر انھیں مصیبت اور ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

ایسے خطرناک لوگوں کا وجود چونکہ انسان کے لیے باعثِ ہلاکت ہے اور نفاق و عداوت کا موجب ہے، اس لیے چغل خوروں کا قلع قمع از حد ضروری ہے بلکہ انسان کا فرض ہے کہ اگر کسی کو ایسی عادت میں دیکھے تو اسے روکے اور اسے اس کی اس حرکت کا نقصان سمجھائے اور اسے اس کی دنیوی اخروی سزا سے بھی آگاہ کرے۔

چغل خور فاسق ہے

کیمیائے سعادت میں صفحہ:394 پر مرقوم ہے:

ایک شخص نے کسی دانا سے کہا کہ آپ کا فلاں دوست آپ کے حق میں یوں کہتا ہے جو نازیبا ہے۔ تو اس دانا نے کہا: اے بھائی! تو بہت دیر کے بعد مجھ سے ملنے آیا ہے اور اس ملاقات میں بجائے کوئی خوشی پیدا کرنے کے تو نے تین قباحتیں کی ہیں جو قابل رنجش ہیں:

پہلی یہ کہ تو نے ایک بھائی کو میرے دل میں برا ٹھہرایا۔ دوسری یہ کہ میرے دل میں دُکھ پیدا کیا۔ تیسری یہ کہ اپنے آپ کو فاسق ومفتری ٹھہرایا۔

چغل خور کو کوئی پسند نہیں کرتا

چغل خور کی عادت چھڑانے کے لیے ضروری ہے کہ چغل خور کو اعلیٰ مضرتوں سے آگاہ کیا جائے اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے اور اسے یہ بھی بتلا دیا جائے کہ چغل خور کو کوئی پسند نہیں کرتا اور اس ناپسندیدگی کی وجہ سے اس کو کوئی ملازمت مستقل نہیں مل سکتی۔ حتیٰ کہ رزق میں

چغل خوری کمی کا سبب ہے اور سوسائٹی میں چغل خور کا کوئی مقام نہیں، اسے آخر ذلیل وخوار ہونا پڑتا ہے۔

حکایت

احیاء العلوم میں صفحہ:54 پر ایک واقعہ یوں مرقوم ہے:

ایک شخص ایک غلام کو فروخت کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: لوگو! اس شخص میں کوئی عیب نہیں صرف یہ کہ یہ شخص چغل خور ہے۔ اس کی برائی کو کوئی پسند نہ کرتا تھا اور کوئی خریدنے کے لیے تیار نہ تھا لیکن شومئ قسمت ایک صاحب نے یہ سوچ کر کہ یہ ایک معمولی سی بات ہے، کوئی بڑا عیب نہیں، اس غلام کو خرید لیا اور گھر لے آیا۔ اب دیکھئے اس چغل خور غلام نے اپنی حرامزدگی سے کیا گل کھلایا۔

ایک دن اس غلام نے اپنے آقا کی بیوی سے کہا: تیرا خاوند! تجھے ہرگز پسند نہیں کرتا اور وہ ایک لونڈی خریدنے والا ہے جو نہایت خوبصورت ہے۔ لہٰذا اس عورت کو اس بات کی تشویش ہوئی اور اسے اپنا خیر خواہ سمجھ کر پوچھنے لگی: کیا کوئی بات تیری سمجھ میں آتی ہے۔ جس سے میرا خاوند اس اقدام سے باز آجائے۔ اس پر اس خسیس نے کہا: کیوں نہیں، تم ایسا کرو جب تمہارا خاوند سو جائے، اس کی داڑھی کے چند بال استرے سے اُتار لینا اور میں ان بالوں پر کچھ جادو منتر پھونک دوں گا کہ وہ تیرا شیدا ہو جائے گا اور کبھی کسی کا خیال بھی دل میں نہ لائے گا۔ بیوی کو یہ سبق دیا اور ادھر خاوند سے کہا کہ تیری بیوی کسی پر عاشق ہے اور تجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ذرا ہوش سے رہنا۔ اگر اس بات کی تصدیق چاہیے تو آنکھیں بند کر کے لیٹ جانا، تاکہ سوئے ہوئے دکھائی دو، پھر سب حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

چنانچہ رات کو مرد نے سونے کا بہانہ کیا لیکن جاگتا رہا اور اس چغل خور کی تجویز کے مطابق عورت استرہ لے کر آئی اور داڑھی کے بال لینے کے لیے خاوند کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مرد جو پہلے سے عورت کے مقابلے کے لیے تیار تھا فوراً اُٹھ کر کھڑا ہوا اور عورت کو قتل کر ڈالا۔ کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ عورت اسے قتل کرنے کے لیے آئی ہے۔ عورت کے ورثا کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اسے ناحق قتل کیا گیا ہے تو انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً مرد کو ہلاک

کر دیا۔ اس طرح سے عورت کے قبیلے والوں اور مرد کے خاندان میں کشمکش شروع ہو گئی۔
(کیمیائے سعادت، صفحہ:394، نزہۃ المجالس، صفحہ:124)

دوستو! یہ ہے ایک چغلی کا نتیجہ کہ مرد بھی مارا گیا اور عورت بھی مر گئی، پھر دو خاندانوں میں کشمکش شروع ہو گئی۔ سوچو تو بھلا چغل خوری معمولی سی بات ہے یا بہت بڑی تباہی کا سبب۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسے معمولی خیال کریں گے وہ تباہی کی طرف گامزن ہوں گے۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے چغل خور کے لیے ویل یعنی خرابی کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہمزہ میں ارشاد ہے: وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ

بڑی خرابی ہے ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے اور طعنہ دینے والا ہو۔

تفسیر کبیر میں ہے: هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ کئی طور پر ہیں: هُمَزَةٍ غیبت کرنے اور لُّمَزَةِ عیب جوئی کرنے والا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے: **ھمزہ** چغل خور اور بھائیوں میں لڑائی ڈالنے والا اور **لمزہ** عیب جوئی کرنے والا ہوتا ہے۔

ابو زید کہتے ہیں کہ **ھمزہ** ہاتھ کے اشارے سے عیب جوئی کرنے والا اور **ھمزہ** زبان سے کہنے والا اور **لمزہ** عیب جوئی کرنے والا ہوتا ہے اور اسی کے قریب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

ابو عالیہ کہتے ہیں کہ منہ پر کہنا **ھمزہ** اور پیٹھ پیچھے کہنا **لمزہ**۔ ایک قول ہے کہ **ھمزہ** باعلان کہنا اور **لمزہ** باخفا و اشارۂ چشم و ابرو اور یہ بھی کہا گیا کہ **ھمزہ** وہ ہے جو آدمیوں کے ایسے لقب رکھے جسے وہ برا جانے اور اگر میم کو سکون کے ساتھ پڑھا جائے تو مسخرا کے معنوں میں آتا ہے۔

غرض ان سب اقوال کا مطلب ہے طعن وعیب، چغل خوری، دل آزاری اور کسی کی بے عزتی کرنا، یا دو بھائیوں یا آزاد میں لڑائی ڈالنا اور ایک بات دوسرے سے کہہ کر رنج پیدا کرنا، نقلیں اُتارنا، قہقہے لگانا، ہنسی اُڑانا یا آوازے کسنا وغیرہ یہ ساری عادتیں کفار اور منافقین میں پائی جاتی تھیں۔

لیکن افسوس کہ ایسی تمام عادات مسلمانوں نے اپنالیں اور ہر مجلس میں دوسرے پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے اور لچّے اور شہدے امیروں کو ہنسانے اور خوش کرنے کے لیے یہ وطیرہ اپنائے ہوئے ہیں۔

یہ بہت بداخلاقی اور کمینہ پن ہے کہ سامنے بیٹھ کر تو میٹھی میٹھی باتیں کی جائیں کہ سننے والے اسے اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھیں اور پس پشت برائی کی جائے جسے چغل خوری کہتے ہیں اور یہ فسق کی علامت ہے۔

حکایت

احیاء العلوم، جلد سوم، صفحہ:15 پر مرقوم ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے کسی کی چغلی کھائی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو جھوٹ کہتا ہے تو اس آیت کے مثل ہے: اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ اور اگر تو نے سچ کہا ہے تو تجھ پر یہ آیت صادق آتی ہے: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ۔ اگر تو چاہے تو توبہ کر، اس شخص نے اپنے اس گناہ پر توبہ کی اور معافی کا خواستگار ہوا۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:411 پر بخاری اور مسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِيْ يَاْتِيْ هٰٓؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَّهٰٓؤُلَآءِ بِوَجْهٍ۔

یعنی قیامت کے دن دورویہ شخص کو جو ایک جماعت کے پاس ایک طریقہ سے آتا ہے اور دوسروں کے پاس دوسرے طریقے سے، بدترین لوگوں میں سے پاؤ گے۔

تو میرے دوستو! ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت دونوں میں رسوائی رکھی ہے اور ایسا فسق وفجور کو پسند کرنے والا شخص بھلا جنت میں جانے کا حق کیسے رکھ سکتا ہے، جب کہ وہاں فسق وفجور کا نام بھی نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسے مفسد شخص کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد یوں ہے: عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:411)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ

فرماتے سنا: چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

چغل خور کو اللہ تعالیٰ نے جنت سے محروم کر کے اسے عذاب الیم کا حق دار ٹھہرایا ہے اور اس کے لیے ویل کی سزا منتخب فرمائی ہے۔ وہ حقیقت میں اسی سزا کا مستحق ہے۔

درمنثور کی چھٹی جلد میں مرقوم ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ جب معراج کے لیے تشریف لے گئے تو دوزخ میں ایک جماعت دیکھی جو پستانوں کے بل لٹکی ہوئی تھی۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا۔ تو انھوں نے عرض کیا: یہ چغل خور مرد اور عورتیں ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔

چغل خور کے لیے عذابِ قبر

چغل خوری چونکہ ایک بہت قبیح فعل ہے اور اس سے نفاق اور دشمنی کا بیج بویا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو اس امر کا مرتکب ہو کبھی اور کسی حال میں معاف نہیں کرتا۔ نہ صرف اسے جنت سے دور رکھا جائے گا بلکہ قبر میں بھی اس کے لیے عذاب ہوتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:42 پر ایک حدیث رقم کی گئی ہے جس کی روایت بخاری اور مسلم دونوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کی ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک دفعہ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ان قبر والوں پر عذاب ہورہا تھا۔ حضور نے فرمایا: اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ۔

یعنی ان دونوں قبروں کے صاحب کو عذاب ہورہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب میں نہیں۔ بلکہ ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔

چغل خور یتیم سے زیادہ ذلیل ہے

دوستو! چغل خور اپنی عادتِ بد سے لوگوں میں منافرت پھیلاتا ہے اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے اور اس طرح سے لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کے خواب دیکھتا ہے یا اپنا کوئی دنیوی مطلب نکالنے کے لیے ایسی حرکت کرتا ہے۔ لیکن جب

اس کی قلعی کھل جائے تو اندازہ لگائیے کہ اس کے لیے کس قدر رُسوائی اور ذلت کا مقام ہوگا اور آئندہ ایسے ذلت پیشہ چغل خور کو کوئی منہ نہ لگائے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص سات کوس کی مسافت طے کر کے ایک دانا کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ آسمان سے بھاری بھی کوئی چیز ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ کسی پر بہتان لگانا حالانکہ وہ بے گناہ ہو، آسمان سے بھی زیادہ بھاری ہے۔ پھر پوچھا: پتھر سے سخت کون سی شے ہے؟ تو اس دانا نے کہا: کافروں کا دل اور اس بات کے جواب میں کہ آگ سے زیادہ گرم کون سی چیز ہے؟ بتلایا کہ حسد اور حرص آگ سے زیادہ گرم ہے۔ نیز بتلایا کہ چغل خور یتیم سے زیادہ ذلیل ہے۔ (احیاء العلوم، صفحہ:154، جلد سوم)

اللہ تعالیٰ چغل خور کو ناپسند فرماتا ہے

احیاء العلوم میں صفحہ:135 پر ایک حدیث بیان کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چغلی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، وہ دوسروں کے لیے باعث عذاب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک دفعہ قحط پڑا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو لے کر دعا کے لیے نکلے اور بارش کے لیے دعا کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے پروردگار عالم! تو اس دعا کو کیوں قبولیت کا شرف نہیں بخشتا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری دعا اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ ان دعا کرنے والوں میں ایک چغل خور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ الٰہی! وہ کون ہے کہ میں اس مجرم کو باہر نکال دوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں چغل خوری کو ناپسند کرتا ہوں اور چغلی کھانے سے منع کرتا ہوں تو یہ کیونکر ہو کہ میں کسی کی چغلی کروں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ساری قوم کو چغل خوری سے توبہ کرنے کی ہدایت کی، جب سب نے توبہ کی تو بارش ہوگئی۔

تو دوستو! یہ ہے چغلی کرنے کی نحوست کہ اللہ تعالیٰ چغل خوری کی وجہ سے دعا کو رَد فرما رہا ہے اور پھر اس کے توبہ کرنے سے دعا کتنی جلدی قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کا رِبد

سے محفوظ رکھے اور زبان کو اس لعنت سے بچانے کی توفیق فرمائے، بلکہ زبان کے ساتھ کانوں کو بھی چغلی سننے سے محفوظ رکھنے کی توفیق دے کیونکہ چغلی کرنا اور سننا دونوں برابر ہے۔ چغلی سننے والا چغلی کرنے والے کو گویا چغلی کی ترغیب دلاتا ہے کہ اگر وہ روکے تو آئندہ چغلی کرنے سے ممکن ہے کہ چغل خور پرہیز کرے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:394 پر مرقوم ہے کہ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک چغلی کا سننا چغلی کرنے سے زیادہ برا اور قبیح ہے۔ کیونکہ چغل خوری سے مقصود بھڑکانا ہوتا ہے اور چغلی سننے والا اس کو قبول کرتا ہے اور اسے چغلی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کی باتیں تیرے سامنے بیان کرتا ہے، وہ تیری باتیں بھی دوسروں کے سامنے بیان کرے گا۔ اس طرح سے چغلی سننے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اس چغل خور کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ ہمارے خلاف لوگوں کے کان بھرتا پھرے۔

ایک دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ اپنے حبیب کے صدقے ہمیں اس لعنت سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

☆☆☆

بائیسواں وعظ

در بیان فضائلِ ایثار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ○

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط (سورۂ حشر، آیت:9)

ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اُس حبیب لبیب پر کہ جس کے صدقے زمین وآسمان اور دونوں جہان پیدا کیے گئے اور صدقے جاؤں اس کملی والے کے جس نے اپنے پیرو کاروں کو یہ درجہ بخشا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت میں (جو میں نے تلاوت کی ہے) اللہ تعالیٰ ایثار کرنے والوں کا ذکر فرماتا ہے۔ جو اپنی اشد ضرورت کے باوجود دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں۔

ایثار کا مطلب

ایثار کا مطلب یوں سمجھیے کہ آپ کو کسی چیز کی اشد ضرورت ہے کہ اس کے بغیر آپ کا کام نہیں چل سکتا لیکن کوئی دوست یا غریب ضرورت مند ہو کر اس چیز کا سوال کر دے تو بھائی اگر آپ اپنی ضرورت کو سچ مجھ کر اس ضرورت مند کو وہ چیز عنایت کر دیں تو یہ آپ کا ایثار ہے۔

ہاں! تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ○ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ○ اگرچہ انھیں خود ضرورت ہو۔

دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھتے ہیں اس کا نام ایثار ہے اور اسی کا نام قربانی۔

شانِ نزول

جب کفارِ مکہ کو ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت بُری لگی تو وہ مسلمانوں پر سختیاں کرنے لگے اور اللہ کا نام لینے والوں کو مٹانے کی تیاری کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس مدینۃ النبی یعنی اللہ کے محبوب کے شہر کے مسلمان بھائیوں نے اپنے غریب الوطن بھائیوں سے کیا سلوک کیا؟ کس طرح پیش آئے وہ؟ انھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی جائیداد کا آدھا حصہ دے دیا۔ واہ ماشاء اللہ! کیا ایثار ہے، کیا قربانی ہے اور کیسی اپنے غریب الوطن بھائیوں سے محبت ہے۔ جس کے پاس دو مکان تھے اس نے ایک مکان اپنے بھائی کو دے دیا۔ جس کے پاس دو باغ تھے اس نے اپنے مہاجر بھائی کو ایک دے دیا اور یہاں تک کہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں، اُس نے ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کو بخشنے کی بارگاہِ رسول سے اجازت چاہی۔ ماشاء اللہ! یہ ہے ایثار اور قربانی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایثار اور قربانی دیکھ کر اپنے بندوں کا یوں ذکر کیا: وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط

حدیث

ابی حمزہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ یُحِبُّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ○

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان کے لیے وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ماشاء اللہ! کیسا ایثار وقربانی کا حکم ہے، لیکن ہم لوگ اس فرمان سے کوسوں دور ہیں۔ اگر کوئی حاجت مند ہے تو ہمارے دل میں کبھی اس کی امداد کا خیال تک نہیں آیا۔ اگر کوئی صاحبِ ثروت ہے تو اس کی مالداری ہمیں ایک پل نہیں بھاتی۔

دل یہی چاہتا ہوگا کہ یہ مال کسی طرح میرے قبضے میں آجائے، یعنی یوں کہیے کہ دوسروں کی امداد کرنے کی بجائے ہم دوسروں کا مال کھانے کی سوچتے ہیں۔ تو بھائی ہم تو اس

حدیث کے نافرمان ہوئے۔ ہمارا اسلام کہاں اور ہمارا ایمان کہاں؟

ایماندار تو وہ تھے جو حضور ﷺ کی مصاحبت میں رہے اور انھیں ایثار وایمان کی سعادت نصیب ہوئی۔

بکرے کی سری کا واقعہ

ذرا ان بزرگوں کا ایثار بھی ملاحظہ ہو:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بکری کی سری ایک صحابی کے یہاں تحفے کے طور پر آئی۔ انھوں نے دل میں سوچا کہ میرا فلاں بھائی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔ اس لیے وہ سری انھوں نے اس دوسرے بھائی کے گھر پہنچا دی۔ اب اس دوسرے صاحب کے دل میں خیال آیا کہ میرا ہمسایہ زیادہ ضرورت مند ہوگا، اس لیے وہ تیسرے گھر میں پہنچ گئی۔

اب اسی خیال کے تحت وہ سری تیسرے گھر سے چوتھے، پھر چوتھے سے پانچویں اور پھر چھٹے گھر میں اور پھر ساتویں میں پہنچی اور ساتویں گھر والے نے یہی بات سوچ کر وہ سری دوبارہ پہلے ہی گھر میں بھیج دی۔ (تفسیر صاوی، صفحہ:161، عباس سلمہ، صفحہ:38، نزہۃ المجالس، صفحہ:156)

واہ واہ! کیا ایثار ہے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہ وہ ہی سری دوبارہ پہلے گھر پہنچ گئی اور آٹھ گھروں کا طواف کرنے کے بعد پھر اسی صحابی کو مل گئی جس نے پہلے ایثار والی بات سوچی تھی۔

مہمان کی مدارات

مجالسِ سنیہ، صفحہ:38 اور کیمیائے سعادت صفحہ:437 میں درج ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا تو آپ نے اُمہات المومنین سے استفسار فرمایا، معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تو حضور نبی پاک نے مجلس مجاہدین میں اعلان فرمایا:

مَنْ اَکْرَمَ ضَیْفِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةَ دَخَلَهُ الْجَنَّةَ۔

جو آج کی رات میرے مہمان کی میزبانی کرے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

ماشاء اللہ! ایک مہمان کی میزبانی میں جنت مل رہی ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: فداك اُمی و ابی یا رسول اللہ۔ اس مہمان کی میزبانی مَیں کروں گا۔ وہ صحابی اس مہمان کو گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ: اس کی مدارات کرو کہ یہ مہمان، رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ گھر میں بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ وہ کھانا مہمانِ رسول کو پیش کیا اور بچوں کو بھوکا سلا دیا۔ جب مہمان کے ساتھ کھانے بیٹھے تو بیوی نے چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے اسے بجھا دیا تا کہ اندھیرے میں مہمان کو یہی محسوس ہو کہ میزبان میرے ساتھ کھانا تناول کر رہے ہیں اور کہیں مہمان کو پتہ نہ چل جائے اور کھانے سے ہاتھ نہ کھینچ لے۔ واہ، واہ! کتنا خیال ہے مہمان کا۔ صبح جب وہ صحابی دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تمہارے اس عمل کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔

حضرت علی کا ایثار

نزہۃ المجالس میں صفحہ:179 پر درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی تو بنتِ رسول کے شوہر ایک یہودی کے پاس جا کر کچھ صوف لاتے ہیں کہ تین صاع جَو کے بدلے کات دیں گے۔ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے دن کچھ صوف کاتا اور ایک صاع جَو میسر ہوئے، انھیں پیس کر روٹیاں پکائیں اور کھانے بیٹھے تو ایک سائل نے دروازے پر حاضر ہو کر آواز دی: السلام علیکم یا اہل بیت النبی! مَیں اُمتِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک مسکین ہوں۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ اللہ کے لیے مجھے کچھ کھانے کو دیجیے۔ آپ نے سارا کھانا اُٹھالیا اور اسے دے دیا۔ خود روزہ سے رہے، پھر دوسرے روز جب دوسرے صاع جَو سے کھانا تیار کیا اور کھانے بیٹھے تو ایک یتیم نے آواز لگائی اور کہا کہ: اے اہلِ بیت نبوی! میں ایک یتیم اُمتِ مسلمہ ہوں اور مجھے بھوک لگی ہے، کچھ کھانے کو دیجیے۔ تو دوسرے روز والا بھی وہ کھانا اُٹھا کر اس یتیم کو دے دیا اور اس روز بھی روزے سے ہی رہے، یعنی کھانا نہ کھایا۔ تیسرے دن جب روٹیاں تیار فرمائیں تو ایک سائل نے دروازے پر حاضر ہو کر صدا دی کہ: اے اہلِ بیت السلام علیکم! مَیں ایک قیدی ہوں اور بھوکا

ہوں، مجھے کچھ کھانے کے لیے دیجیے۔ آپ نے وہ روٹیاں اُٹھائیں اور اسی طرح اس قیدی کے حوالے کر دیں اور خود پانی پی کر گزارا کیا۔

حضور نبی کریم شاہِ دوجہاں کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دن کی بھوک نے جب بہت نڈھال کیا تو آپ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہ انھیں لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا۔ تو حضور ﷺ نے اُمہات المومنین کے پاس کھانا تلاش کیا مگر کھانے کو کچھ نہ ملا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آکر بھوک کی شکایت کی اور کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضرت حقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں کھجوریں ہیں۔ تو جب یہ سب ان کے یہاں تشریف لے گئے تو وہاں بھی کچھ نہ پایا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ: یہ ٹوکرا لے جاؤ اور فلاں کھجور سے کہو کہ حبیب اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کھانے کے لیے کچھ کھجوریں دے دو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی کیا اور کھجور کو جا کر نبی کریم ﷺ کا پیغام دیا تو اللہ کے حکم سے اس کھجور سے اتنی تر و تازہ کھجوریں گریں کہ سب نے سیر ہو کر کھائیں اور حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت علی کے ایثار سے خوش ہو کر یہ آیت نازل فرمائی: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ (سورۂ انسان، آیت:8)

کھانے کی ضرورت ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلا دیتے ہیں۔

واقعۂ ہجرت

کیمیائے سعادت میں صفحہ:437 اور مجالسِ سنیہ میں صفحہ:9 پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایثار کا ایک اور واقعہ درج ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے اس وقت جب حضور نبی کریم ﷺ حضرت علی کو ہجرت کے وقت اپنے بستر پر لٹا کر چلے گئے کہ لوگوں کی امانتیں واپس کر کے چلے آنا۔

ماشاء اللہ! دشمنوں کی امانتیں بھی واپس کرنے کا کتنا خیال ہے اور انھوں نے مکان کو

گھیرے میں لے رکھا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور ایک کی عمر دوسرے سے بڑی کی، تم میں سے ایسا کون ہے جو اپنی عمر دوسرے کو دے دے۔ تو ہر ایک نے اپنی عمر درازی کی آرزو کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں نہ کیا جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا ہے۔ میں نے اسے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کا بھائی بنایا اور اس نے اپنی جان اپنے بھائی حضور نبی کریم ﷺ پر فدا کر دی کہ آج رات اس خطرے میں اپنے بھائی کی جگہ پر سو رہا ہے۔ تم دونوں جاؤ اور اسے دشمن سے بچاؤ، چنانچہ دونوں فرشتے فوراً آئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت علی کے سرہانے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پائنتی کی طرف کھڑے ہو گئے اور حضرت علی کے ایثار سے خوش ہو کر کہنے لگے:

بَخٍ بَخٍ مَنْ مِّثْلُكَ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ ۝

واہ واہ، اے ابن طالب! تیرے جیسا کون ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تیری ذات پر فخر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے راضی ہو کر یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت:207)

جنگ میں پانی پلانے کا واقعہ

کیمیائے سعادت، صفحہ:438 اور مجالسِ سنیہ، صفحہ:39 اور نزہۃ المجالس، صفحہ:176 پر مرقوم ہے کہ جنگ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے چچا زاد بھائی کو شہدا میں تلاش کر رہا تھا، وہ مجھے اس حالت میں ملا کہ جاں بلب تھا اور پانی مانگ رہا تھا۔ میں نے اسے پانی کا پیالہ دیا، وہ لے کر پینے ہی والا تھا کہ ایک اور زخمی نے پکارا کہ: ہائے پانی! تو میرے چچا زاد بھائی نے پانی نہ پیا اور اشارہ کیا کہ پہلے اسے پانی پلاؤ۔ میں حسبِ حکم پانی اس کے پاس لے گیا اور پانی پیش کیا، وہ پینے والے تھے کہ دوسری طرف سے آواز آئی: ہائے پانی! انھوں نے فرمایا: پہلے اسے پلاؤ، مجھ سے زیادہ پیاسا ہوگا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو وہ جاں بحق ہو چکا تھا۔ میں واپس دوسرے صاحب کے پاس

آیا تو وہ بھی اپنے مالک سے جا ملے تھے۔ پھر میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس لوٹا تو وہ بھی دم توڑ چکے تھے۔

یہ تھا ایثار کہ مرتے وقت بھی اپنی پیاس کی شدّت پر دوسرے کی پیاس کو مقدم رکھنا نہ بھولا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ

مجالس سنیہ، صفحہ:35 پر ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر بیمار تھے۔ تندرست ہوئے تو دوستوں سے مچھلی کے گوشت کی خواہش کا اظہار کیا۔ مچھلی بھون کر پیش کی گئی اور جب کھانے لگے تو ایک سائل نے عرض کیا: میں بھوکا ہوں، اللہ کے لیے کچھ دیجیے۔ آپ نے غلام کو حکم دیا کہ یہ مچھلی سائل کو دے دو۔ غلام نے عرض کیا: آپ نے تو بڑی محبت و خواہش سے مچھلی تیار کرائی ہے، خود کیوں نہیں کھائی اور سائل کو کیوں دے دی؟ تو آپ نے قرآن پاک کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۝ (سورۂ آل عمران، آیت:92)

تم اس وقت تک بھلائی حاصل نہیں کر سکتے ہو جب تک وہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمھیں سب سے پیاری ہو۔

شہد کی بخشش

نزہۃ المجالس، صفحہ:178 حضرت منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت سیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھوڑا سا شہد طلب کیا تو حضرت سیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرے فلاں وکیل کے پاس جاؤ، وہاں شہد مل جائے گا۔ وہ عورت اس کے پاس حسبِ فرمان پہنچی تو اس نے اس عورت کو ایک سیر بیس رطل شہد کے دیے۔ جب حضرت سیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: آپ نے اتنا زیادہ شہد کیوں عنایت فرمایا؟ حالانکہ اس عورت کو تھوڑے سے شہد کی ضرورت تھی تو جواب میں فرمایا: اس عورت نے اپنے مرتبے کے لحاظ سے مانگا تھا اور ہم نے اپنے

مرتبے کے اعتبار سے اسے شہد دیا۔ ماشاء اللہ کیا تمنا ہے کیا بخشش ہے۔

400 دینار کا واقعہ

تفسیر صادی، صفحہ:161 پر درج ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 400 دینار کی ایک تھیلی ایک غلام کو دے کر ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا اور کہا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ غلام حضرت ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ 400 دینار آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ انھیں اپنی ضروریات میں لائیے۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر رحمت فرمائے اور اپنی لونڈی کو بلا کر فرمایا کہ یہ 5 دینار فلاں کو دے آ، اور 7 فلاں کو اس طرح سے سارے دینار وہیں بیٹھے بیٹھے تقسیم کر دیے۔ غلام نے یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غلام کو 400 دینار کی ایک اور تھیلی دے کر معاذ بن جبل کی طرف روانہ کیا اور کہا، دیکھنا کہ وہ اسے کیسے صرف کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ غلام حسب فرمان خلیفہ اسلام و مسلمین حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: خلیفہ نے یہ 400 دینار آپ کے خرچ کے لیے بھیجے ہیں۔ تو معاذ بن جبل نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ امیر المومنین پر رحم کرے اور وہ نقد لے کر اپنی لونڈی سے کہا: اتنے دینار فلاں گھر میں دے آ اور اتنے فلاں گھر میں۔ پھر اسی اثنا میں آپ کی زوجہ محترمہ بھی آ گئیں اور بولیں خدا کی قسم! ہم بھی محتاج اور مسکین ہیں، ہمیں بھی کچھ دیجیے۔ اس وقت آپ کے پاس صرف دو دو دینار باقی تھے۔ اپنی بیوی کی طرف پھینک دیے۔ غلام نے یہ واقعہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر بیان کر دیا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا: لوگ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضروریات پر مقدم جانتے ہیں۔

ایک غلام کا ایثار اور اس کی جزا

کیمیائے سعادت، صفحہ:237 پر مرقوم ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر کر رہے تھے اور ایک باغ میں پہنچے جس کا چوکیدار ایک حبشی غلام تھا۔ اس غلام کا

کھانا آیا، جس میں تین روٹیاں تھیں۔ وہ کھانے لگا تو ایک کتا آیا، کتے نے دُم ہلا کر روٹی کا
سوال کیا تو اُس غلام نے ایک روٹی کتے کے آگے ڈال دی۔ جب وہ کھا چکا تو اسی طرح دُم
ہلاتا تھا پھر دوسری روٹی بھی اس کتے کے آگے ڈال دی۔ جب کتا دوسری بھی کھا چکا تو تیسری
روٹی بھی کتے کے آگے ڈال دی، وہ کتا تینوں روٹیاں کھا گیا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں
نے اس غلام سے پوچھا: تیری روزانہ کی روزی کتنی ہے؟ تو جواب ملا کہ یہی تین روٹیاں۔ تو
میں نے پوچھا: پھر یہ تینوں کتے کو کیوں ڈال دیں؟ اس غلام نے جواب دیا: یہ کتا یہاں کا
نہیں کہیں دور سے آیا ہے۔ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ یہ بھوکا واپس جائے۔ ہم نے پوچھا: اب
تم کیا کھاؤ گے؟ تو اس نے جواب دیا کہ آج میں صبر سے کام لوں گا۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لوگ مجھ کو سخاوت کی وجہ سے پسند
کرتے ہیں لیکن یہ حبشی غلام سخاوت میں مجھ سے بھی آگے نکل گیا۔ پھر آپ نے اس غلام کو
خرید کر آزاد کر دیا اور ساتھ ہی وہ باغ بھی خرید کر اس کی نذر کر دیا۔ اللہ اللہ! یہ ہے ایثار اور یہ
ہے غنا۔ اس ایثار کی برکت ملاحظہ فرمائیے کہ اس غلام کو اس کے بدلے میں کیا ملا۔

سوداگر کی تھیلی کا واقعہ

نزہۃ المجالس، صفحہ: 178 پر ایثار کا ایک اور واقعہ اس طرح درج ہے کہ امام واقدی
رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ تاجر کے پاس قرض لینے کے لیے گئے اور اپنی ضرورت کا تذکرہ کیا۔
اس تاجر کے پاس اس وقت صرف ایک تھیلی تھی جس میں ایک ہزار دینا اور ایک سو درہم
تھے۔ چنانچہ اس نے پوری کی پوری تھیلی امام واقدی کے حوالے کر دی۔ جب آپ تھیلی لے
کر گھر واپس آنے لگے تو ایک ہاشمی نوجوان قرض کے طور پر کچھ رقم لینے کے لیے ان کے گھر
آیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے چاہا کہ کچھ رقم اس میں سے اس ہاشمی نوجوان کو دے دوں تو
میری بیوی نے کہا: تو ایک بار سوداگر کے پاس گیا تو جو کچھ اس کے پاس تھا اس نے تجھے اٹھا
دیا اور اب تیرے پاس رسول اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھنے والا نوجوان آیا ہے تو اسے
ساری رقم کیوں نہیں دے دیتا جو میرے پاس ہے؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے ساری

تھیلی دے دی اور وہ تھیلی لے کر گھر چلا گیا۔ اب وہ سوداگر جس سے میں نے قرضہ
لیا تھا اسی ہاشمی نوجوان کے پاس گیا اور کچھ رقم بطور قرض مانگی۔ اس ہاشمی نوجوان نے وہ تھیلی
اس تاجر کے حوالے کر دی۔ تاجر نے اپنی تھیلی پہچان لی۔

ماشاء اللہ! کیسا ایثار تھا کہ کسی نے بھی اپنے لیے ایک درہم بھی نہ رکھا اور اس ایثار کی
برکت ملاحظہ ہو:

امام برکلی فرماتے ہیں کہ میں یحییٰ برکلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان
کیا۔ جب انھوں نے تھیلی کھولی تو اس میں صرف دس ہزار دینار تھے۔ یحییٰ برکلی رحمۃ اللہ علیہ
نے امام واقدی رحمۃ اللہ سے فرمایا: اس میں سے دو ہزار دینار اس سوداگر کے ہیں۔ دو ہزار
ہاشمی نوجوان کے، دو ہزار تیرے اور چار ہزار تیری بیوی کے۔

ماشاء اللہ! ان دیناروں کو ایثار کی نیت سے رکھنے والوں کی نیت کے مطابق تقسیم کر دیا
ہے۔ یہ ہے دوستو! ایثار اور یہ ہے اس کا اجر۔

تو میرے بھائیو! ہم کو ان واقعات کے سننے کے بعد ان بزرگوں سے ایثار کا سبق سیکھنا
چاہیے اور ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان پر اسی طرح ایثار اور مہربانی کرنی چاہیے جس طرح
ہمارے بزرگوں نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم سب کو خداوند کریم عمل کرنے
کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

تیئسواں وعظ

دربیانِ سماعِ موتیٰ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْكَرِیْمِ ۞

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞
(سورۂ نسا، آیت:69)

سب تعریفیں اس سمیع وبصیر کو سزاوار ہیں جس نے انسان کو ایسی قوتِ سماعت عطا فرمائی ہے کہ بعد از موت بھی دنیا کی باتوں کو اسی طرح سنتا ہے جس طرح اپنی دنیاوی زندگی میں، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور لاکھوں درود اور کروڑوں سلام اس ذاتِ انور پر جو ہمارے مونس و غمخوار اور شافع روزِ جزا ہوں گے۔

دوستو! پچھلے وعظ میں عرض کر چکا ہوں کہ شہدا، انبیا اور اولیا وصدیقین کو موت کا ہاتھ فنا نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ نقل مکانی کر کے اس دنیا سے دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں اور اس دنیا سے ان کا تعلق بدستور قائم رہتا ہے۔ وہ ہمارے کلام وسلام کو سنتے اور جواب دیتے ہیں، ہماری مدد فرماتے ہیں اور ہمیں پہچانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ان دوستوں کے طفیل ان اولیا وانبیا کے پیروکاروں کا بھی انھیں کے ساتھ حشر کرے گا۔ اور یہ اس بات کا بدلہ ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی اطاعت کرتے رہے ہوں۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞
(سورۂ نسا، آیت:69)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت کرے گا، اسے ان لوگوں کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا۔ یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین، کتنے اچھے ساتھی ہوں گے۔

ماشاء اللہ! واقعی کتنے اچھے دوست اور رفیق ہوں گے۔ تمام انبیائے کرام، صحابۂ کرام اور تمام اولیائے کرام میں سے جس کے ساتھ چاہے گا، رہے گا۔

لیکن یہ نیک لوگ تو صاحبِ ادراک ہوں گے، اور قبور میں بھی پکارنے والے کی آواز سننے اور ان کی مدد کے لیے پہنچنے والے صاحبِ عظمت ہوں گے۔ ان کی رفاقت تو صرف ان لوگوں کو ہی حاصل ہو سکتی ہے جو صاحبِ ادراک ہوں اور سننے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ علاوہ ازیں عالمِ برزخ کو عالمِ شہادت سے ایک حد تک لگاؤ رہتا ہے اور وہ عالمِ شہادت سے اطلاع رکھتے ہیں۔ وہ اپنے زائر کو جانتے ہیں اور اس کی آواز کو سنتے ہیں اور پہچانتے ہیں اور ان کے سلام و پیام کا جواب دیتے ہیں۔

مرنے والے کے اِدراک وشعور اور سننے سمجھنے کے بارے میں کئی ایک احادیث نبوی ہیں جو اس بات کی بین دلیل ہیں کہ مرنے والا موت کے بعد بھی سنتا اور سمجھتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ پاک کے قبرستان سے گزرتے تو فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ ۞ (رواہ ترمذی)

اے قبر کے رہنے والو! تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں بخشے، تم ہم سے پہلے آئے اور ہم تمہارے بعد آئیں گے۔

دوستو! پکارا ایسے شخص کو جا سکتا ہے جو سنتا اور جانتا ہو۔ ورنہ ایسے شخص کے ساتھ کلام کرنے کا کیا مقصد جو نہ سن سکتا ہو، نہ سمجھ سکتا ہو۔

ابن قیم لکھتے ہیں: اَلْخِطَابُ وَالنِّدَاءُ لِمَوْجُوْدٍ یَسْمَعُ وَیُخَاطَبُ وَیَعْقِلُ۔
مردہ لوگ اپنے پاس موجود کی پکار اور کلام کو سنتے ہیں مخاطب ہوتے ہیں اور شعور رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اہلِ قبور کو پکارنے اور ان سے یوں مخاطب ہونے کی ہدایت فرمائی ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:254)

اس دیار کے مسلمانو اور مومنو، السلام علیکم! بے شک ہم عنقریب تم سے ملنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے عافیت کے طلب گار ہیں۔

ابن قیم لکھتے ہیں: فَاِنَّ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ لَّا یَسْمَعُ وَلَا یَشْعُرُ وَلَ یَعْلَمُ بِالْمُسْلِمِ مُحَالٌ۔ (کتاب الروح، صفحہ:8)

جو سن اور سمجھ نہیں سکتا اسے مسلمان کا سلام کرنا عبث ہے۔

ابن ابی الدنیا اور صابونی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مَامِنْ عَبْدٍ یَمُرُّ عَلٰی قَبْرِ رَجُلٍ یَعْرِفُهٗ فِی الدُّنْیَا یُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِلَّا عَرَفَهٗ وَرَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔

جو بندہ کسی شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو دنیا میں جانتا تھا، اُس پر سلام دے تو مردہ اس کو پہچانتا ہے اور وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مردے سنتے ہیں:

ابن ابی الدنیا نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: مَامِنَ الرَّجُلِ یَزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْهِ وَیَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَانَسَ وَرَدَّ عَلَیْهِ حَتّٰی یَقُوْمَ۔ (کتاب الروح، شرح الصدور، صفحہ:84)

جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو میت اس سے مانوس ہوتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے، یہاں تک کہ اُٹھے۔

مردہ زندہ سے زیادہ سنتا ہے

دوستو! جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ مردہ سنتے ہیں اور ان سے زیادہ قوتِ سماعت رکھتے ہیں جو زندہ ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں حضور نبی کریم ﷺ نے رؤسائے قریش کی نعشوں سے یوں خطاب فرمایا: یَا فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ یَا فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ اَیَسُرُّكُمْ اَنَّكُمْ اَطَعْتُمُ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا۔

اے فلاں کے بیٹے! تم کو یہ بات خوش کرنے والی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہو، پھر فرمایا بے شک ہم نے اپنے رب کا وعدہ حق پایا۔ کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ حق پایا۔

یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یَارَسُوْلَ اللهِ! صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَّا اَرْوَاحَ لَهَا۔

یا رسول اللہ! (ﷺ) کیا آپ ایسے جسموں سے کلام فرماتے ہیں جن میں روح نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ۔
(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:345)

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے۔ تم ان سے جو میں کہہ رہا ہوں زیادہ نہیں سنتے۔

ابن قیم نے کتاب الروح کے صفحہ:4 پر اسی حدیث سے دلیل حاصل کرتے ہوئے لکھا ہے: ''سلف حضرات کا سماعِ موتی پر اجماع ہے اور آثار تواتر تک پہنچ گئے ہیں کہ میت اپنے زندہ زائر کی زیارت کو جانتا ہے اور اس سے خوشی مناتا ہے۔''

میت جوتیوں کی آواز سنتا ہے

میت ہلکی سے ہلکی آواز سننے کی بھی اہلیت رکھتا ہے اور یہاں تک کہ بمطابق فرمانِ نبی

کریم ﷺ، چلنے والے کی جوتیوں کی آواز بھی مٹی تلے سن لیتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ۝ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:24)

بے شک جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست اس سے واپس ہو جاتے ہیں تو میت ان کی جوتیوں کی آواز سنتے ہیں۔

مردہ سب کی آواز سن سکتا ہے، زندہ اس کی آواز نہیں سن سکتا:

مردہ ہر چیز کی آواز بہ آسانی سن سکتا ہے اور سب کچھ دیکھتا اور سمجھتا ہے لیکن اس کی آواز کو زندہ نہیں سن سکتے۔ صرف اس وجہ سے کہ اگر اس کی آواز کو زندہ سن لیں تو ڈر جائیں اور میت کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہمیں مردے کی آواز سنائی نہیں دیتی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ اِحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِيْ وَاِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ يَا وَيْلَهَا اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَهٗ لَصَعِقَ ۝

(رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:144)

جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، اگر نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے، مجھے آگے بڑھاؤ اور اگر برا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ: ہائے خرابی اس کو کہاں لیے جاتے ہو۔ ہر شے اس کی آواز سنتی ہے مگر انسان کہ وہ سنے تو بے ہوش ہو جائے۔

دوستو! ان احادیث مبارکہ سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ میت کی قوتِ سماعت زندہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور وہ ہر چیز کی ہلکی سے ہلکی آواز کو سنتا اور سمجھتا ہے۔ نیز میت اپنے پکارنے والے کو جانتا اور سنتا ہے اور اس کے کلام و سلام کا جواب دیتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے اس بات کی خاص طور سے تصدیق ہو جاتی ہے کہ میت ہماری

آوازوں کو سنتا ہے اور ہر بات سمجھتا اور جانتا ہے لیکن ہم اس کی بات کو سننے سے قاصر ہیں۔

منکرین کا اعتراض

بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلام پاک کی ان آیات میں کہ: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اس بات کی نفی ہے کہ مردہ لوگ سنتے ہیں، تو لیجیے یہ سنیے:

ان آیات کا مردہ یعنی میت کے سننے سے تعلق نہیں بلکہ یہ آیات ان کفار کے لیے نازل ہوئیں جو ہدایت و نصیحت کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ ان کے کانوں، آنکھوں اور دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے، ان کو مانندِ مردہ قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح مردہ حرکت کرنے سے قاصر ہوتا ہے اسی طرح ان کے دل، آنکھیں اور کان مردہ ہو چکنے کے باعث سننے، دیکھنے اور جاننے کے باوجود ایمان قبول کرنے کی طرف حرکت میں نہیں آئے۔

پھر کفارِ مکہ کو صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ واقعی گونگے تھے یا بہرے تھے یا اندھے تھے، بلکہ ان کی عدم توجہی کو اس بات پر محمول کیا گیا کہ وہ مانند گونگوں کے نہ کوئی جواب رکھتے ہیں، نہ مانند بہروں کے بات کو سُن کر سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور نہ ہی اچھائی برائی کو دیکھنے اور پرکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس کی وجہ ان کی ہٹ دھرمی ہے۔

پھر کفارِ مکہ کے لیے یہ الفاظ بھی کلام پاک میں آئے کہ: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۝

(سورۂ اعراف، آیت:179)

یعنی ان کے دل سمجھتے نہیں اور انھیں ایسے کان دیے گئے ہیں جو سنتے نہیں اور ان کی آنکھیں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ حالانکہ وہ دیکھ بھی سکتے تھے اور سمجھ بھی سکتے تھے لیکن ان کے اعضا کو ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے مفلوج قرار دیا گیا۔ اسی طرح ان کفار کو مردہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مُردوں کی طرح وعظ و نصیحت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

مذکورہ آیات میں بھی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے یہی مراد لی گئی ہے کہ وہ مُردوں کی

طرح آپ کی بات کو سن کر فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔

اس میں سماعِ مطلق کی نفی نہیں بلکہ سماعِ قبول وانتفاع کی نفی ہے۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ تُو میری نہیں سنتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے کانوں تک آواز نہیں پہنچتی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تجھ میں سننے کی طاقت تو ہے لیکن تسلیم نہیں کرتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ ہے کہ:

انسان را بعد از موت ادراک باقی میماند بہ ایں معنی شرع شریف وقواعد فلسفی اجماع دارند۔ اما در شرع شریف پس عذاب قبر وتنعیم قبر بتواتر ثابت است تفصیل آں دفتر طویل می خواہد در کتاب شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی است و دیگر کتب حدیث باید دید ودر کتب کلامیہ اثبات عذاب قبری نمایند حتی کہ بعض اہلِ کلام منکر آں را کافر می دانند وعذاب وتنعیم بغیر ادراک وشعور نمی تواند شد۔

آفریں ہے کہ بالجملہ انکارِ شعور وادراک اموات اگر درالحاد بودن شبہ نیست۔

(تفسیرِ عزیزی، جلد اوّل، صفحہ:88)

علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کے مطلب میں فرماتے ہیں:

'آنست کہ تو نمی شنوائی بلکہ خدائے تعالیٰ می شنواند۔' (اشعۃ اللمعات، صفحہ:400، جلد سوم)

آپ نہیں سنواتے بلکہ اللہ تعالیٰ سنواتا ہے۔

ابن قیم نے ان آیات کا جواب اپنی کتاب 'کتاب الروح' میں یوں تحریر کیا ہے:

اَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۚ سِیَاقُ الْاٰیَةِ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْمُرَادَ مِنْهَا اَنَّ الْکَافِرَ الْمَیِّتَ الْقَلْبَ لَا تَقْدِرُ عَلٰی اَسْمَاعِهٖ اِسْمَاعًا یُنْتَفَعُ بِهٖ وَقَدْ اَخْبَرَ النَّبِیُّ ﷺ اَنَّهُمْ یَسْمَعُوْنَ خَفْقَ نِعَالِ الْمُشَیِّعِیْنَ وَاَخْبَرَ اَنَّ قَتْلٰی بَدْرٍ سَمِعُوْا کَلَامَهٗ وَخِطَابَهٗ وَشَرَعَ السَّلَامَ عَلَیْهِمْ بِصِیْغَةِ الْخِطَابِ لِلْحَاضِرِ الَّذِیْ یَسْمَعُ وَاَخْبَرَ اَنَّ مَنْ سَلَّمَ عَلٰی اَخِیْهِ الْمُؤْمِنِ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ هٰذِهِ الْاٰیَةُ نَظِیْرَةٌ وَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ۚ

مندرجہ بالا عبارت سے صاف عیاں ہے کہ کافر کا دل مردہ ہوجاتا ہے اور وہ قوت

سماعت اسے نفع نہیں دیتی۔ ورنہ مردہ تو اپنے زائر کا سلام وکلام سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بدر کے مقتول بھی جو کافر تھے بقولِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام باتوں کو سنتے اور سمجھتے تھے۔

آخر میں ایک واقعہ سماعِ موتیٰ کے بارے میں بیان کر کے وعظ کو ختم کرتا ہوں۔

ابوالشیخ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ جب وہ مرگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نمازِ جنازہ کے بعد اس عورت سے سوال کیا کہ تو نے کون سا عمل بہتر پایا۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ سنتی ہے؟

آپ نے فرمایا: تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں۔

پھر فرمایا: اس عورت نے جواب دیا ہے کہ: 'مسجد میں جھاڑو دینا بہتر عمل ہے۔'

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:35)

☆☆☆

چوبیسواں وعظ

در بیانِ حیاتِ شہدا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:154)

سب تعریفیں اس خالق باری کے لیے جس نے اپنے چاہنے والوں کو اس رحمۃ اللعالمین کے طفیل اَبدی زندگی بخشی جو زمین وزمان اور مکین ومکان کے مختار ہیں اور بعد وصال بھی ہماری دعاؤں اور نداؤں کو اسی طرح سنتے ہیں جس طرح ہمارے درمیان ہوتے ہوئے سنتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جینے اور مرنے والا موت کے ہاتھ سے فنا نہیں ہوتا بلکہ اسے ابدی زندگی دستیاب ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی ہی نہیں جو صرف احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچانے اور ان پر عمل کرانے اور اس کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے بلکہ اُن کے ادنیٰ غلام اور پیروکار بھی جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کے لیے زندہ رہے، حیاتِ جاوید کے حامل ہیں۔ ان کو موت کبھی نہ فنا کر سکی ہے، نہ کر سکے گی بلکہ وہ زندہ ہیں اور انھیں مردہ کہنا کفر ہے۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ جس کے لیے فرمایا ہے کہ: زندہ ہے مردہ نہ کہو۔ تو ہم احکام خداوندی کو جھٹلائیں گے تو کافر ہو جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:154)

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں! تمھیں خبر نہیں۔

کلام پاک کی اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ موت کا ہاتھ اللہ کی رضا کے لیے اور

اس کے احکام کی اشاعت وحفاظت کی خاطر دنیاوی زندگی کو قربان کر دینے والے کو مار نہیں سکتا بلکہ وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور اسے مردہ کہنا کسی صورت بھی جائز نہیں۔ وہ اسی طرح سنتا ہے جس طرح ہم سنتے ہیں اور وہ ہمارے کلام وسلام کا جواب دیتا ہے۔

شہدا سلام کا جواب دیتے ہیں

طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اُحد سے واپس ہوئے تو حضرت معصب بن عمیر اور ان کے ساتھیوں نے ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر فرمایا: اَشْھَدُ اَنَّکُمْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ اللّٰہِ فَزُوْرُوْھُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَیْھِمْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ اَحَدٌ اِلَّا رَدُّوْا عَلَیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔
(شرح الصدور، صفحہ:84)

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تم اللہ کے پاس زندہ ہو۔ پس ان کی زیارت کرو اور ان پر سلام دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ قیامت تک جو کوئی ان کو سلام کرے گا یہ اس کا جواب دیں گے۔

تو دوستو! اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے کہ ہمیں شہدا اور انبیا و اولیا کی قبور کی زیارت کے لیے جانا چاہیے اور ان پر سلام بھیجنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں اور یہ سنتِ نبوی ﷺ اور سنتِ تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔

بیہقی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب شہدا کی زیارت کے لیے اُحد کی گھاٹی میں تشریف لے جاتے تو بہ آواز بلند فرماتے: سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔ اسی طرح صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تشریف لے جاتے اور ہر سال سلام فرماتے رہے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ ہم شہدا کی قبور پر سلام کے لیے گئے، میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ شام کا وقت تھا۔ میں نے اپنی بہن سے کہا کہ آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر حاضر ہو کر سلام عرض کریں۔ چنانچہ ہم دونوں نے ان

کی قبر مبارک پر کھڑے ہو کر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا عَمَّ رَسُوْلِ اللہِ۔
تو قبر سے آواز آئی: وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللہِ۔ (شرح الصدور، صفحہ: 287)

امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی ہے کہ جمعہ کے دن ایک روز قبل طلوع آفتاب میں اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ سے اُحد کے شہدا کی قبور کی زیارت کے لیے گیا۔ جب ہم مقابر کے پاس پہنچے تو میرے والد صاحب نے بلند آواز میں کہا:

سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔

جواب ملا: وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ یَا اَبَا عَبْدِاللہِ۔

یہ جواب سن کر میرے والد نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور پوچھا کہ بیٹے! تم نے جواب دیا۔ میں نے کہا: نہیں، پھر انھوں نے مجھے اپنی داہنی طرف کر لیا اور ان شہدا کو پھر سلام دیا۔ پھر وہی جواب ملا۔ تیسری دفعہ پھر سلام دیا تو وہی جواب ملا۔ اس پر میرے والد اللہ کے حضور سجدے میں گر پڑے۔ (شرح الصدور، صفحہ: 88)

شہدا کلام کرتے ہیں

دوستو! جس طرح سے شہدا ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں اسی طرح وہ اپنی زبانِ حال سے پکار کر ہمارے سوال کا جواب بھی دیتے ہیں۔

ابن مندہ نے حضرت عبداللہ بن عبید اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگ یمامہ میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔ جب ہم ان کو قبر میں اُتارنے لگے تو ہم نے ان کی زبان سے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر شہید اور حضرت عثمان امین ورحیم ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن جب ہم نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بے جان تھے۔ (شرح الصدور، صفحہ: 92)

زین الدین جوشی کا بیان ہے کہ منصورہ میں مسلمانوں کے ساتھ فقیہ عبدالرحمن نویری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرنگیوں کی قید میں آ گئے۔ اس وقت آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔ (سورۂ آل عمران، آیت: 169)

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور سے ان کو روزی پہنچتی ہے۔

جب حضرت عبدالرحمن نویری رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا گیا تو ایک فرنگی نے آپ سے پوچھا: اے مسلمانوں کے عالم! تو تو کہتا تھا کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور رزق کھاتے ہیں۔ یہ کیسے درست ہے؟ چنانچہ آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا:

حَیٌّ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ۔ حَیٌّ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ۔

ربِ کعبہ کی قسم! میں زندہ ہوں۔ کعبہ کے رب کی قسم میں زندہ ہوں۔

اس فرنگی نے گھوڑے سے اُتر کر آپ کے چہرے کو بوسہ دیا اور غلام کو حکم دیا کہ ان کو اُٹھا کر شہر میں لے چلے۔ (شرح الصدور، صفحہ: 86)

دوستو! شہدا کی حیات یعنی زندہ ہونے کی کتنی اچھی اور واضح مثال ہے کہ ایک شہید زبانِ حال سے پکار کر اپنے زندہ ہونے کی قسم کھاتا ہے۔ ماشاء اللہ۔

شہدا کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا

دوستو! شہدا کو دفن کیا جائے تو ان کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا بلکہ پھول کی طرح تازہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے زخم بھی اسی طرح رہتے ہیں۔

علامہ محقق عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحیح اخبار میں ہے کہ بعض شہدائے اُحد کو چھیالیس سال بعد اُن کی قبروں سے نکالا گیا تو ان کے جسم کلیوں کی طرح تازہ تھے اور یہاں تک کہ ان کے کفن بھی میلے نہ ہوئے تھے۔ ماشاء اللہ! گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہے۔

بعض شہدا نے اپنے ہاتھ اپنے زخموں پر رکھے ہوئے تھے۔ جب ان کا ہاتھ زخم سے اٹھایا گیا تو نیچے سے تازہ خون نکلتا تھا اور جب ہاتھ کو چھوڑا تو خود بخود زخم پر پہنچ گیا۔

دوستو! یہ ہے شان شہدا کی جنھوں نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے صرف کر دی۔

شہدا تلاوتِ کلام پاک فرماتے ہیں

دوستو! شہدا اسی طرح زندہ ہیں جس طرح ہم روئے زمین پر اس دنیاوی زندگی میں

کاروبار انجام دیتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح اپنے مستقر میں نماز ادا کرتے، اللہ تعالیٰ کی
عبادت، ذکرواذکار اور تلاوت کلام پاک کرتے ہیں۔

دلائل نبوت میں سہیلی نے بعض صحابہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک مکان میں گڑھا
کھودا، نیچے ایک تختہ آیا۔ جب اسے ہٹا کر دیکھا تو ایک بزرگ نورانی صورت کو ایک تخت پر
بیٹھے کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے پایا۔ اس بزرگ کے سامنے ایک سبز باغیچہ تھا۔ لیکن
اس کے چہرے پر زخم کا نشان تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ شہدا میں سے ہے۔

شہدا جہاں چاہیں جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ عزوجل نے شہدا کے حق میں فرمایا ہے: بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ۝ وہ اپنے
رب کے نزدیک زندہ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کی ارواح کو جسموں کی قوت عطا
فرما رکھی ہے اور وہ جہاں چاہیں جاتے ہیں اور دنیا کے ضروری اُمور سرانجام دیتے ہیں۔

ابن جوزی کی کتاب عیون الحکایات میں رقم ہے کہ شام کے تین بہادر شہ سواروں کو
رومیوں نے گرفتار کرلیا، کیونکہ وہ بہت بڑے مجاہد تھے۔ روم کے بادشاہ نے ان سے نصرانی
دین اختیار کرنے کو کہا اور اپنی بیٹیوں اور ملک وسلطنت کا لالچ دیا۔ لیکن ان اہلِ ایمان
مجاہدوں نے انکار کر دیا اور دربارِ رسالت سے مدد کے طالب ہوتے ہوئے پکارے یا محمداہ!

اس پر بادشاہ نے زیتون کے تیل کی تین دیگیں آگ پر چڑھا کر تین روز تک انھیں
دیگوں کے پاس لے جا کر نصرانیت کی دعوت دی لیکن وہ اللہ اور اس کے حبیب لبیب کے
شیدائی اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ انھیں نہ کوئی
زن وزر کی لالچ اپنے دین سے پھیر سکتی تھی نہ موت اور دکھ کا ڈر ان کے قدموں میں لغزش
پیدا کرسکتا تھا۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝ وہ خوف و
ہراس سے مبرّا ہیں۔ چنانچہ ان نصرانیوں نے پہلے بڑے بھائی کو دیگ میں ڈال دیا پھر
دوسرے کو لیکن جب تیسرے اور سب سے چھوٹے خوبرو نوجوان کو دیگ میں ڈالنے لگے تو
ایک وزیر نے اس نوجوان کو دین اسلام سے پھیرنے کا بیڑا اُٹھاتے ہوئے بادشاہ سے
عرض کیا: اسے میرے سپرد کر دیا جائے، میری حسین و جمیل بیٹی اسے اپنا مذہب چھوڑنے پر

مجبور کر دے گی۔ کیونکہ عرب عورتوں سے بہت محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسے چالیس دن کی
مہلت دے دی گئی اور لڑکی کو اس مہم کو انجام دینے کا کام سونپ دیا گیا۔ وہ دن رات اس
اللہ کے مجاہد کے پاس رہتی اور اس کو بہکانے کی تدابیر سوچتی رہتی۔ لیکن وہ اللہ کا دوست دن
بھر روزہ رکھتا اور رات ذکرِ الٰہی میں گزار دیتا۔ اس طرح سے چالیس دن کی مدت ختم
ہوگئی۔ نہ ہی اس مجاہد نے کوئی توجہ اس حسینہ کی طرف دی اور نہ ہی وہ حسینہ اس مردِ خدا کو
بہکانے کی کوئی تدبیر کرسکی۔

پھر یہ سوچ کر کہ شاید اسے اپنے بھائیوں کا غم ہو، اس وجہ سے وہ توجہ نہ دے رہا ہو، ان
کو کسی دوسرے شہر میں منتقل کر دیا گیا اور مدتِ مقررہ میں توسیع کر دی۔ مگر اس جوانِ باایمان
کا یہاں بھی وہی حال تھا کہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت الٰہی میں مصروف ہوجاتا۔
جب چند دن مدت کے ختم ہونے میں رہ گئے تو لڑکی نے اس مردمومن کے کردار سے متاثر
ہو کر اس کا دین اختیار کرلیا اور کہا: اے جوان! میں نے تیرے اس عمل کو دیکھ کر تیرے دین کو
پسند کیا۔ چنانچہ میں اپنا دین چھوڑ کر تیرا دین قبول کرتی ہوں اور وہ مسلمان ہوگئی۔ پھر وہاں
سے بھاگ نکلنے کا حیلہ کیا اور ایک سواری حاصل کرکے دونوں وہاں سے چل پڑے۔ وہ ایماندار
اسلام کے دشمنوں سے بچنے کے لیے دن کے وقت چھپ رہتے اور رات کو سفر کرتے تھے۔

ایک رات انھوں نے گھوڑوں کی ٹاپ قریب آتے ہوئے سنی۔ سمجھے کہ دشمن پیچھا کر رہا
ہے لیکن قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس نوجوان کے دونوں شہید بھائی ہیں جن کے ہمراہ
فرشتوں کی ایک جماعت ہے۔ جوان نے ان دونوں کو سلام کرکے ان کا حال پوچھا تو انھوں
نے بتلایا کہ دیگ میں، ہم نے ایک غوطہ سا محسوس کیا۔ ہم سیدھے جنت میں پہنچ گئے اور اب
اللہ عزوجل نے ہمارے سپرد یہ کام کیا ہے کہ تیری اور اس لڑکی کی شادی کردیں۔ چنانچہ انھوں
نے ان کا نکاح پڑھایا، اور واپس ہوگئے اور جوانِ باایمان اپنی دلہن کے ساتھ اپنے ملک
شام میں پہنچ گیا۔ (شرح الصدور، صفحہ:89)

☆☆☆

پچیسواں وعظ

در بیانِ حیاتِ انبیا و شہدا و اولیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت:154)

سب تعریفیں اس خالقِ باری کے لیے سزاوار ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انسان کے لیے بے شمار نعمتیں پیدا کر کے اس کو ان کا مختار بنا دیا اور پھر انسان کو شکر و کفر کا اختیار دیا اور کفر سے بچنے کے لیے اس انسان کی رہنمائی کے لیے اپنے خاص بندے پیدا کیے۔ جنھوں نے اپنے پروردگار کا صحیح معنوں میں شکر ادا کر کے دکھایا۔ وہ اللہ کے بندے ہمیشہ اللہ کے لیے دنیا میں زندہ رہے اور اگر جان دی تو اسی کی راہ میں دی کیونکہ ان کا جسم ان کی جان سب اللہ کی امانت تھی:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو ایسے لوگوں کو موت کا ہاتھ فنا نہیں کر سکتا بلکہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ قرآن کریم کے دوسرے پارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت:154)

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تمھیں اس بات کا

شعور نہیں۔

دوستو! پچھلے وعظ میں کچھ شہدا کی شان میں عرض کر چکا ہوں۔ لیکن اب ان اللہ کے نبیوں کی شان میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جن کی زندگی یعنی حیاتِ نبوی کا مقصد ہی صرف اللہ کی رضا کے لیے اپنی زندگی کو بسر کرنا اور اس کے احکام کو اس کی مخلوق اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ تک پہنچانا اور پھر اس کے حکم پر اپنے فرائضِ نبوت کو پورا کر کے دنیا کی نظروں سے پردے میں چلے جانا تھا۔

دوستو! جس طرح شہدا زندہ ہیں اسی طرح اللہ کے نبی اور اولیائے کرام بھی زندہ ہیں کیونکہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام شہدا سے افضل ہیں۔

مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ جو فرمایا ہے، اس سے مراد ہے کہ ان کے روحوں کو جسموں کی قوت عطا ہے اور وہ جہاں چاہتے جاتے اور سیر کرتے ہیں اور یہ حکم خاص شہدا کے لیے ہی نہیں بلکہ انبیا و صدیقین کے لیے بھی ہے جو شہدا سے افضل ہیں اور اولیاء اللہ بھی شہدا کے حکم میں شامل ہیں کیونکہ انھوں نے نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:75)

اس سے ظاہر ہے کہ انبیائے کرام جو شہدا سے افضل ہیں یقیناً با حیات ہیں۔

آیئے حیاتِ انبیا کے بارے میں فرمانِ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطالعہ کریں۔

انبیائے کرام کی حیات کے بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ انبیائے کرام اپنی قبور میں باقاعدہ عباداتِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ سنتے ہیں اور وقتِ ضرورت ہماری ندا کا جواب دیتے ہیں اور زمین کی مٹی ان کے جسم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

انبیائے کرام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں

ابو یعلیٰ و بیہقی اور ابن مندہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْاَنْبِيَآءُ اَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ ۝ (جذب القلوب، صفحہ:199)

انبیا علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں۔

معراج کے وقت حضور ﷺ کی اقتدا میں انبیا کا نماز ادا کرنا ان کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَیْلَۃَ اَسْرٰی بِہٖ مَرَّ بِمُوْسٰی صَلَوٰتُ اللہِ عَلَیْہِ وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ۔ (شرح الصدور، صفحہ:78)

بے شک حضور اقدس ﷺ شبِ معراج موسیٰ علیہ السلام کی قبرِ انور کے پاس سے گزرے تو آپ قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔

انبیائے کرام فریضۂ حج بھی ادا کرتے ہیں

جس طرح اللہ کے نبی اپنی قبروں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اسی طرح وہ حج کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے خانۂ کعبہ حاضر ہوتے ہیں، جس کی تصدیق ذیل کی ایک حدیث پاک سے ہوتی ہے:

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ثنیہ سے اُتر رہے ہیں اور تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ میں یونس علیہ السلام کو دیکھتا ہوں کہ آپ تلبیہ پڑھتے جا رہے ہیں۔ (جذب القلوب، صفحہ:208)

انبیائے کرام ہماری ندا کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ۔

(مشکوٰۃ، صفحہ:187)

جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو درود شریف دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

سلیمان بن سحیم فرماتے ہیں کہ خواب میں، مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا: یارسول اللہ! جو لوگ آپ کی زیارت کو آتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں، کیا آپ ان کا سلام سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نَعَمْ وَاَرُدُّ عَلَیْھِمْ۔ (جذب القلوب، صفحہ:119)

ہاں سنتا اور جواب دیتا ہوں۔

اسی طرح کی کئی اور مثالیں ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منادی کی ندا کا جواب دیا یا سلام کا جواب دیا۔

ابن نجار نے ابراہیم بن بشار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں ایک سال حج پر گیا۔ جب حج کے بعد زیارت کے لیے روضۂ انور پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو اندر سے آواز آئی۔ وعلیك السلام۔ (جذب القلوب، صفحہ:119)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی آپ کی قبرِ انور پر حاضر ہوا۔ اپنے آپ کو قبرِ انور پر ڈال کر خاک پاک کو سر میں ڈال کر عرض کیا: یارسول اللہ! جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو کچھ آپ نے اللہ سے یاد کیا ہم نے آپ سے یاد کیا اور جو چیز آپ پر نازل ہوئی اس میں یہ آیت بھی ہے: وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ (سورۂ نسا، آیت:64)

بے شک اگر وہ (بندے) اپنی جانوں پہ ظلم کریں پھر (اے محبوب) آپ کے پاس آئیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کے خواست گار ہوں اور رسول بھی ان کے لیے بخشش چاہیں تو ضرور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔ میں نے بھی اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اب تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں، تا کہ آپ میرے حق میں استغفار فرمائیں۔

چنانچہ قبرِ انور سے آواز آئی: قَدْ غُفِرَ لَكَ۔ (جذب القلوب، صفحہ:211)
جا تیری بخشش ہوگئی۔

زمین انبیا کے جسدِ مبارک کو نقصان نہیں پہنچا سکتی

دوستو! انبیائے کرام کے اجساد مبارک کو زمین کی مٹی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ زمین پر حرام ہے کہ ان کے جسم مبارک کو کھائے۔ اس امر کے ثبوت کی دلیل ذیل کی حدیث

مبارکہ سے پیش کی جاسکتی ہے۔

حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ قُبِضَ وَفِیْهِ النَّفْخَةُ وَفِیْهِ الصَّعْقَةُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِیْهِ فَاِنَّ صَلٰوتُکُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ کَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْكَ وَقَدْ اَرَمْتَ قَالَ اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ ۰ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۰

(رواہ ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ والدارمی والبیہقی، مشکوٰۃ، صفحہ:120)

تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن ان کی روح قبض کی گئی اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی میں ہولناک آواز (قیامت) ہوگی۔ لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارا درود کس طرح پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ آپ بوسیدہ ہوگئے ہوں گے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے۔

ہر نبی زندہ ہے اور رزق دیا جاتا ہے

دوستو! جس طرح شہدا کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، اسی طرح انبیائے کرام بھی زندہ ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں سے رزق پاتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان جس کے راوی ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس کی تصدیق اس طرح کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَکْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ یَّشْهَدُهُ الْمَلٰئِکَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللهِ حَیٌّ یُرْزَقُ۰ (مشکوٰۃ، صفحہ:12)

جمعہ کے روز مجھ پر درود شریف کی کثرت کیا کرو۔ کیونکہ یہ دن مشہور ہے اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور بے شک جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے فارغ ہونے سے پہلے اس کا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: موت کے بعد بھی؟ فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ انبیا کے جسموں کو کھائے اللہ کا ہر نبی زندہ ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیا بھی شہدا کی طرح زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں:

''موت کی حالت میں کوئی فرق نہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ اولیا اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ دار فنا سے دار بقا کی طرف قلب مکانی کرتے ہیں۔''

نبی اپنے مرقد میں اذان اور تکبیر کہتے ہیں

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں سب لوگ مدینہ منورہ سے حرہ کی طرف چلے گئے اور مسجد نبوی میں تین دن تک اذان نہ ہوئی۔ میں مسجد شریف میں بیٹھا تھا۔ جب کچھ گھبرایا تو روضۂ اقدس کے قریب چلا گیا ظہر کا وقت ہوا تو روضۂ اقدس سے اذان کی آواز آئی تو میں نے دو رکعتیں ادا کیں پھر اقامت کی آواز آئی تو ظہر کی نماز ادا کی اور وہیں بیٹھا رہا۔ عصر کے وقت پھر اذان اور اقامت کی آواز آئی اور میں نے نماز ادا کی، اسی طرح ہر روز اذان واقامت کی آواز آتی رہی اور میں نماز ادا کرتا رہا۔ حتیٰ کہ تین دن کے بعد جب لوگ اپنے گھروں کو لوٹے اور وقت پر اذان دینے لگے تو روضۂ اطہر سے آواز آنا بند ہوگئی۔

(شرح الصدور، صفحہ:88)

اولیاء اللہ زندہ ہیں

دوستو! جس طرح شہدا جو مجاہد تلوار کے ہوتے ہیں ان کے زندہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اسی طرح اولیا اللہ جو اپنے نفس سے جہاد کرتے ہیں اور رضائے الٰہی کے جویاں رہتے ہیں وہ بھی زندہ ہوتے ہیں اور موت کا ہاتھ انھیں فنا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ وہ جہادِ

اکبر کے بعد اپنے خالق حقیقی سے ابدی زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔
رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔ اسی طرف اشارہ ہے کہ صالحین وصدیقین کا جہاد، جہادِ اکبر ہے۔

اسی جہاد میں وہ موت کو زیر کرلیتے ہیں اور انھیں موت کا کوئی خوف یا ڈر نہیں رہتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

ولی مرتے نہیں بلکہ قلب مکانی کرتے ہیں

بزرگانِ دین کا قول ہے کہ ولی مرتے نہیں بلکہ صرف قلب مکانی کرتے ہیں اور اپنے مستقر میں اسی طرح نماز وعبادت کرتے ہیں اور کلام پاک کی تلاوت فرماتے ہیں یعنی وہ جس طرح دنیا میں اپنے فرائض ادا کرتے رہے اسی طرح ہماری نظروں سے اوجھل ہوکر بھی اپنے فرائض مستقر پر ادا کرتے رہیں: اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَّنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ، صفحہ:169)

اولیا اللہ مرتے نہیں ہیں لیکن دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف قلب مکانی کرتے ہیں۔

چونکہ اولیا اللہ مرتے نہیں اس لیے ان کے مستقر یعنی مقابر پر حاضر ہونے میں ہر طرح کے شرم وحیا کا لحاظ رکھا جائے۔ خصوصاً عورتیں اس بات کا خیال رکھیں کہ اولیا اللہ زندہ ہوتے ہیں اور ان کے سامنے کیسے جانا ہے۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاِنِّيْ وَاضِعٌ ثَوْبِيْ وَاَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَادَخَلْتُهُ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِنْ عُمَرَ۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ، صفحہ:154)

میں اس مکان جنت نشان میں جہاں حضور سید عالم ﷺ کا مزار پاک ہے، یوں ہی بے لحاظ ستر وحجاب چلی جاتی اور جی میں کہتی وہاں کون ہے؟ یہی میرے شوہر یا میرے

باپ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہوئے، اللہ کی قسم! میں سراپا بدن چھپائے نہ گئی عمر سے شرم کے باعث (رضی اللہ عنہم)۔

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے زندہ ہوتے ہیں اور اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں، لہٰذا ہمیں بھی ان سے حیا کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔

اس حدیث کی شرح میں مشکوٰۃ، صفحہ:154 کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

حَيَاءٌ مِّنْ عُمَرَ دَلِيْلٌ عَلٰى حَيَاةِ الْمَيِّتِ۔

ولی اپنے مستقر میں کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ نصب کیا کہ اسے علم نہ تھا۔ اس قبر سے سورۂ ملک تبارك الذی تلاوت کرنے کی آواز آئی، یہاں تک کہ اس خیمہ کو ختم کیا۔ اسی صحابی نے یہ واقعہ حضور کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

یہ روکنے والی نجات دینے والی اور اللہ کے عذاب سے بچانے والی ہے۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:187)

ابن مندہ نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

يُعْطَى الْمُؤْمِنُ مُصْحَفًا يَقْرَءُ فِيْهِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:80)

مومن کو قرآن دیا جاتا ہے، جسے وہ قبر میں پڑھتا ہے۔

چونکہ زندہ ہی قرآن پڑھتے ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ مومن اپنے قبور میں زندہ ہوتے ہیں۔

نیز ابن مندہ نے حضرت عاصم سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم نے بلخ میں ایک قبر کھودی تو اندر سے ایک میت نکلی۔ جب اس قبر میں، میں نے نظر کی تو اس میں ایک بزرگ قبلہ رخ بیٹھے ہوئے تھے جو ایک سبز چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے اردگرد سبزہ تھا۔ ان کی گود میں قرآن پاک تھا، جسے وہ پڑھ رہے تھے۔ (شرح

الصدور، صفحہ:80)

اسی طرح ریاض الصالحین میں امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک بزرگ کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک قبر کھودی اور میت کو لحد میں اتارا تو قبر درست کرتے وقت ساتھ والی قبر سے ایک اینٹ گر پڑی۔ اس میں دیکھا ایک بزرگ سفید لباس پہنے تشریف رکھتے ہیں اور ان کی گود میں سونے کے پانی سے لکھا ہوا کلام مجید ہے، جسے وہ پڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے نظر اٹھا کر ان سے پوچھا۔ خدا تم پر رحمت کرے کیا قیامت ہوگئی اس نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اچھا اللہ تمھیں معاف کرے، اینٹ اپنی جگہ پر رکھ دو۔ اس نے اینٹ کو اسی جگہ پر رکھ دیا۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

قبر میں درسِ قرآن دیا جاتا ہے

دوستو! جس طرح قبر میں اللہ کے دوست بندے کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں، اسی طرح جو پورا کلام پاک نہ پڑھ پائے ہوں اور انتقال کر جائیں انھیں فرشتے کلام پاک پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَحْضِرَهٗ اَتَاهُ مَلَكٌ يُقْرِئُهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَيَلْقَى اللّٰهُ وَقَدِ اسْتَحْضَرَهٗ ۝ (شرح الصدور، صفحہ:80)

جس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا ہے اور یاد کرنے سے پہلے مرجائے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اس کو قرآن پڑھاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس نے قرآن پاک پورا کرلیا ہو۔

ان احادیث وروایات سے ظاہر ہے کہ اللہ کے بندے اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں اور تلاوتِ کلام مجید کرتے ہیں۔

اللہ کے بندے انتقال کے بعد بھی کلام کرتے ہیں

دوستو! اللہ کے بندوں نے انتقال کے بعد اپنی زبانِ حال سے بتلایا اور ثابت کیا کہ اللہ سے محبت رکھنے والے زندہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ امام قشیری قدس سرہٗ ابو یعقوب سوسی قدس سرہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک مرید نے مجھے ایک اشرفی دی اور کہا کہ کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا۔ آدھی اشرفی میں میرا کفن، آدھی میں دفن کر دینا۔ چنانچہ دوسرے روز ظہر کے وقت کعبۃ اللہ کا طواف کرکے وہ کعبہ سے دور ہٹ کر لیٹا تو بے جان تھا۔ میں نے جب اسے قبر میں اتارا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

میں نے کہا: حَيٰوةٌ بَعْدَ الْمَوْتِ ۝ موت کے بعد حیات۔

اُس نے جواب دیا: انا حی وکل محب للہ حی میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر دوست زندہ ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

امام ابو القاسم قشیری قدس سرہٗ اپنے رسالے میں ابو سعید خراز قدس سرہٗ سے راوی ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں تھا اور باب بنی شیبہ پر ایک جوان کو دیکھا کہ مردہ پڑا ہے۔ جب میں نے اس کی طرف نظر کی، وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور بولا:

يَا اَبَا سَعِيْدٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاَحِبَّآءَ اَحْيَآءٌ وَاِنْ مَاتُوْا وَاِنَّمَا يُنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ ۝ (شرح الصدور، صفحہ:86)

اے ابو سعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے زندہ ہیں، اگرچہ وہ مر جائیں۔ وہ تو ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

شیخ ابو علی رودباری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فقیر کو قبر میں اُتارا۔ جب کفن کھولا تو ان کا سر مٹی پر رکھ دیا اور کہا: ''اللہ تعالیٰ ان کی غربت پر رحم کرے۔''

اس پر اس فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا: يَا اَبَا عَلِیٍّ تُذَلِّلُنِیْ بَيْنَ يَدَیْ مَنْ يُّدَلِّلُنِیْ ۝

اے ابو علی! تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے۔

میں نے عرض کیا: يَا سَيِّدِیْ اَحَيٰوةٌ بَعْدَ مَوْتٍ ۝

فرمایا: بَلٰى اَنَا حَیٌّ وَكُلُّ مُحِبٍّ لَاَنْصُرَنَّكَ بِجَاهِیْ غَدًا ۝

ہاں! میں زندہ ہوں اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے۔ بے شک وہ وجاہت اور عزت جو مجھے

قیامت کے دن ملے گی اس سے میں تیری مدد کروں گا۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

اللہ کے بندے انتقال کے بعد بقدر ضرورت اپنے جسم کو حرکت دیتے ہیں

دوستو! اللہ کے دوست انتقال کے بعد اپنے جسم کو بھی حسب ضرورت حرکت دے سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ صرف زبان کو حرکت دیں یا صرف کلام ہی سن سکیں۔

امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ اپنے رسالہ میں حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ میرا ایک مرید مرگیا اور مجھے سخت صدمہ ہوا۔ نہلانے بیٹھا تو گھبراہٹ میں بائیں جانب سے شروع کیا۔ اس پر اس جوان نے اپنی داہنی طرف میری طرف کی اور کروٹ بدل لی اس پر میں نے کہا: صدقت یا بنی وانا غلطت ۰ اے بیٹا! تو سچا ہے اور مجھ سے غلطی ہوئی۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

يَا بُنَيَّ خَلِّ يَدِيْ فَإِنِّيْ أَدْرِيْ أَنَّكَ لَسْتَ بِمَيِّتٍ وَّإِنَّمَا هِيَ نَقْلَةٌ فَخَلِّ يَدِيْ ۰

جانِ پدر! میرا ہاتھ چھوڑ دے بے شک میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں ہے، یہ تو صرف مکان بدلنا ہے۔ پس اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

انبیائے کرام و اولیائے عظام مجالس میں شریک ہوتے ہیں

فتاویٰ عزیزی میں نقل ہے کہ جب حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے سال تراویح میں قرآن مجید ختم کیا تو اچانک ایک شخص زرہ بکتر سے آراستہ ہاتھ میں علم پکڑے ہوئے تراویح کے بعد تشریف لائے اور پوچھنے لگے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کس جگہ تشریف فرما ہیں؟ یہ سن کر تمام حاضرین قریب آگئے اور حیران ہوکر پوچھا: کیا معاملہ ہے اور ان کا نام دریافت کیا۔

فرمایا: میرا نام ابوہریرہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آج عبدالعزیز نے قرآن مکمل کیا ہے۔ ہم وہاں تشریف لے جائیں گے مجھے کسی اور کام سے بھیجا ہوا تھا۔ اس وجہ سے دیر ہوگئی۔ یہ فرمایا اور غائب ہوگئے۔ (تفسیر عزیزی، جلد: اوّل، صفحہ:8)

☆☆☆

چھبیسواں وعظ

در بیانِ استمداد از حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۰

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۰

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۰ (سورۂ بقرہ، آیت:89)

سب تعریفیں اس خالق باری کو سزاوار ہیں جو ارض وسما اور مافی فیہما ماسوا کا پیدا فرمانے والا ہے۔ ہزاروں درود اور لاکھوں سلام سید المرسلین شفیع المذنبین اور وسیلتنا فی الدارین پر کہ ازل سے لے کر ابد تک ہمیں تمام مشکلات سے رہائی دلانے والے ہیں۔

ہمارے اسلاف اور تمام انبیا و اولیا انھیں کے باج گزار ہیں

یعنی اپنی مشکلات کے حل کے لیے ہمیشہ آپ ہی کا وسیلہ تلاش کرتے رہے۔ بنی نوع انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام جب اپنی خطا کی سزا میں زمین پر اُتارے گئے تو عرصہ تک اللہ تعالیٰ کے حضور روتے اور فریاد کرتے رہے۔ لیکن جب تک رحمۃ للعالمین کی رحمت کا واسطہ نہ دیا اس وقت تک اللہ کی رحمت جوش میں نہ آئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی دعا کی قبولیت کے راز کو پالیا اور بارگاہِ ایزدی وتعالیٰ میں عرض کیا:

يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِيْ ۰

اے میرے پروردگار! میں تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں کہ تو اپنے حبیب حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں میری خطا بخش دے۔

اس پر قادرِ مطلق نے فرمایا: اے آدم! (علیہ السلام) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ابھی دنیا میں تشریف لائے ہی نہیں۔ تو نے انھیں کیسے پہچانا؟

عرض کیا: اے مالک! تو بہتر جانتا ہے۔ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرشِ عظیم پر رقم ہے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

اس دن سے مجھے علم ہو گیا کہ یہی ذات جس کا نام تیرے ساتھ رقم ہے، تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

فرمایا: اے آدم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ تو نے میرے محبوب رحمۃ للعالمین کا وسیلہ پیش کیا ہے تو میں نے تیری خطا معاف کر دی ہے۔ (جذب القلوب، صفحہ:218)

یہود و نصاریٰ آپ کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے

دوستو! جیسا کہ عرض کر چکا ہوں حضور کے وسیلے سے ہی ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں اور ہماری خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ اب بھی یہی سلسلہ جاری ہے اور حضور کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی لوگ آپ کے وسیلے سے اپنی دعاؤں کو مستجاب بناتے تھے۔ یہاں تک کہ یہود و نصاریٰ آپ کے اسم مبارک کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی تعالیٰ میں یوں عرض کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ عَلَیْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ۔

یارب! ہمیں نبی اُمّی کے صدقے میں [illegible] افرما۔

اس طرح سے ان کی دعا قبول ہوتی تھی او[illegible] حاجتیں پوری کی جاتیں اور ان کو کفار پر فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی۔ لیکن جب اس اسم مبارک کے حامل ان کے سامنے تشریف لائے تو ان کی عقلوں پر جہالت کے پردے پڑ گئے اور اس محسنِ عظیم کو پہچان نہ سکے۔ اس طرح گمراہی و ضلالت کے گڑھے میں جا گرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا کافروں میں احتساب

کیا اور ان پر لعنت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:89)

اس سے پہلے وہ آخری نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے منکروں پر۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

توسّل و استشفاع بحضرت سیدرُسل و استغاثہ و استمداد بجاہ و جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعل انبیا و مرسلین و سیرتِ سلف و خلف صالحین است۔ (جذب القلوب، صفحہ:218)

یعنی دربارِ نبوی سے وسیلہ و شفاعت اور مدد حاصل کرنا انبیا و مرسلین کا کام ہے۔ صالحین کا طریقہ ہے۔

اس سے اچھی طرح ثابت ہے کہ دربارِ نبوی سے استمداد و استغاثہ ضروری ہے ورنہ ہماری مغفرت و بخشش نہ ہوگی اور نہ ہی ہماری کوئی دعا قبول ہو سکتی ہے اور ہم اپنے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا در کسی صورت نہیں چھوڑ سکتے۔ چھوڑیں بھی تو کس کام کے اور کس قیمت کے رہیں گے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا در چھوڑ کر جانے والو! ملا نہ ٹھکانہ تو پھر کیا کرو گے؟

قصیدہ بردہ شریف میں ہے:

يَا اَكْرَمَ الرُّسُلِ مَالِيْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

ترجمہ: اے سید المرسلین! وقت مصائب آپ کے سوا کس سے پناہ مانگوں؟

آپ سے توسّل بطریق اولیٰ جائز ہے

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اعمالِ صالحہ سے توسّل جائز ہے جو فعل انسان ہے اور قصور و نقصان سے موصوف ہے تو حضور سراپا نور سے جو محبّ و محبوب خدا تعالیٰ عز و جل ہیں، توسّل بطریق اولیٰ جائز ہے۔

حضور کی دنیاوی حیاتِ طیبہ میں توسّل واستمداد جائز تھا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دنیاوی حیاتِ طیبہ میں ہر سائل کی حاجت روائی فرماتے رہے اور سارا معاملہ حضور کے دست کریمانہ میں تھا۔ جس کو چاہیں اور جو چاہیں اپنے خالق باری کے حکم سے بخشیں۔ کیونکہ دنیا وآخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح وقلم آپ ہی کے علم کا ایک حصہ ہے۔ دنیا وآخرت کی خیر آپ ہی کے آستانے سے ملتی ہے:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا ضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دوستو! دیکھئے آپ کا جود وکرم کہ خود فرماتے ہیں: وَاللهُ مُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔
جو کچھ بھی مانگنا ہے درِ مصطفیٰ سے مانگ:

بخیر دنیا و عقبیٰ گر آرزو داری
بدرگاہش بیار ہرچہ خواہی تمنا کن

آپ کے درِ دولت پر سائل آتے رہے اور اپنے دل کی تمنا پاتے رہے۔ رحمۃ للعالمین کی رحمت جوش میں آتی تھی تو کوئی سائل نہ پا کر خود ہی پکار اٹھتے تھے:

مانگو جو چاہو گے پاؤ گے تم۔ وَاللهُ مُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔

ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتا۔ فَاَتَيْتُهٗ بِوَضُوْءٍ وَحَاجَتِهٖ۔ آپ کے لیے وضو کا پانی لاتا اور دیگر ضروریات خدمت میں حاضر کرتا تھا۔

ایک دن دریائے رحمت آ گیا یوں جوش میں، فرمایا: سَلْ تو میں بھی آیا ہوش میں۔ سوچا کہ مانگ لوں رفاقت اس ذات کی، خود ہی دعوت دی ہے تو جھجک کس بات کی۔ چنانچہ عرض کیا:

اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔ یارسول اللہ! جنت میں اپنی رفاقت عنایت فرمائیے۔

قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ۔ فرمایا: کچھ اس کے سوا اور مانگو۔

عرض کیا: هُوَ ذَاكَ۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔

پھر فرمایا: فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ تو کثرتِ سجدہ ریزی سے اپنے نفس پر میری اعانت حاصل کر۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ شریف، صفحہ:84)

دوستو! ذرا غور کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں فرمایا کہ تو نے جنت مجھ سے مانگ کر کفر کیا ہے، بلکہ فرمایا: کچھ اور مانگو۔

ماشاء اللہ! حضور دیتے ہیں بلا کر اور بے حساب دیتے ہیں۔ ادھر مالک ہے کل فراتیاں داونڈ والا ہے ابر کہاں ادھر۔ آپ نے سَلْ فرما کر کسی چیز کی تخصیص نہیں رہنے دی بلکہ فرمایا: مانگ لے جو مانگنا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے دستِ کرامت میں سب کچھ ہے اور آپ جس کو چاہیں جو چاہیں باذنِ پروردگار دے دیں۔

جذب القلوب میں صفحہ:219 پر ایک حدیث صحیح میں رقم ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور عرض کیا: دعا فرمایئے کہ مجھے عافیت نصیب ہو۔

آپ نے فرمایا: اگر بینائی چاہتا ہے تو میں دعا کرتا ہوں ابھی مل جائے گی۔ اگر اجر آخرت مطلوب ہے تو صبر کرو، وہ تمہارے لیے اچھا ہے۔

لیکن اس رخِ انوری دید کے شیدائی نے عرض کیا: میرے لیے دعا کیجیے کہ مجھے بینائی مل جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وضو کر کے یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ۔ (جذب القلوب، صفحہ:219)

شخص مذکور نابینا نے وضو کر کے یہ دعا مانگی تو اس کی آنکھیں فوراً روشن و درست ہو گئیں۔ ترمذی میں ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بعد از وصال حضور سے استمداد جائز ہے

دوستو! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعد از وصال بھی اسی طرح استمداد واستغاثہ جائز ہے جس طرح کہ آپ کی بعثت سے پہلے اور حیاتِ دنیا میں جائز تھا۔ کیونکہ جس نام کے وسیلے

سے پہلے لوگ اپنی حاجات حاصل کرتے تھے اسی نام کے وسیلے سے اب بھی ہم اپنی حاجتیں حاصل کرسکتے ہیں۔ بلکہ ہمارا ایمان اس معاملے میں پہلے لوگوں کی نسبت زیادہ پختہ ہونا چاہیے، کیونکہ آپ کی آمد سے ہمارے یقین میں پختگی پیدا ہوئی۔

اپنی اُمت کو قحط سے بچانے کے لیے استسقا

جب لوگوں کو اپنی حاجات کے لیے وسیلے کی ضرورت پیش آتی تھی یا آتی ہے تو حضور کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر سوالی ہوتے ہیں۔

چنانچہ ابن جوزی نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہوگئے اور بارش نہ ہوئی تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت اقدس میں شکایت پیش کی۔ آپ نے فرمایا: روضۂ انور کا دریچہ آسمان کی طرف سے کھول دیں تاکہ قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی۔ (جذب القلوب، صفحہ:221)

اسی طرح کی ایک روایت ابن ابی شیبہ سے ہے۔ انھوں نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ خشک سالی سے قحط پڑا تو ایک شخص روضۂ اقدس حضور نبی کریم پر حاضر ہو کر سائل ہوا کہ:

يَارَسُوْلَ اللهِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ قَدْهَلَكُوْا ۝

یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش مانگیے کہ وہ ہلاک ہو رہی ہے۔ وہ شخص سو گیا تو حضور نے خواب میں اس شخص کو بشارت دی کہ:

اِئْتِ عُمَرَ فَاقْرَأْهُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ سَيُسْقَوْنَ ط

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میرا اسلام کہو اور لوگوں کو بتادو کہ ابھی پانی برسے گا۔ (جذب القلوب، صفحہ:221)

تقلب قلب میں استمداد

طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

ایک شخص کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی کام تھا جو پورا نہ ہوتا تھا کیونکہ خلیفۃ المومنین سائل کی طرف التفات نہ فرماتے تھے۔ اس پر حضرت عثمان بن حنیف نے اس کا علاج بتلایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل مسجد میں جا کر ادا کرو اور یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِیْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ ۝

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ دربان نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور خلیفۃ المومنین کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے مسند خاص پر بٹھایا اور حاجت دریافت کی پھر اس کی حاجت پوری کر کے فرمایا: آئندہ کوئی حاجت ہو تو میرے پاس آنا ان شاء اللہ اسے پورا کروں گا۔

سائل خوش ہوا اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: جزاك الله خيراً ۔ میں نے وہ دعا پڑھی اور میرا کام ہو گیا۔ (جذب القلوب، صفحہ:219)

دوستو! یہ ہے حضور سے استمداد و استغاثہ کا اثر کہ حضرت عثمان کی توجہ اس شخص کی طرف حضور کے اسم مبارک کے وسیلے سے پھر گئی۔

قرض کی ادائیگی میں حضور سے استمداد

محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص اسّی 80 دینار کی ودیعت میرے والد محترم کے پاس رکھ کر جہاد کے لیے چلا گیا اور اجازت دے گیا کہ وقتِ ضرورت اسے استعمال میں لاسکتے ہو۔ چنانچہ والد محترم نے ایک جماعت میں اسے صَرف کر دیا۔ جب وہ شخص واپس آیا اور اپنی امانت طلب کی تو ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اگلے روز کا وعدہ کر کے رات کو مسجد نبوی میں گئے اور یہاں کبھی منبر کے پاس اور کبھی روضۂ مبارک کے پاس استغاثہ و فریاد کرتے۔ اچانک رات کی تاریکی میں ایک شخص آیا اور ایک تھیلی ان کے ہاتھ میں تھمادی جس میں اسّی 80 دینار تھے۔ اس سے صبح میرے والد محترم نے اپنی امانت ادا کر دی۔ (جذب القلوب، صفحہ:222)

مہمان نوازی

ابوبکر اقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں گیا اور لگاتار پانچ روز فاقہ میں گزر گئے۔ لیکن ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔ آخر روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا: انا ضیفك یارسول اللہ! حضور میں آپ کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد وہیں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ سید الانبیاء رحمۃ للعالمین ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ تشریف لائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجھے فرمایا: اٹھو حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ میں اُٹھا اور حضور اکرم ﷺ کو دیکھا اور ان کی پیشانی انور کو بوسہ دیا۔ آپ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی، جسے میں نے کھانا شروع کر دیا۔ جب بیدار ہوا تو روٹی کا بچا ہوا ٹکڑا میرے ہاتھ میں تھا۔ (جذب القلوب، صفحہ:223)

دیکھئے دوستو! حضور نبی کریم ﷺ اپنے روضۂ انور میں تشریف رکھتے ہوئے اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی فرماتے ہیں، کیوں نہ اس رحمت عالم کو پکاریں جو ہماری حاجات کو برلاتا ہے۔

مہمان نوازی کی ایک اور روایت ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ سے یوں مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ لیکن کھانے کو کچھ نہ پایا، ایک دو فاقوں کے بعد روضۂ اطہر پر حاضر ہوا اور رحمۃ للعالمین کی خدمت میں عرض کیا: انی ضیفك یارسول اللہ! یارسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔ جب میں سویا تو رحمت عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے مجھے ایک روٹی دی جس میں سے نصف میں نے کھالی۔ جب بیدار ہوا تو باقی نصف میرے ہاتھ میں تھی۔ (جذب القلوب، صفحہ:223)

☆☆☆

ستائیسواں وعظ

در بیانِ اتباعِ حدیثِ نبوی (ﷺ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ○
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ (سورۂ حشر، آیت:7)

سب تعریفیں اس خالق باری کے لیے سزاوار ہیں جس نے انسان کو گوناگوں نعمتوں سے نوازا اور اسے سوچنے اور سمجھنے کی قوت عطا فرمائی کہ راہِ راست پکڑے۔ لیکن اگر ضلالت اختیار کرے تو اس کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ ہزاروں درود و سلام اس رحمت عالم پر جو رہنمائے بارگاہِ ذوالجلال ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں۔ محبوب بھی ایسے کہ 'وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی' سے ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: اے رسول! (ﷺ) جو تو نے مٹھی کی کنکریاں پھینکی تھی، وہ تو نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی یا یوں سمجھئے حضور نبی کریم کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ ہیں اور حضور کی زبان، زبانِ خدا ہے کیونکہ حضور کا فعل رضائے الٰہی کے خلاف نہیں ہوسکتا اور نہ ہی خدا عزوجل کی مرضی کے بغیر نبی کی زبان کھلتی ہے۔

اتباعِ رسول سے سرتابی سخت سزا کا موجب ہے

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسول ﷺ کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ (سورۂ حشر، آیت:7)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جو کچھ عطا فرمائیں اس کو لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے اتباعِ رسول کی وضاحت ہوتی ہے کہ جس چیز کا حکم دیں اسے تسلیم کرو۔ کیونکہ ان کا حکم فرمانِ خداوندی سے جدا نہیں ہوسکتا اور جس بات سے روکیں اس سے باز آجاؤ اور اگر رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے سرتابی ہوگی اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کرے اُسے اللہ تعالیٰ کی سخت گیری کا احساس ہونا چاہیے۔

مسلم اور بخاری سے روایت ہے کہ اُم یعقوب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگیں کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے بال گوندنے اور گوندانے والی اور دانتوں کو کشادہ کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ فرمایا میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر قرآن لعنت کرتا ہے۔ اُم یعقوب نے کہا: میں نے سارا قرآن پڑھا ہے۔ میں نے یہ بات کہیں نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا: کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا۔ اُم یعقوب نے کہا: یہ تو میں نے پڑھی ہے، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جن کاموں سے حضور پرنور ﷺ نے منع فرمایا ہے، ان سے بحکم وما نھکم عنہ فانتھوا بچنا ضروری ہے۔

فرمانِ نبی ﷺ سے سرتابی صریح گمراہی ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے حکم کی اطاعت کی اس قدر سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ حضور کے فیصلے کے سامنے کسی کو دَم مارنے کی مجال نہیں۔ اگر کوئی آپ کے فیصلے سے سرتابی کرنے کی کوشش کرے تو سمجھ لو کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔

چنانچہ فرمانِ ربانی ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔ (سورۂ احزاب، آیت:36)

ترجمہ: اللہ اور اس کا رسول جب کسی معاملے میں حکم فرمادیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو اپنے معاملے میں اختیار نہیں رہتا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرے وہ بے شک صریح گمراہی میں ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلوں کو تسلیم کرنا مومنوں اور مومنات پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہے کہ رسولِ کریم کا قول و فعل حجت شریعہ ہے۔

ہر رسول کی اطاعت لازم ہے

اتباعِ رسول ﷺ کے بارے میں کئی ایک آیات ہیں، مثلاً سورۂ نسا میں فرمانِ الٰہی ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (نسا، آیت:64)

ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا ہو۔

اور فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۔ (نسا، آیت:59)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ عزوجل کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔

مومنو! اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات اور ہر فعل کو حجت مانا جائے۔

قرآنِ حکیم کے علوم کے لیے حدیث مبارکہ کا جاننا ضروری

دوستو! کلام اللہ تمام انبیائے کرام کے صحیفوں کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے اور کتبِ الٰہیہ کے تمام علوم نہایت ایجاز و اعجاز کے ساتھ اس میں بھرے ہوئے ہیں۔ ان علوم تک رسائی کے لیے اور اس میں پوشیدہ مجملات کی تشریح و تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ رسولِ ربانی کی احادیث سے استفادہ کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت تک کسی کی کہی ہوئی بات پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے جب تک کہ اسے اچھی طرح سمجھ نہ لیا جائے۔ کیونکہ ہر کس و ناکس کسی راز کی بات کو سمجھ نہیں پاتا جب تک اسے اس کے متعلق کھول کر نہ بتلایا جائے یا اسے عمل کر کے نہ دکھایا

جائے۔

چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (سورہ نحل، آیت: 44)

ترجمہ: اے رسول! (ﷺ) ہم نے تمہاری طرف ذکر اُتارا، تاکہ آپ ان لوگوں سے بیان فرمائیں جو اُن کی طرف نازل ہوا اور وہ اس پر غور کریں اور سوچیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے صرف اس کا کلام ہی سن لینا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے سمجھنے کے لیے ایک ماہر علم وفن کی ضرورت ہے، جو کلام الٰہی کے اسرار کو جانتا ہو اور اس کے احکام کی اہمیت کو پہچانتا ہو۔

جس طرح سے انسانی اقوال واشعار کی تشریح کے لیے بڑے بڑے پروفیسر اور عالم طبع آزمائی کرتے ہیں، اسی طرح اقوالِ ربانی وکلام سبحانی کے لیے ضروری تھا کہ اس کی تشریح کی جاتی۔ چونکہ احکام الٰہی ہماری زندگی اور تہذیب وتمدن کے بارے میں ہیں، اس لیے ہمیں اس زندگی کے اُصول سکھانے کے لیے کوئی مثال پیش کرنے والوں کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: لَوْلَا السُّنَّةُ مَا فَهِمَ اَحَدٌ مِّنَّا الْقُرْآنَ۔ اگر حدیث وسنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن وسنت نہ سمجھتا۔

دوستو! حدیث نبوی کے بغیر قرآن حکیم کی آیات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ذرا نماز کو ہی لے لیجیے جس کی قرآن حکیم میں بار بار تاکید آئی ہے لیکن اس کے ادا کرنے کا طریقہ نہیں بتلایا گیا۔ معنوں کے اعتبار سے صلوٰۃ کے مختلف معنی ہیں۔

ایک شاعر نے صلّٰی کا مطلب جلے ہوئے گوشت کا لیا ہے: ؎

يَا اَسْلِمِيْ يَا هِنْدَ بَنِيْ بَدْرٍ تَحِيَّةً
مَنْ صَلّٰى فُؤَادَكَ بِالْجَمْرِ

اے قبیلۂ بنی بدر کی ہند اس شخص کا سلام قبول کر جس نے تیرے دل کو انگارے سے جلایا۔

دوسری جگہ صلوٰۃ کے معنی پیٹھ کی رگ کے ہیں۔

اَلصَّلٰوةُ لُبُّ الصَّلٰوِ بَيْنَ الْعِرْقَيْنِ فِيْ ظَهْرِهٖ۔

صلوٰۃ صلو بین کا مغز ہے اور یہ دو رگیں پیٹھ میں ہوتی ہیں۔

تیسرا مطلب صلوٰۃ کا دعا ہے: اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔

بے شک تمہاری دعا ان کے لیے باعثِ سکون ہے۔

صلوٰۃ کا چوتھا مطلب عبادت ہے:

اَلصَّلٰوةُ عِبَادَةٌ فِيْهَا رُكُوْعٌ وَّسُجُوْدٌ وَهٰذِهِ الْحَقِيْقَةُ الشَّرْعِيَّةُ وَلَا دَلَالَةَ لِكَلَامِ الْعَرَبِ عَلَيْهَا اِلَّا مِنْ حَيْثُ اِشْتِمَالِهَا عَلَى الدُّعَاءِ الَّذِيْ هُوَ اَصْلُ مَعْنَاهَا۔

یعنی صلوٰۃ وہ عبادت ہے جس میں رکوع وسجود پائے جائیں اور یہ حقیقت شرعیہ ہے اور اس پر کلام عرب دلالت نہیں کرتی مگر ایک حیثیت سے وہ یہ کہ صلوٰۃ کا اصلی معنی دعا ہے اور اس عبادت میں (اور چیزوں کے علاوہ) دعا بھی کی جاتی ہے۔

اب اس مختصر سی تحقیق کے بعد روزِ روشن کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ صلوٰۃ کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے صرف عربی لغت کا جاننا کافی نہیں بلکہ حدیث پاک کی بھی بڑی ضرورت ہے۔

مسائلِ حج کے سمجھنے میں حدیث کی ضرورت

اسی طرح حج کے مسائل پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حدیث پاک کے بغیر مسائل حج پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ دیکھئے قرآن حکیم فقط اتنا فرماتا ہے: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ۔ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن مگر اس میں ذوالحجہ کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ مطلقاً ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ ایام حج کے علاوہ حج کریں تو حکم کی تعمیل ہوجانی چاہیے۔ مگر ایسا نہیں۔ جب تک آپ حدیث پر عمل نہ کریں گے کسی طرح حج نہیں کرسکتے۔ پھر ارشاد فرمایا: اِذَا اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ۔ جب تم عرفات سے واپس آو۔ یہاں پر تصریح نہیں فرمائی کہ وہاں کس تاریخ کو جانا ہے اور کب واپس آنا ہے۔ وہاں کیا کرنا ہے۔ کتنی مدت ٹھہرنا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ولیطوفوا بالبیت

العتیق ۰ اس پرانے گھر کا طواف کرو۔ یہاں بھی یہ تصریح نہیں فرمائی کہ کتنے چکر لگانے ہیں، کہاں ختم کرنا ہے اور طواف کے دوران کیا کرنا چاہیے۔ اسی طرح احرام کا حکم فرمایا لیکن یہ نہیں فرمایا کہ احرام کہاں سے باندھنا ہے اور کب ختم ہوگا۔ اسی طرح ارشاد فرمایا: لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا۰ یہاں بھی معلوم نہیں کہ بشرطِ استطاعت ہر سال حج فرض ہے۔ یا عمر میں ایک مرتبہ بتاؤ کہ اگر آپ حضور پرنور ﷺ کے ارشادات عالیہ یعنی حدیث پاک کو حجت شرعیہ قرار نہ دیں تو یہ فریضۂ حج جس میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں اور دنیائے اسلام میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ کسی صورت میں ادا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بہت سے دوسرے مسائل مثلاً روزہ، زکوۃ، طہارت اور نکاح وغیرہ کے مسائل ہیں جو حدیث نبوی کے مطالعہ سے دور ہوسکتے ہیں۔

مندرجہ بالا بیان سے صاف واضح ہے کہ فہم احکام الٰہی کے لیے حدیث نبوی سے استفادہ ضروری ہے اور حدیث وسنت نبوی سے دور رہ کر ایماندارانہ زندگی بسر نہیں کی جاسکتی بلکہ گمراہی اور کفر اختیار کرنے کے مترادف ہے۔

کیونکہ اللہ عزوجل نے ایسے لوگوں کو جو اتباع رسول کے منکر ہوں، اسلام سے خارج اور بے ایمان قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۰ (سورۂ نسا، آیت:65)

ترجمہ: اے محبوب تیرے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے۔ جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے حاکم نہ بنالیں اور پھر جو آپ فیصلہ فرمائیں اس سے اپنے دلوں میں رکاوٹ نہ محسوس کریں بلکہ قلب سلیم سے اسے تسلیم کرلیں۔

اس آیت کریمہ میں ہر اختلاف میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو ایمان کا موقوف علیہ قرار دیا ہے اور جو ایمان کا موقوف علیہ ہو، اس کے حجت شریعہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جو منکر حدیث حضور کی احادیث اور فیصلے کی اتباع نہیں کرتا وہ اس نص قطعی کی رو سے ایمان سے خارج ہے۔

چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۰ (سورۂ نور، آیت:48)

ترجمہ: جب ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان میں فیصلہ کرے تو ایک فریق ان میں سے اعراض کرتا ہے۔

وہ گمراہ فرقہ جو اللہ اور رسول کے حکم سے اعراض کرتا ہے وہ فرقہ منافقین کا ہے لٰہذا جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور اطاعت رسول ﷺ سے بھاگے وہ منکر حدیث منافق نہ ہوا تو اور کون ہوا۔

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو اپنا پیشوا تو تسلیم کریں لیکن آپ کے فرمان سے روگردانی کریں وہ اسلام اور حدیث کا تمسخر اڑانے والے ہیں وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق ہیں۔ ہمارے ملک میں جو منکرین حدیث کا گمراہ فرقہ پیدا ہوگیا ہے ان منافقین کے پیشوا کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی پیش گوئی ملاحظہ ہو۔

ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَاْتِيْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِيْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ مَا وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ۰

(رواہ احمد وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ: صفحہ:29)

ترجمہ: میں ہرگز نہ پاؤں تم میں سے کسی شخص کو کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا اور اس کو میرے احکام سے کوئی حکم پہنچے، میں نے اس کا حکم دیا ہو یا منع کیا ہو تو (حقارت) آمیز لہجہ میں یہ کہے، میں نہیں جانتا کہ کیا حکم ہے جو کچھ ہم کتاب اللہ میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔

واہ! اللہ کے پیارے نبی نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس سردار منافقین کے بارے میں کتنی صراحت سے پیش گوئی کی ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ ان الحکم الا للہ کہ اللہ کے سوا کسی غیر کا حکم ماننا شرک ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کا پیغام پہنچادینے کے بعد نبی کو لوگوں سے کچھ کہنے کا حق نہیں رہ جاتا، نبی کی اطاعت صرف اسی کے زمانے میں امیر

جماعت ہونے کی حیثیت سے لازم ہے۔ باقی نبی ہونے کی حیثیت سے نبی کا کوئی قول و فعل حجت نہیں اور صرف اللہ کا حکم واجب العمل ہے۔

ایسے منافق کو اللہ تعالیٰ کے مذکورہ فرمان کے علاوہ اس حدیث مبارکہ پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اتباع رسول کے بغیر گمراہی ہی گمراہی ہے اور ایسا دعویٰ کرنے والا منافق ہے کہ رسول اللہ کی پیروی ضروری نہیں۔

چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَیَحْسَبُ اَحَدُکُمْ مُتَّکِئًا اَرِیْکَتِہٖ یَظُنُّ اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یُحَرِّمْ شَیْئًا اِلَّا مَافِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ اَلَا وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ قَدْ اَمَرْتُ وَعَظْتُ وَنَصَحْتُ عَنْ اَشْیَاءَ اِنَّھَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَکْثَرُ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یُحِلَّ لَکُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَاءِھِمْ وَلَا اَکْلَ ثِمَارِھِمْ اِذَا اَعْطُوْکُمُ الَّذِیْ عَلَیْھِمْ ۝ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ)

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام نہیں کی ہے سوا ان چیزوں کے جو قرآن پاک میں بیان کر دی گئیں، خبردار، خدا کی قسم! میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے وہ مقدار میں قرآن کی مثل ہیں بلکہ زیادہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ حلال نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو اور نہ ان کی عورتوں کو مارو اور نہ ان کے پھلوں کو کھاؤ جب کہ وہ اپنے واجبات ادا کر چکے ہوں۔

ایسا ہی حضرت مقدام بن معد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ اَلَا لَا یَحِلُّ لَکُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْاَھْلِیِّ وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السَّبَاعِ ۝ (رواہ ابوداؤد والدارمی، مشکوٰۃ شریف، صفحہ:29)

ترجمہ: خبردار! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی چیزیں یعنی حدیث پاک، خبردار! قریب ہے کہ ایک مرد پیٹ بھرا اپنی مسند پر کہے گا کہ بس تم قرآن کو لازم پکڑو اور جو کچھ اس میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو، حالانکہ بے شک جو کچھ اللہ کے رسول نے حرام کیا وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا حرام کیا ہو، خبردار! تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں اور نہ کوئی کچلیوں والا درندہ حلال ہے۔

ان حدیثوں میں غیب داں نبی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے تصریح فرما دی کہ ایک آدمی امیر کبیر ہوگا جو اپنے بنگلے میں مسند پر بیٹھے ہوئے میری حدیث کا انکار کرے گا اور صاف کہہ دے گا کہ وہ چیز جو قرآن میں ہے اس کو مانو اللہ تعالیٰ کے رسول کی حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔

دوستو! اللہ تعالیٰ ایسے گمراہوں کو ہدایت دے اور ان کے شر سے ہمیں اور تمھیں سب کو بچائے، ان آیات قرآنی اور احادیث کی روشنی میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن کریم کی اطاعت میں کوئی فرق آئے یا کلام پاک نامکمل ہے یا اس کے احکام میں ابہام پایا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ ایسا ہرگز نہیں۔

قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے اور اس کے ہر لفظ اور ہر آیت میں علم کا سمندر ہے لیکن اس کو سمجھنے کے لیے اچھے فہم کی ضرورت ہے۔ ہماری ناقص عقلیں قرآن کریم کے علم کی وسعتوں کو پانے سے قاصر ہیں اور ہماری مدد کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تاکہ ہمارے ناقص ذہن جن باتوں کو سمجھ نہیں پاتے وہ ہمیں سمجھائی اور سکھائی جائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نہ صرف ہمیں سمجھایا بلکہ خود ان باتوں پر عمل کر کے دکھایا تاکہ ہمارے ذہنوں میں نقش رہے اور ہمیں اپنی زندگی میں مشعل راہ کا کام دے اور ہم گمراہی اور ضلالت سے بچے رہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

☆☆☆

اٹھائیسواں وعظ

دربیانِ جنت النعیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۂ لقمان، آیت: 7-8)

سب تعریفیں اس خالق باری کے لیے جس نے انسان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور ہزاروں کروڑوں درود وسلام اس ذات بابرکات پر کہ جو بنی نوع انسان کے لیے سراسر رحمت اور فلاح کے لیے جلوہ افروز ہوئے۔

دوستو! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مخلوق گھٹنے ٹیکے بیٹھی ہوگی اور دوزخ مست اونٹ کی طرح بے تاب ہوگی تو بلند آواز سے ایک منادی پکارے گا، انبیا، صدیق وشہدا اور نیک لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، پھر پیشی ہوگی جس میں آپس کے حقوق لوٹائے جائیں گے، پھر روحوں اور بدنوں کا جھگڑا ہوگا اور بدن روحوں پر غالب آجائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ عزوجل کے سامنے پیشی ہوگی اور اعمال نامے اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں گے۔ کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں اور کسی کا اعمال نامہ پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ جن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور مرحمت ہوگا۔ فرشتے اس عزت پر ان کو مبارکباد پیش کریں گے اور وہ اللہ کی رحمت سے پل صراط سے پار ہوکر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ جنت کے دربان ان کو پوشاکیں، سواریاں اور زیور جو ان کے لیے مناسب ہوگا پیش کریں گے اور سب لوگ متفرق ہوکر اپنے اپنے مخصوص مکانوں کی طرف جائیں گے اور خوش خوش

اپنے محلات کی طرف لوٹیں گے وہ اپنی ازواج کی طرف جائیں گے اور ایسی نعمتیں دیکھیں گے کہ زبان ان کو بیان نہیں کرسکتی اور نہ ان کی آنکھوں نے پہلے کبھی دیکھی ہوگی نہ دل میں کبھی تصور آیا ہوگا۔ غرض کہ اندازہ مقررہ کے موافق کھائیں گے پئیں گے، پوشاکیں پہنیں گے اور اپنی بیویوں کو گلے لگائیں گے، پھر اپنے خالق کی حمد کریں گے جس نے ان کا غم دور کردیا، گھبراہٹ سے امن دی اور حساب کو آسان کیا، پھر اللہ کی دی ہوئی نعمت کا شکر کریں گے اور کہیں گے کہ الحمد للہ کہ جس نے ہمیں یہ راہ دکھائی، اگر ہمیں یہ راہ نہ دکھاتا تو ہم خود یہ راہ نہ پاتے۔ دنیا سے جو کچھ توشہ لائے ہوں گے اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، دنیا میں وہ یقین وایمان رکھتے تھے، احکام الٰہی کی تصدیق کرتے تھے، عذابِ خداوندی سے ڈرتے تھے اور رحمت کے امیدوار تھے، اس لیے نیک اعمال کرکے ثواب کی رغبت رکھتے تھے اور ان کے نیک اعمال کے بدلے میں اللہ عزوجل نے انھیں جنت نعیم عطا فرمائی اور وعدہ پورا کیا۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۂ لقمان، آیت: 7-8)

ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے نعمتوں والے باغ ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جہنم کے پل صراط کے ساتھ پل ہوں گے۔ ایک پل کا دوسرے پل سے 70 سال کی راہ کا فاصلہ ہوگا اور پل صراط کی چوڑائی تلوار کی دھار کی طرح ہوگی، اس پر سے پہلا گروہ پلک جھپکتے میں گزر جائے گا، دوسرا گروہ چمکنے والی بجلی کی طرح تیزی سے گزرے گا، تیسرا گروہ تیز ہوا کی طرح، چوتھا گروہ پرندوں کی طرح، پانچواں گروہ دوڑتے گھوڑوں کی طرح، چھٹا گروہ تیز دوڑنے والے آدمی کی طرح، ساتواں گروہ پیدل چلتا ہوا گزرے گا اور آخر میں ایک آدمی گزرنے کے لیے رہ جائے گا، اس کو حکم دیا جائے گا گزر رو۔ جوں ہی دونوں قدم پل پر رکھے گا تو فوراً ایک پاؤں پھسل جائے گا دوسرا پاؤں بھی قابو میں نہ رہے گا تو ایک ہاتھ سے پکڑ

کر چلے گا اور دوسرا ہاتھ لٹکتا رہے گا۔ آگ اس کو دکھ پہنچاتی رہے گی اور وہ گمان کرے گا کہ نہ بچ
نہیں سکتا مگر پیٹ کے بل سرکتا رہے گا یہاں تک کہ پار نکل جائے گا اور پل کی طرف دیکھ کر
کہے گا: بابرکت ہے وہ خدا جس نے مجھے تجھ سے خلاصی دی۔ میرا خیال ہے کہ میرے رب
نے جو عنایت مجھ پر کی، کسی اور پر اگلوں اور پچھلوں میں سے نہیں کی۔ جو کچھ میں نے دیکھا
اور پایا اس کے بعد اللہ نے مجھے تجھ سے بچالیا، اتنے میں ایک فرشتہ آئے گا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر
جنت کے دروازے کے سامنے ایک حوض پر لے جائے گا اور کہے گا کہ اس میں غسل کر لے اور
پانی پی لے۔ جب وہ ایسا کرے گا تو اسے جنت والوں کی خوشبو اور رنگ محسوس ہوگا، پھر فرشتہ
اس کو لے جاکر جنت کے دروازے پر کھڑا کر دے گا اور کہے گا: جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف
سے اجازت نہ آئے یہیں کھڑا رہ۔ وہ شخص دوزخیوں کی طرف دیکھے گا تو اسے دوزخیوں کے
رونے کی ایسی آواز سنائی دے گی کہ وہ کہے گا: اے پروردگار! میرا منہ دوزخیوں کی طرف سے
پھیر دے، وہی فرشتہ اس کا منہ دوزخیوں کی طرف سے جنت کی طرف پھیر دے گا اور اس کی
قیام گاہ سے جنت کے دروازے تک ایک پرتیر کی مسافت ہوگی، وہ شخص جنت کے دروازے
اور اس کی وسعت کو دیکھے گا کہ جنت کے دروازے کے دونوں بازوؤں کی درمیانی وسعت تیز
پرندے کی چالیس سال کی اڑان کے برابر ہوگی۔

بندہ عرض کرے گا: پروردگار! تو نے مجھ پر پورا احسان کیا ہے، مجھے دوزخ سے خلاصی
دی اور میرا منہ دوزخیوں سے جنت کی طرف پھیر دیا۔ اب میرے اور جنت کے درمیان
صرف ایک پرتیر کا فاصلہ ہے، میرے رب! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی عزت
کے طفیل مجھے جنت کے دروازے میں داخل کر دے۔ اس کے علاوہ میں تجھ سے اور کچھ نہیں
مانگوں گا اور دروازے کو میرے اور دوزخیوں کے درمیان آڑ بنادے تاکہ میں دوزخ کی
آہٹ بھی نہ پاسکوں۔ چنانچہ وہی فرشتہ آئے گا اور اسے جنت کے دروازے میں داخل
کر دے گا، وہ شخص اپنے دائیں بائیں اور سامنے بقدر مسافت یک سالہ جنت میں ادھر ادھر
نظر کرے گا لیکن سوائے درختوں اور پھلوں کے اور کوئی دکھائی نہ دے گا اور قریب ترین
درخت اس سے ایک پرتیر کے فاصلے پر ہوگا، وہ محسوس کرے گا کہ جڑیں درخت کی سونے

کی، شاخیں سفید چاندی کی، پتے حسین ترین کپڑوں کی طرح اور پھل مکھن سے زیادہ نرم اور
شہد سے زیادہ شیریں ہوں گے اور مشک سے زیادہ خوشبودار، یہ حیرت آفریں منظر دیکھ کر وہ
عرض کرے گا: اے پروردگار! تو نے مجھے دوزخ سے نجات دی اور جنت میں داخل کیا اور
مجھ پر پورا پورا احسان کیا اب اس درخت کا مجھ سے ایک پرتیر کا فاصلہ ہے، اس کے علاوہ تجھ
سے کوئی اور درخواست نہیں کروں گا، وہی فرشتہ آئے گا اور کہے گا: کیا تو نے زیادہ نہ مانگنے کا
وعدہ نہیں کیا تھا؟ اب کیوں سوال کر رہا ہے اور تیری قسم کہاں گئی؟ آخر اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت
کے قریب ترین مکان تک لے جائے گا، اچانک ایک سال کی راہ کی مسافت پر اسے ایک
موتی کا محل نظر آئے گا وہ اس محل کو دیکھ کر عرض کرے گا: یا اللہ میں تجھ سے یہ مکان مانگتا ہوں
اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں مانگوں گا، پھر ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا: اے انسان! تو نے
اپنے رب کی قسم نہیں کھائی تھی کہ تو اور کچھ نہیں مانگے گا؟ تو کس قدر جھوٹا ہے اور کہے گا: جا یہ
مکان تجھے دے دیا، پھر جب وہ اس مکان پر پہنچے گا تو آگے کا سماں دیکھ کر کہے گا: اس کا
مکان اس کے مقابلے میں ایک خواب ہے اور عرض کرے گا: پروردگار! میں اس مکان کی
درخواست کرتا ہوں، فوراً وہی فرشتہ اس کو ملامت کرے گا اور سمجھے گا کہ یہ حیران کن چیزیں
دیکھ کر اس کی اشتہا بڑھتی جارہی ہے، اس لیے کہے گا: جا یہ تیرا ہے۔ اس کو پھر سامنے ایک
مکان نظر آئے گا جس کے مقابلے میں پچھلے تمام مکان ہیچ نظر آئیں گے اور وہ اس قدر حیران
ہوگا کہ بات بھی نہ کر سکے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد اس سے کہے گا: کیا وجہ ہے کہ اب
سوال نہیں کرتا؟ تو وہ بندہ عرض کرے گا: آپ پر اللہ کی رحمت ہو، میں نے رب العزت کی
قسم کھالی ہے، اب مجھے اس سے ڈر لگتا ہے اور اس سے شرم آتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:
اے بندے! کیا تو اس بات پر راضی ہو جائے گا کہ قیامت کے روز آفرینش سے لے کر یومِ
فنا تک کل دنیا جمع کر کے اور اس کا دس گنا کر کے تجھے دوں، وہ شخص عرض کرے گا: پروردگار!
تو رب العالمین ہے کیا مجھ سے مذاق کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں ایسا کر سکتا ہوں تو جو
کچھ چاہے سوال کر، تو بندہ عرض کرے گا: مجھے آدمیوں سے ملادے، فوراً ایک فرشتہ آئے گا

اور پیدل اسے جنت میں لے جائے گا یہاں تک کہ اس کے سامنے ایک چیز آئے گی اور ایسی ہوگی کہ اس کے مقابلے کی چیز اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ بندہ فوراً سجدہ میں گر پڑے گا اور سجدے میں کہے گا: میرے پروردگار نے مجھ پر جلوہ فرمائی کی ہے۔ فرشتہ کہے گا: سر اٹھا، یہ تیرا گھر ہے اور تیرے سب مکانوں میں کم درجے کا ہے۔ بندہ کہے گا: اگر اللہ میری نظر کی حفاظت نہ کرتا تو وہ اس قصر کے نور سے خیرہ ہو جاتی۔

غرض کہ وہ اس قصر میں اترے گا سامنے سے ایک آدمی آئے گا اس کے چہرے اور کپڑوں کو دیکھ کر یہ شخص حیران رہ جائے گا اور سمجھے گا کہ کوئی فرشتہ ہے، وہ آدمی آکر کہے گا: **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ** اب آپ کے آنے کا وقت آیا، یہ شخص سلام کا جواب دینے کے بعد کہے گا: بندۂ خدا تم کون ہو؟ وہ کہے گا: میں آپ کا محافظ ہوں اور اس مکان کی نگرانی میرے سپرد ہے اور میری طرح آپ کے ایک ہزار محافظ ہیں اور ہر محافظ کے ذمے آپ کے ایک ایک محل کی نگرانی ہے، آپ کے ہزار محل ہیں ہر محل میں ہزار خادم ایک بیوی اور ایک حور آپ کے لیے ہے، یہ شخص محل میں داخل ہوگا اور دیکھے گا کہ محل ایک سفید موتی کا گنبد ہے جس کے اندر 70 کمرے ہیں، ہر کمرے پر 70 بالا خانے ہیں، ہر بالا خانے کے 70 دروازے ہیں اور ہر دروازے کا موتی ایک قبہ ہے، یہ شخص قبوں میں داخل ہو کر کھولے گا۔ اس سے پہلے وہ قبے کسی نے نہ کھولے ہوں گے۔ وسط قبہ میں اس کو سرخ موتی کا ایک گنبد نظر آئے گا جس کا طول 70 گز ہوگا اور 70 دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ سرخ موتی کے ایک گنبد میں پہنچتا ہوگا۔ یہ گنبد بھی طول میں 70 گز ہوں گے اور ہر ایک کے 70 دروازے ہوں گے۔ کوئی موتی دوسرے کا ہم رنگ نہ ہوگا، ہر موتی کے گنبد میں بیویاں ہوں گی، سجی ہوئی جلوہ گاہیں ہوں گی اور تخت ہوں گے۔

دوستو! ایسے بالا خانے جنتیوں کے لیے ہوں گے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ ۝ (سورۂ عنکبوت، آیت:58)

ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ضرور ہم انھیں جنت کے بالا خانوں

میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ہمیشہ ان میں رہیں گے اچھے عمل کرنے والوں کے لیے کیا ہی اچھا اجر ہوگا۔

حوریں: چنانچہ جب وہ شخص قصر کے اندر داخل ہوگا تو ایک حور ملے گی جو اس کو سلام کرے گی، یہ شخص سلام کا جواب دے گا، پھر متحیر ہو کر کھڑا ہو جائے گا، حور کہے گی ہماری ملاقات کے لیے اب آپ کو وقت ملا ہے؟ میں آپ کی بیوی ہوں، یہ شخص اس کے چہرے کو دیکھے گا تو اپنے چہرے کا عکس حور کے چہرے میں نظر آئے گا جیسے آئینے میں نظر آتا ہے، حور 70 جوڑے پہنے ہوگی ہر جوڑا 70 رنگ کا ہوگا ہر رنگ دوسرے سے جدا ہوگا، انتہائی شفاف ہونے کی وجہ سے لباس کے باہر سے پنڈلی کی ہڈی کی مینگ (مغز) بھی نظر آئے گی۔ جب اس کی طرف سے ذرا بھی منہ پھیرے گا اور پھر دوبارہ دیکھے گا تو اس کی آنکھ میں حور کا حسن 70 گنا زیادہ نظر آئے گا حور اس کے لیے آئینہ ہوگی اور وہ حور کے لیے آئینہ۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لِكُلِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يُرٰى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَائِهَا ۝ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:497)

ترجمہ: ان میں سے ہر مرد کو ایسی عورتیں ملیں گی کہ ہر عورت کے 70 جوڑے ہوں گے، اس کی پنڈلی کا مغز اُن سے باہر نظر آئے گا۔

حوروں کا حسن

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت باہر نکل آئے تو مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل جو کوئی بھی اسے دیکھے گا اس کے حسن پر فریفتہ ہو جائے گا۔

بہشتی عورتوں کے حسن کی خوبی کا اندازہ ذیل کے فرمان نبوی ﷺ سے لگایا جا سکتا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنَ النِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَاْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ۝ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:495)

ترجمہ: اگر اہل جنت کی ایک عورت زمین کی طرف جھانکے تو اسے ایسا روشن کردے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان کی چیزیں نظر آئیں اور بھردے وہ اسے خوشبو سے، البتہ اوڑھنی اس کے سر کی بہتر ہے دنیا و مافیہا سے۔

لیکن اس قدر حسن و جمال کے باوجود پاک دامن بیویاں ایسی پاکیزہ ہوں گی کہ اپنے شوہر کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں گی۔

قرآن حکیم میں اللہ عزوجل نے ان کی عفت و پاک بازی اور حسن و جمال کو یوں بیان فرمایا ہے: فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ (سورۂ رحمٰن، آیت:57-56)

ترجمہ: ان بچھونوں پر وہ عورتیں ہیں کہ شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں اور ان سے پہلے ان کو کسی جن وانس نے نہیں چھوا، تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے گویا وہ لعل اور مونگا ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ اہل جنت کی ہر بیوی کے چہرے پر لکھا ہوگا تو میرا محبوب ہے اور میں تیرا حبیب، تیرے لیے میری طرف سے نہ کوئی روگردانی ہے نہ رکاوٹ، نہ میرے دل میں تیرے لیے کوئی کدورت۔ جنتی اپنی بیوی کے سینے کو دیکھے گا تو گوشت اور ہڈیوں کے اندر سے اس کے جگر کی سیاہی میں اس کو اپنا چہرہ نظر آئے گا، پس اس کا جگر اس کے لیے آئینہ ہوگا اور اس کا جگر اس کے لیے عکس نما اور اس جگر کی سیاہی سے بیوی کے حسن میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوگا جیسے پرونے والے دھاگے سے یاقوت میں کوئی عیب نہیں ہوجاتا۔ اس کی سفیدی موتی کی طرح اور آبِ یاقوت کی طرح ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ۔

روایت ہے کہ جنتی سنہری تخت پر ہوگا اور اس کی بیوی سامنے ہوگی۔ جنتی کو انتہائی صفائی اور سفیدی کی وجہ سے اپنے چہرے کا عکس بیوی کے چہرے میں نظر آئے گا۔ جب اس سے قربت کرنا چاہے گا تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے گا لیکن اس کو اپنی غرض سے بلانے کے لیے شرمائے گا، بیوی اس کا مقصد سمجھ جائے گی وہ خود قریب آئے گی، میرے ماں باپ آپ

پر قربان! ذرا میری طرف نگاہ تو اٹھائیے، آج آپ میرے لیے ہیں اور میں آپ کے لیے ہوں۔ جنتی اس سے قربت کرے گا اس وقت اس میں گزشتہ سو مردوں کی طاقت اور چالیس مردوں کی رغبتِ جماع ہوگی۔ وقتِ قربت وہ اس کو دوشیزہ پائے گا اور چالیس روز برابر مشغول رہے گا۔ فرصت سے فارغ ہوگا تو مشک کی خوشبو بیوی کی طرف سے محسوس کرے گا جس کی وجہ سے اس کی محبت اور بڑھ جائے گی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً۔ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا۔ عُرُبًا أَتْرَابًا۔ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ۔ (سورۂ واقعہ، آیت:37)

ترجمہ: بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا اور انھیں بنایا کنواریاں، اپنے شوہر کے لیے پیاریاں اور پیار دلاتیاں۔

ایک روایت ہے کہ جنتی اپنی بیوی کے پاس ایک دفعہ سات سو سال کی بقدر لطف اندوز رہے گا اور منتقل نہ ہوگا، پھر محل سے دوسری بیوی جو پہلی سے زیادہ حسین ہوگی پکارے گی: بھئی! اب ہماری باری کا وقت ہے، جنتی کہے گا: تم کون ہو؟ وہ کہے گی: میں ان میں سے ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ط

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ جنت کے اندر ایسی چار ہزار آٹھ بیویاں اس کی ہوں گی، ہر بیوی کے 70 خدمت گار اور لونڈیاں ہوں گی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ اگر ایک خدمت گار یا لونڈی کو دنیا میں بھیج دیا جائے تو ساری دنیا اس پر کٹ مرے اور فنا ہوجائے اور اگر ایک حور اپنے گیسو زمین پر نمودار کردے تو اس کے نور سے سورج کی روشنی بجھ جائے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! خادم اور مخدوم میں کتنا فرق ہے؟ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ جتنا مدھم ستارے اور چودھویں کے چاند میں ہوتا ہے اس سے یہ گمان نہ کرنا کہ دنیا کی عورتیں حوروں سے حسن میں کمتر ہوں گی، وہ اپنی عبادتوں کی وجہ سے ان سے زیادہ

خوبصورت ہوں گی۔ اگر دنیا میں ایک عورت کے کئی خاوند ہوں گے تو جنت میں سب سے پچھلے خاوند کی بیوی بنے گی اور ایک روایت میں ہے کہ جنت میں اُسے اختیار دیا جائے گا تو وہ اچھے اخلاق والے کو پسند کرے گی۔ (کشف الغمہ، جلد:2، صفحہ:259)

حوروں کا گانا

جنت میں حوریں اپنے خاوند کو خوش کرنے کے لیے خوش الحانی سے گانے سنائیں گی اور وہ ایسی خوش گلو ہوں گی کہ مخلوق نے ویسی آواز کبھی نہ سنی ہوگی مگر ان کا گانا یہ شیطانی گانا نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور پاکی ہوگی اور یہ بھی گائیں گی:

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيْدُ نَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبَاسُ نَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَ كُنَّا لَهٗ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:500)

ترجمہ: ہمیشہ زندہ رہیں گی، پس ہلاک نہ ہوں گی ہم چین کرنے والی ہیں، پس ہم محتاج نہ ہوں گی، ہم راضی ہیں، کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ خوشی ہو اس کے لیے جو ہمارے لیے ہو اور ہم اس کے لیے۔

ہاں! میں اس جنتی کے محل کے بارے میں عرض کر رہا تھا تو سنیئے! ہر قصر کے تین سو ساٹھ دروازے ہوں گے، ہر دروازے پر موتی یاقوت اور جواہر کے تین سو ساٹھ قبے ہوں گے اور ہر قبے کا رنگ دوسرے قبے سے جدا ہوگا۔ جب قصر سے سر نکال کر جھانکے گا تو بقدر مسافت زمین اس کو اپنا ملک نظر آئے گا، جب اس کی سیر کرے گا تو سو برس تک اپنے ہی ملک میں چلتا رہے گا۔ ملک کے اندر جس چیز پر پہنچے گا اس میں سے سب کچھ نظر آئے گا۔

سلام و تحائف

تمام محلات کے فرشتے ہر دروازے سے آئیں گے اور اللہ کی طرف سے سلام اور تحفے لائیں گے۔ ہر فرشتے کے پاس وہ ہدیہ ہوگا جو دوسرے کے پاس نہ ہوگا۔ فرشتے روزانہ آکر دن کو سلام کیا کریں گے اور ان کے ساتھ تحائف ہوں گے۔ اس قول کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں موجود ہے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ

عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ (سورۂ رعد، آیت:24)

نیز اللہ عزوجل نے یہ بھی فرمایا ہے: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۔ (سورۂ مریم، آیت:62)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت والے اس شخص کو مسکین کہیں گے، کیونکہ اس کے مکان سے ان کے مکان کہیں اعلیٰ ہوں گے۔

خدام جنت

اس مسکین کے اسی ہزار رکاب دار ہوں گے جب کہ اونچے درجے والے حلقوں جنتیوں کے خدام کی تعداد آٹھ لاکھ ہوگی۔ چنانچہ کلام مجید میں ہے:

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ۔ (انسان، آیت:19)

یعنی ان کی خدمت میں ایسے خدام ہوں گے جو نابالغ ہوں گے اور کبھی بوڑھے نہ ہوں گے۔ ولدان کا مطلب ہے غلمان، جو کبھی بوڑھے نہ ہوں گے۔ مخلدون کا مطلب ہے جو کبھی بڑے نہ ہوں گے یعنی نابالغ ہی رہیں گے۔

اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا۔ یعنی حسن میں تم ان کو موتی خیال کرو گے۔ منثورًا بکھرے ہوئے موتی یعنی کثرت میں بکھرے ہوئے جن کی تعداد معلوم ہو سکے۔

جنتیوں کے محل

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جنتیوں کے محل نہایت خوبصورت اور وسیع ہوں گے، اتنے وسیع کہ پورے ملک کا گمان ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ط

جب وہاں جنت میں دیکھو گے، تو عالی شان نعمت اور بڑا ملک تم کو دکھائی دے گا۔

کیونکہ ایک جنتی کو ایک ایسا محل ملے گا جس میں 70 محل ہوں گے پھر ہر محل میں 70 گھر ہوں گے، ہر گھر ایک کھوکھلے موتی کا ہوگا اور ہر موتی کی بلندی ایک فرسخ لمبائی اور چوڑائی

ایک فرسخ ہوگی، ہر موتی میں سونے کے چار ہزار کیواڑ ہوں گے اور ہر گھر میں موتی اور یاقوت کی شاخوں سے بنا ہوا ایک تخت ہوگا۔ تخت کے دائیں بائیں چار ہزار سونے کی کرسیاں ہوں گی، کرسیوں کے پائے سرخ یاقوت کے ہوں گے، تخت پر 70 بستر ہوں گے اور ہر بستر اپنے رنگ پر ہوگا۔ جنتی 70 خلعت دریائی کے پہنے بائیں ہاتھ پر سہارا دیے تکیہ لگائے تخت پر بیٹھا ہوگا اور سب سے اندر بدن سے متصل سفید ریشم کا لباس ہوگا، پیشانی پر زرد یاقوت اور رنگ برنگ کے جواہر کی پٹی ہوگی، ہر جواہر کا رنگ جدا ہوگا، سر پر سونے کا تاج ہوگا جس کے 70 کونے ہوں گے اور ہر کونے پر موتی ہوگا جس کی قیمت مشرق ومغرب کے تمام مال کے برابر ہوگی۔

زیورات

ہاتھ میں کنگن ہوں گے، ایک سونے کا ایک چاندی کا اور ایک موتیوں کا اور پاؤں کی انگلیوں میں سونے چاندی کی انگوٹھیاں ہوں گی جن میں رنگارنگ کے نگینے ہوں گے۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ۔

ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

دوسری آیت میں ہے: يُحَلَّوْنَ فِيْهَا اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا۔

ان کو سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے یعنی کنگن تین طرح کے ہوں گے: سونے کے، چاندی کے اور موتیوں کے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت کو اللہ تعالیٰ سونے کی انگوٹھیاں عطا فرمائے گا جن کو وہ پہنیں گے، پھر مرواریں، یاقوت اور لولو کی انگوٹھیاں ہوں گی۔ یہ دارالسلام میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت ملیں گی۔

جنتی لباس

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ہر شخص تہبند اور چادر اور بلا تراشے اور بغیر سلے کپڑے پہنے گا۔ ہر شخص موتیوں کا تاج پہنے گا، تاج کے گردا گرد موتی یاقوت کے سربند

ہوں گے، جوڑوں کے اوپر باریک ریشم کا لباس ہوگا اور باریک ریشم کے اوپر موٹا ریشمی لباس اور سبز حریری لباس ہر شخص پہنے ہوئے ہوگا، سب تکیہ لگائے ایسے بستروں پر بیٹھے ہوں گے جن کا استر ریشمی دریائی اور ابرہ خوبصورت ہوگا، سرخ نفیس کپڑے میں سرخ یاقوت کی دھاریاں ہوں گی، تخت کے پائے موتی کے ہوں گے، تخت پر ایک ہزار بستر ہوں گے، ہر تخت کے سامنے 70 ہزار مسندیں ہوں گی اور دائیں بائیں 70 ہزار کرسیاں ہوں گی جو ایک دوسرے سے مختلف ہوں گی۔

پھر فرمایا: جنت میں جنتی اپنے تخت پر بیٹھا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجے گا جس کے پاس 70 جوڑے کپڑوں کے ہوں گے، ہر جوڑے کا رنگ الگ ہوگا، سب جوڑے فرشتے کی دو انگلیوں میں چھپے ہوں گے، فرشتہ آکر دروازے پر کھڑا ہوگا اور دربان سے کہے گا: میں رب العالمین کا قاصد ہوں، اللہ کے دوست سے میرے لیے اجازت طلب کر۔ چنانچہ دربان کہے گا: میں خود اس سے کلام کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، ہاں اپنے برابر والے دربان سے کہتا ہوں۔ اس طرح 70 دربانوں کو اطلاع ہوگی اور اس طرح جنتیوں کو اطلاع پہنچ جائے گی کہ اللہ کا قاصد آنا چاہتا ہے۔ جنتی اجازت دے گا، فرشتہ اندر آجائے گا اور کہے گا: السلام علیکم یا ولی اللہ! اللہ رب العزت آپ سے راضی ہے اور آپ کو سلام کہتا ہے۔ اس سے وہ بہت خوش ہوگا۔

اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے کچھ نہ کرنے کا فیصلہ نہ کر چکا ہوتا تو وہ اس خوشی کی وجہ سے مر جاتا آیت: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (سورۂ توبہ، آیت:72)

کا یہی مطلب ہے اور آیت: وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا۔ سے بھی یہی جنتی کی شان کا اظہار ہوتا ہے کہ جنتی کو اتنی بڑی حکومت حاصل ہوگی کہ فرشتے بھی بغیر اجازت اندر داخل نہ ہوسکیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ۔ (سورۂ انسان، آیت:21)

ان کا بالائی لباس سبز ریشم کا باریک اور دبیز ہوگا۔

استبرق دبیز دریائی لباس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بدن سے متصل اندرونی لباس سفید ریشم کا ہوگا۔

ہاں میں عرض کررہا تھا کہ اس مسکین کے اسی ہزار تابعدار ہوں گے، جب وہ کھانا کھانا چاہے گا تو بہشت کے خوان لاکر رکھیں گے جو سرخ یاقوت کا ہوگا اور یاقوت زرد اس میں جڑا ہوگا اس کے کنارے موتی یاقوت اور زمرد کے ہوں گے اور پائے موتیوں کے اور ایک کنارہ بیس میل کا ہوگا، 70 قسم کے کھانے اس پر چنے جائیں گے، سامنے اسی خادم کھڑے ہوں گے، ہر خادم کے پاس ایک پیالہ ہوگا جس میں کھانا ہوگا اور ایک گلاس میں پانی ہوگا، ہر پیالے اور گلاس میں اسی قسم کا کھانا ہوگا اور پانی ہوگا جو دوسرے میں نہیں، ایک کھانا دوسرے کھانے سے اور ایک شربت دوسرے شربت سے مشابہ ہوگا۔ اول کا مزہ اور لذت آخر کے مزہ اور لذت جیسا ہوگا، ہر رنگ کے کھانے اور شربت کا کچھ حصہ جنتی ضرور کھائے گا، خوان سامنے سے اٹھایا جائے گا تو ہر خادم کو اس پس خوردہ کھانے اور شربت میں حصہ ضرور ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اونچے درجوں والے اس کی زیارت کریں گے اور یہ ان کی نجات نہیں کرسکے گا اونچے درجے والے کی خدمت میں آٹھ لاکھ خدمت گار ہوں گے، ہر خدمت گار کے ہاتھ میں ایک پیالہ ہوگا جس میں کھانا ہوگا۔ جو ایک دوسرے سے مختلف ہوگا اور ہر رنگ کا کھانا بہشتی کھائے گا اور پس خوردہ میں سے ہر خدمت گار کو حصہ ملے گا، ہر جنتی کی 72 بیویاں حوریں اور دو بیویاں انسان ہوں گی۔ ہر بیوی کا قصر سبز یاقوت ہوگا جس میں یاقوت سرخ جڑے ہوں گے، ہر قصر کے 70 ہزار کواڑ ہوں گے، ہر کواڑ پر موتی کا ایک قبہ ہوگا، ہر بیوی 70 جوڑے پہنے ہوگی اور جوڑے میں 70 رنگ ہوں گے، کوئی جوڑا دوسرے کے مشابہ نہ ہوگا، ہر بیوی کی پیش خدمت ہزار لونڈیاں کھڑی ہوں گی اور 70 ہزار لونڈیاں اس کی مصاحب ہوں گی، ہر لونڈی کو اس بیوی نے کام پر لگا رکھا ہوگا۔ جب کھانا سامنے آئے گا تو 70 ہزار لونڈیاں سامنے کھڑی ہوں گی اور ہر لونڈی کے ہاتھ میں ایک پیالہ ہوگا اور شربت سے بھرا ہوا ایک گلاس ہوگا، ہر پیالے کا کھانا اور گلاس کا شربت دوسرے سے مختلف ہوگا۔

جنتی کا کھانا

ایک روایت میں ہے کہ جنتی اپنے مرصع تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا، اس کے سامنے دس ہزار خادم لڑکے ہوں گے جو نہ بڑے ہوں گے اور نہ کبھی بوڑھے ہوں گے، سامنے یاقوت سرخ کا ایک خوان رکھا جائے گا جو ایک میل لمبا اور ایک میل چوڑا ہوگا، اس میں 70 ہزار سونے چاندی کے برتن ہوں گے، ہر برتن میں 70 رنگ کا کھانا ہوگا۔ جنتی اگر کوئی لقمہ کسی کھانے کا ہاتھ سے اٹھائے گا اور اسی اثنا میں کسی دوسرے رنگ کے کھانے کی خواہش کرے گا تو فوراً لقمہ پلٹ کر خواہش کے مطابق کی حالت پر آجائے گا۔ سامنے غلمان کھڑے ہوں گے جن کے ہاتھوں میں چاندی کے کوزے ہوں گے، ان کے پاس شراب اور پانی ہوگا، جنتی چالیس آدمیوں کے برابر کھانا کھائے گا، پھر غلمان اسے اس کی پسند کا شربت پلائیں گے۔ جب ڈکار آئے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے خواہش طعام کے دروازے کھول دے گا اور پانی پی کر جب اسے پسینہ آئے گا تو اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی اشتہا کے ہزاروں دروازے کھول دے گا یعنی پسینے اور ڈکار سے کھانا تحلیل ہوکر ہضم ہوجائے گا۔

بڑی بختی اونٹنیوں کے برابر پرندے دروازوں سے داخل ہوں گے اور جنتی کے سامنے آکر کھڑے ہوجائیں گے، ہر پرندہ دنیا کے ہر گانے والے سے زیادہ لذت آگیں خوش آوازی کے ساتھ اپنی صفت بیان کرے گا اور کہے گا: اے اللہ کے دوست! مجھے کھالے میں اتنی مدت جنت کے باغوں میں چرتا رہا ہوں۔ تمام پرندے خوبی کے ساتھ جنتی کے سامنے اپنی آوازیں نکالیں گے، جنتی ان کی طرف نگاہ اٹھائے گا تو سب سے زیادہ بلند آواز اور خوش بیان پرندے کو پسند کرے گا۔ اللہ ہی واقف ہے کہ کتنی دیر اس میں یہ خواہش رہے گی، یکایک وہ پرندہ خوان پر گر جائے گا کچھ نمکین خشک کیا ہوا، کچھ بھنا ہوا۔ برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں جنتی اس میں سے کھائے گا۔ جب سیر ہوجائے گا اور بس کرے تو وہ ویسا ہی پرندہ بن کر اسی دروازے سے نکل جائے گا جس سے داخل ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت کے پرندوں کے 70 ہزار پر ہوں گے اور اگر مومن

ان میں سے کسی کی خواہش کرے گا تو اس پرندے کو لا کر پیالے کے اندر رکھ دیا جائے گا، وہ پر پھڑ پھڑائے گا جس سے سبز رنگ کے کھانے تیار ہوں گے۔ کچھ پکا ہوا گوشت، کچھ بھنا ہوا اور مختلف رنگوں کے ان کا مزہ من سے زیادہ پاکیزہ اور مکھن سے زیادہ لطیف ہوگا اور وہ چھاچھ سے زیادہ سفید ہوں گے۔ جب مومن کھا چکے گا تو پرندہ پھڑ پھڑا کر اڑ جائے گا اور اس کا ایک پر بھی کم نہ ہوگا۔

☆☆☆

انتیسواں وعظ

دربیانِ جنت و دیدارِ خداوندی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ (سورۂ قیامہ، آیت: 22-25)

سب تعریفیں اس خالق باری کو سزاوار ہیں جس نے دنیا کو انسان کے فائدے اور استعمال کے لیے قسم قسم کی چیزیں پیدا کر کے انسان کو ان کا مختار بنایا۔ پھر آخرت ان پاکبازوں کے لیے سنواری جو اللہ اور اس کے رسول پر پوری طرح ایمان لائے۔

لاکھوں اور کروڑوں درود و سلام اس ذات بابرکات پر کہ جس نے ہمیں غیب کی باتوں سے آگاہ کر کے ہمارے ایمان کو پختہ بنایا، تاکہ ہم راہ راست پر بلا تردد چل سکیں اور ان ہی کے طفیل اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن شدت حساب اور جہنم کے حول سے محفوظ رکھے گا کہ اس روز میدان قیامت میں جہنم کو مؤکل فرشتے کھینچ کر لائیں گے، دوزخ کی پھنکاریں اور دھاڑیں، دھنساؤ اور تاریکی اور کڑک اور شدت غضب کو دیکھ کر بڑے بڑوں کے دل دہل جائیں گے۔ فرشتے اسے لا کر جنت اور قیام گاہ خلائق کے درمیان کھڑا کر دیں گے۔ جہنم منہ زوری سے خلائق کو کھانے کے لیے بھاگے گی مگر مؤکل، زنجیروں سے اسے روک دیں گے۔ لیکن اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو یہ ہر مومن اور کافر کو چٹ کر جائے۔ جب وہ شدت غضب میں اندر کو سانس کھینچے گی تو اس کے دانت بجنے کی آواز آئے گی جو سب مخلوق سنے گی، اس وقت دل لرز جائیں گے، اڑنے اور باہر نکلنے لگیں گے، آنکھیں پتھرا جائیں گی اور دل اچھل کر حلق میں آ جائیں گے۔ مقرب فرشتے یا نبی مرسل سب کے سب دوزانو ہو کر میدان حشر میں بیٹھ

جائیں گے، پھر دوزخ باہر کو سانس نکالے گی تو کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کی آنکھ سے آنسو نہ نکل پڑیں گے۔ تیسری سانس لے گی تو نیک ترین لوگ جن کے اعمال انبیا کے برابر ہوں گے وہ بھی خیال کریں گے کہ میں اس میں ضرور گروں گا۔ چوتھی دفعہ سانس لے گی تو تمام مقرب فرشتے اور انبیا وغیرہم نفسی نفسی پکاریں گے۔

اس وقت اللہ عزوجل اپنے کرم سے اہل ایمان، اہل توحید اور اہل سنت کے لوگوں کو مومنوں کو جو نذروں کو پورا کرتے اور عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں اس جہنم کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ آسمانوں کے ستاروں کی طرح لوگوں پر چنگاریاں پھینک رہی ہوگی۔

ایسے لوگوں کے لیے ہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ

ترجمہ: کچھ چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے۔

لیکن جو کافر، مشرک یا منافق اور بے ایمان ہوں گے وہ اس عذاب سے نہ بچ سکیں گے اور اس روز ان کے لیے خرابی ہوگی۔ چنانچہ ان کے لیے ارشاد ہے:

وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۙ تَظُنُّ أَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۗ

کچھ چہرے اس روز بگڑے ہوں گے جو خیال کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ ہونے والا ہے۔

مومنین کے حق میں اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا ہے: وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۚ

یعنی ان کے چہروں پر تروتازگی اور ان کے دلوں میں سرور ہوگا۔

اس کی صورت یوں ہوگی کہ قیامت کے روز جب مومنین قبروں سے باہر آئیں گے، ان کے سامنے ایک شخص خنداں وفرحاں ہوگا جس کا چہرہ آفتاب کی طرح ہوگا، آئے گا اور کہے گا: اللہ کے ولی! تجھ پر سلامتی ہو، مومن کہے گا: آپ پر بھی سلامتی ہو، بندۂ خدا آپ کون ہیں؟ کیا کوئی فرشتہ ہیں؟ وہ کہے گا: نہیں، تو کیا آپ کوئی پیغمبر ہیں؟ وہ کہے گا: نہیں، تو مومن کہے گا: کیا آپ کوئی اہل قرب میں سے ہیں؟ وہ کہے گا: نہیں، پھر مومن کہے گا: آپ کون ہیں؟ تو وہ جواب دے گا: میں آپ کا عمل صالح ہوں، میں دوزخ سے نجات اور جنت ملنے کی خوشخبری

دینے آیا ہوں، مومن کہے گا: اے اللہ کے بندے! آپ ان باتوں سے واقف ہیں جن کی بشارت دے رہے ہیں، وہ کہے گا: جی ہاں! تو مومن کہے گا: آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ وہ کہے گا: مجھ پر سوار ہوجائیے، مومن کہے گا: واللہ! آپ جیسے پر سوار ہونا مناسب نہیں، وہ کہے گا: کیوں نہیں؟ میں دنیا میں ایک مدت آپ پر سوار رہا۔ اب آپ اللہ کے لیے مجھ پر سوار ہوجائیے۔ چنانچہ مومن اس پر سوار ہوجائے گا اور وہ جنت کی طرف اس کی رہبری کرے گا۔ مومن اس بات سے بہت خوش ہوگا اور اس کا چہرہ جگمگا اٹھے گا۔ چنانچہ اس آیت: وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ کی تصدیق ہوجائے گی۔

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۚ اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ شراب طہور پلائے گا۔

اس کی صورت یہ ہوگی کہ جنت کے دروازے پر ایک درخت کی جڑ سے دو چشمے پھوٹ کر نکلیں گے، آدمی جب پل صراط سے گزر کر ان چشموں تک پہنچے گا تو ایک چشمہ میں جا کر نہائے گا جس کی خوشبو مشک سے بھی پاکیزہ ہوگی، اس کا گہراؤ تقریباً 70 گز قدِ آدم کے برابر ہوگا۔

جنتی کا قد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام اہل جنت اعلیٰ ادنیٰ حضرت آدم کے قد پر جوان ہوں گے۔ بے بال، بے ریش اور بروت گہری سرمگیں آنکھوں والے ہوں گے۔ حضرت آدم کا قد ساٹھ گز تھا، اہل جنت اور ان کی عورتیں سب ایک مقدار کے ہوں گے۔

جنتی کی عمر

اہلِ جنت مرد ہوں یا عورتیں سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر کے یعنی 33 سال کے ہوں گے۔ بچہ بڑا ہوجائے گا اور بوڑھے کی عمر گھٹ کر 33 سال ہوجائے گی۔

(غنیۃ الطالبین)

جنتی کا حسن

اہلِ جنت مرد ہوں یا عورتیں سب کے سب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

برابر حسین ہوں گے۔ (غنیۃ الطالبین)

جنتی کا دل

جنتی ایک چشمہ میں نہا کر دوسرے چشمہ کا پانی پئے گا۔ جو اس کے دل کو پاک کر دے گا اور اس کا دل حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل کی طرح پاک ہوگا۔

جنتی کی زبان

تمام اہل جنت کی زبان حضور نبی کریم ﷺ کی زبان پر عربی ہوگی۔
اس کے بعد تمام جنتی چل کر جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو دربان کہیں گے: آپ کا مزاج ٹھیک ہے۔ جنتی کہیں گے: جی ہاں! تو دربان کہیں گے: ہمیشہ کے لیے اندر آجائیے۔ دربان ان کو پہلے یہ بشارت دے دیں گے کہ وہ داخل ہونے کے بعد پھر کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔

سب سے پہلے جب آدمی جنت میں داخل ہوگا تو کراماً کاتبین اعمال لکھنے والے ساتھ ہوں گے اور سامنے سے ایک فرشتہ آئے گا۔

جنتی کی سواری

جس کے ساتھ سبز یاقوت کی ایک عمدہ اونٹنی ہوگی، اس کی مہار سرخ یاقوت کی ہوگی۔ پالان کا اگلا اور پچھلا حصہ موتی اور یاقوت کا ہوگا۔ پالان کے دونوں پہلو سونے اور چاندی کے ہوں گے۔ فرشتے کے ساتھ لباس کے 70 جوڑے بھی ہوں گے۔ جنتی جوڑے پہن لے گا تو فرشتہ اس کے سر پر تاج رکھے گا۔ جنتی کے جلو میں دُر مکنوں ''سیپ میں چھپے ہوئے صاف اور شفاف موتی'' جیسے دس ہزار غلمان ہوں گے۔ فرشتہ کہے گا: اے اللہ کے دوست! سوار ہو جائیے، یہ آپ کا ہے اور اسی طرح کے آپ کے لیے اور بھی ہیں۔ چنانچہ جنتی سوار ہو جائے گا۔ اونٹنی کے پرندوں کی طرح دو بازو ہوں گے اور بقدر رسائی نگاہ اس کا قد ہوگا۔ اس طرح جنتی اپنے مکان پر پہنچ جائے گا اور محلات کے پاس اترے گا جن کا ذکر پہلے وعظ میں آچکا ہے۔

چنانچہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا۔ یعنی تمہارے نیک اعمال کی کوششوں کی قدر کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں جنت عطا فرمائے گا۔

جنت کی کیفیت

عرض کیا گیا: یارسول اللہ! جنت کی زمین کیسی ہے؟ فرمایا: چاندی کے چکنے مرمریں پتھروں کی۔ اس کی مٹی مشک کی ہوگی، ٹیلے زعفران کے ہوں گے، چوطرفہ احاطہ کی دیواریں موتی یاقوت اور سونے چاندی کی ہوں گی کہ اندر سے باہر کی چیز اور باہر سے اندر کی چیز نظر آئے گی۔ جنت میں کوئی محل ایسا نہ ہوگا جس کا اندرون باہر سے اور بیرون اندر سے نظر نہ آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین جنتیں ہیں:
پہلا 'الجنہ' دوسرا 'عدن' اور تیسرا 'دار السلام'
الجنہ عدن سے 70 کروڑویں حصے چھوٹی ہے، الجنہ کے محل باہر سے سونے کے اور اندر سے زمرد کے ہوں گے، اس کے برج یاقوت سرخ کے اور جھرو کے موتیوں کی لڑیوں کے ہوں گے۔

فرمایا: جنت کے سو درجے ہوں گے، ہر دو درجوں کے درمیان ایک امیر ہوگا جس کی بزرگی اور برتری کا سب اقرار کریں۔ جنت کے پہاڑ سفید مشک اور زرد زعفران کے ہوں گے۔

نہریں اور چشمے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں محل ہیں اور ہر محل میں چار نہریں ہیں: ایک صاف پانی کی، دوسری صاف دودھ کی، تیسری صاف شراب کی اور چوتھی صرف شہد کی۔ اگر جنتی کسی نہر کا پانی پئے گا تو آخر میں مشک کی خوشبو محسوس کرے گا۔
جنت کے چشموں کا پانی لیے بغیر نہروں کا پانی جنتی پئیں گے، ایک چشمے کا نام زنجبیل۔ دوسرے کا نام تسنیم اور تیسرے کا نام کافور ہے۔ چشمۂ کافور سے صرف اہل قربت ہی

پئیں گے۔

فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ نہ کر چکا ہوتا کہ اگر اہل جنت کاسہ لینے میں جھپٹا جھپٹی کریں گے تو اہل جنت کبھی انھیں منہ سے علیحدہ نہ کرتے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا ۔ سے مراد وہ شراب جو برتن میں ہو، یعنی جو شراب برتنوں میں دی جائے گی اسے کاس کہتے ہیں اور خمر وہ ہوتی ہے جو برتن میں ہو۔

كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ۔ اس کا ذائقہ زنجبیل جیسا ہوگا یعنی سب میں چشمہ زنجبیل کا پانی ہوگا۔

عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا یعنی وہ چشمہ جو جنت عدن سے نکل کر ہر جنت سے ہو کر پھر جنت عدن لوٹ آئے گا۔ اس طرح تمام جنتوں میں اس کا بہاؤ ہوگا۔

جنت کے برتن

چونکہ شراب کے ساتھ برتن کا ذکر آتا ہے اس لیے برتن کا ذکر بھی کر دینا چاہیے کہ جنت میں برتن کس قسم کے ہوں گے۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ ۔ ان پر چاندی کی حروف اور کوزوں کا دور ہوگا۔

اکواب وہ کوزے ہوتے ہیں جن کے سر گول ہوں اور قبضے نہ ہوں۔

قواریرا کا مطلب ہے مینا، لیکن چاندی کے یعنی پانی پینے کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے۔

دسترخوان کے متعلق پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یاقوت سرخ زمرد کے ہوں گے۔

جنت کا موسم

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ۔ (انسان، آیت:13)

ان کو وہاں دھوپ کی گرمی محسوس ہوگی نہ سردی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں موسم معتدل رہے گا۔ نہ گرمی کی شدت ہوگی نہ شدت سردی۔

جنت کے درخت

سورۂ دہر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۔

ان پر وہاں درختوں کا سایہ ہوگا اور پھل اس قدر جھکے ہوں گے کہ وہ آسانی سے کھا سکیں گے یعنی پھل اس قدر جھک جائیں گے کہ چاہیں کھڑے ہو کر کھائیں، چاہیں بیٹھ کر اور چاہیں لیٹ کر کھائیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں بعض درختوں کے تنے سونے کے بعض کے چاندی کے بعض کے یاقوت کے اور بعض کے زمرد کے ہوں گے اور شاخیں بھی تنوں کی طرح ہوں گی اور پتے حسین ترین کپڑوں کی طرح ہوں گے، پھل مکھن سے زیادہ شیریں ہوں گے، ہر درخت کی لمبائی پانچ سو برس کی مسافت کے برابر اور جڑ کی موٹائی 70 سال کے راستے کے برابر ہوگی۔ جب آدمی نگاہ اٹھا کر درخت کی چوٹی کی طرف دیکھے گا تو اس کو چوٹی کی شاخیں پھل نظر آئیں گے اور ہر درخت کے پھل 70 ہزار قسم کے ہوں گے اور کسی پھل کا رنگ اور مزہ دوسرے پھل جیسا نہ ہوگا۔

جس قسم کے پھل کی خواہش ہوگی وہ شاخ جس میں وہ پھل ہوگا پانچ سو یا پچاس برس یا اس سے کم کی راہ طے کر کے نیچے جھک جائے گی، یہاں تک کہ خواہش کرنے والا چاہے گا تو اسے ہاتھ سے لے لے گا اور نہ لے سکے گا تو اپنا منہ کھول دے گا تو پھل منہ میں آ جائے گا۔

جس پھل کو توڑے گا، فوراً اس کی جگہ دوسرا اس سے خوبصورت اور عمدہ پھل پیدا ہو جائے گا۔

جب آدمی اپنی غرض پوری کر چکے گا اور بس کرے گا تو شاخ وہیں لوٹ جائے گی۔ بعض درخت پھل دار نہ ہوں گے بلکہ ان میں شگوفے ہوں گے، جن میں مشک اور کافور ہوگا۔ بعض درختوں کے شگوفوں میں باریک ریشمی کپڑے اور خوبصورت نفیس سرخ لباس ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں اگر سات سو برس گھوڑے کا سوار چلے تو طے نہ کر سکے۔ اس کے نیچے دریا بہتے ہیں، اس کی ہر شاخ پر شہر تعمیر ہے۔ ہر شہر کی لمبائی دس ہزار میل ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ اتنا

ہے جتنا مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔"

سلسبیل کے چشمے ان محلات سے نکل کر ان شہروں تک جاتے ہیں اس درخت کے ایک پتے کے سائے میں ایک عظیم الشان گروہ آسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہر جنتی کا ایک درخت ہوگا جس کا نام طوبیٰ ہوگا۔ جب کوئی اعلیٰ لباس پہننا چاہے گا تو وہ طوبیٰ کے پاس جائے گا، طوبیٰ کے شگوفے کھل جائیں گے اور وہ چھ رنگ کے ہوں گے۔ ہر شگوفے میں 70 رنگ کے کپڑے ہوں گے۔ کوئی کپڑا دوسرے کے رنگ کا نہیں ہوگا، نہ اس کے نقوش دوسرے کے نقوش کی طرح ہوں گے۔ جنتی جس میں سے چاہے گا لالہ کی پتی سے لطیف کپڑا اس میں سے لے لے گا۔"

سامانِ جنت کی فراوانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ادنیٰ بخشش والا وہ جنتی ہوگا کہ اگر اس کے تمام جن و انس مہمان ہو کر آجائیں تو اس کے پاس کرسیاں، بستر، غالیچے اور مسندیں اتنی ہوں گی کہ سب بیٹھ جائیں اور سب تکیہ لگائیں۔ ان کی ضرورت سے زائد خوان پیالے، خدمت گار اور کھانا پینا سب کچھ ہوگا اور اس میزبان کو صرف اتنی تکلیف ہوگی جتنی ایک مہمان کے آنے سے ہوتی ہے۔

لوجہ اللہ محبت رکھنے والے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوجہ اللہ محبت رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت عدن کے اندر سرخ یاقوت کے ایک ستون پر فروکش کرے گا جس کی موٹائی 70 ہزار برس کی راہ کے برابر ہوگی۔ اس ستون پر 70 ہزار کمرے ہوں گے اور ہر کمرے کا ایک قصر ہوگا۔ لوجہ اللہ محبت کرنے والے کو اوپر سے تمام اہل جنت دیکھیں گے، ان کی پیشانیوں پر نور ہوگا اور اس نور سے یہ لکھا ہوگا۔ یہ لوجہ اللہ باہم محبت رکھنے والے ہیں، جب ان میں سے کوئی اپنے عمل سے جنت میں جھانکے گا تو اس کے چہرے کے نور سے جنت والوں کے قصر بھر جائیں گے، جیسے آفتاب کی روشنی سے زمین والوں کے گھر بھر جاتے ہیں۔ ایک جنتی دوسرے سے کہے گا: یہ روشنی لوجہ اللہ باہم دوستی کرنے والوں کی ہے۔ یہ کہتے ہی اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی

طرح ہو جائے گا۔

دیدارِ الٰہی

جب سارے کام مکمل ہو جائیں گے تو جنت کے اندر ایک منادی ندا کرے گا۔ اس کی آواز اوپر نیچے اور دور و نزدیک والے سب سنیں گے، وہ کہے گا: اے اہل جنت! تم کو اپنے گھر پسند آئے؟ سب کے سب بالاتفاق جواب دیں گے: ہاں! خدا کی قسم ہمارے رب نے ہمیں عزت کی جگہ اتارا۔ ہم یہاں سے منتقل ہونا چاہتے ہیں، نہ اس کے عوض دوسرے گھر کے خواستگار ہیں۔ ہم اپنے رب کے جوار کو پسند کرتے۔ یا اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرے منادی کی ندا سنی اور اس کو سچا جواب دیا۔ یا اللہ! اے ہمارے رب ہم تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں کہ تیرا دیدار سب سے بڑا ثواب ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ جنت کو جس کا نام دارالسلام ہے اور اسی جنت میں اللہ تعالیٰ کی زردگاہ اور مجلس ہوگی۔ حکم دے گا کہ اپنی سجاوٹ کرلے، آراستہ اور تیار ہو جا کہ میں اپنے بندوں کو اپنی زیارت کراؤں۔

جنت رب کا حکم سنے گی اور بات ختم ہونے سے پہلے حکم کی تعمیل کرے گی اور تیار ہو جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ میری ملاقات کے لیے میرے بندوں کو بلاؤ۔ فرشتہ بارگاہ الٰہی سے نکل کر لذت آگیں لمبی اور اونچی آواز میں پکارے گا۔

اے اہل جنت! اے اللہ کے دوستو! اپنے رب کی زیارت کرو۔ اس کی آواز سن کر سب جنتی اونٹنیوں اور نجیروں پر سوار ہو کر سایہ میں مشک اور زرد زعفران کے ٹیلوں کی طرف چل دیں گے اور دروازے کے پاس سلام کریں گے اور کہیں گے: سَلَامٌ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا۔ پھر داخلہ کی اجازت طلب کریں گے۔ اجازت ملنے پر اندر داخل ہونے کا ارادہ کریں گے اور جوں ہی دروازے سے داخل ہوں گے، عرش معلیٰ سے ایک ہوا چلے گی جس کا نام 'مشیرہ' ہوگا اور مشک اور زعفران کے ٹیلوں کا غبار اڑ کر ان کے گریبانوں تک سروں اور کپڑوں پر ڈال دے گی۔ اندر داخل ہوں گے تو اپنے رب کے تخت اور کرسی کی طرف نظر اٹھائیں گے تو ایک نور جگمگاتا دکھائی دے گا مگر

رب جلوہ انداز نہ ہوگا، جنتی کہیں گے۔ اے ہمارے رب! تو ہر عیب سے پاک ہے تو قدوس ہے تو ملائکہ اور روح کا رب ہے تو برکت والا اور عالی مرتبہ ہے، ہم کو اپنا چہرہ دکھا، اللہ تعالیٰ نور کے پردوں کو حکم دے گا کہ ہٹ جاؤ، وہ فوراً سجدے میں گر جائیں گے اور جتنی دیر اللہ تعالیٰ چاہے گا پڑے رہیں گے اور سجدے میں کہیں گے، ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ تیرے ہی لیے ہر حمد اور ہر پاکی سزاوار ہے تو نے ہمیں دوزخ سے بچایا اور جنت میں داخل فرمایا: جنت بڑا اجاگر ہے، ہم تجھ سے مکمل طور پر راضی ہیں تو بھی ہم سے راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں بھی تم سے مکمل طور پر راضی ہوں اور یہ بندگی اور حمد وثنا کا وقت نہیں خوش عینی اور راحت کا وقت ہے، مجھ سے مانگو عطا کروں گا، آرزو کرو میں اس سے زیادہ دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنتی بغیر کچھ کہے دل میں آرزو کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ ہمیشہ قائم رہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے وہ اور اسی کی مثل جو میں تم کو اور دوں گا ہمیشہ قائم رہے گی۔ اہل جنت اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھائیں گے اور اللہ رب العزت کے نور کی شدت کی وجہ سے اس کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکیں گے۔ اس مجلس کا نام ہوگا قبہ عرش رب العالمین سے پورب والی مجلس۔ (غنیۃ الطالبین)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندو! اے میرے جوارِ رحمت کے ساکنو! اے وہ لوگو! جن کو میں نے چن لیا ہے۔ اے مجھ سے محبت کرنے والو! اے وہ لوگو! جن کو میں نے اپنی مخلوق اور اطاعت گزاروں میں سے چن لیا ہے تمہارے لیے مرحبا ہو۔

اس کے بعد عرش رب العالمین کے سامنے نور کے کچھ منبر نظر آئیں گے۔ منبروں سے نیچے نور کی کچھ کرسیاں ہوں گی۔ کرسیوں کے نیچے فرش ہوں گے جن پر غالیچے ہوں گے اور ان کے نیچے مسندیں ہوں گی۔ اللہ رب العزت فرمائے گا اپنی عزت پر بیٹھو، سب سے آگے بڑھ کر رسول منبروں پر پھر انبیا کرسیوں اور صالحین مسندوں پر بیٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد نور کے خوان بچھائے جائیں گے۔

دعوتِ خوان

ہر خوان پر 70 رنگ ہوں گے اور ان کی آرائش مروارید و یاقوت سے کی گئی ہوگی۔ اللہ

رب العزت خدمت گاروں سے فرمائے گا کہ ان کو کھانا کھلاؤ، ہر خوان پر موتی اور یاقوت کے 70 پیالے رکھ دیے جائیں گے اور ہر پیالے میں 70 رنگ کا کھانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندو! کھاؤ۔ بندے حسب منشائے ربانی کھائیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا اس کھانے کے مقابلے میں وہ ہیچ ہے جو ہمارے گھروں میں ہے، پھر اللہ رب العزت فرمائے گا: میرے بندوں کو پلاؤ، تو خدمت گار مشروب لا کر پلائیں گے۔ اہل جنت باہم کہیں گے ہمارے مشروبات اس مشروب کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

پھر فرمایا جائے گا کہ ان کو فواکہ دو، تو خادم پھل لا کر پیش کریں گے۔ جنتی ان کو کھا کر کہیں گے ہمارے پھل ان کے سامنے بے حقیقت ہیں۔

پھر لباس اور زیور پہنانے کا حکم ہوگا تو جنتی ان لباسوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ اس خلعت کے سامنے ہمارا لباس بالکل ہیچ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ زیر عرش سے ایک ہوا بھیجے گا جو ان پر مشک اور کافور کا برف جیسا سفید غبار ان کے سروں کپڑوں اور گریبانوں پر ڈال کر ان کو معطر کر دے گی پھر خوان اٹھا لیے جائیں گے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندو! اب مجھ سے مانگو، میں عطا کروں گا، تمنا کرو، میں پوری کروں گا۔ سب یک زبان ہو کر کہیں گے: یا اللہ! ہم تیری خوشنودی کے طلب گار ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں، سب سجدے میں گر پڑیں گے اور سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہیں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا: میرے بندو! سر اٹھاؤ یہ عبادت کا وقت نہیں خوشی اور راحت کا وقت ہے۔ بندے سر اُٹھائیں گے اور پروردگار کے نور کی وجہ سے ان کے چہرے درخشاں ہوں گے، پھر اللہ رب العزت اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت فرمائے گا۔ جب سب لوگ بارگاہ ایزدی سے باہر نکلیں گے تو غلمان سواریاں لے کر کھڑے ہوں گے اور وہ اپنی سواریوں پر اپنے محلات کی طرف روانہ ہوں گے جہاں ان کی بیویاں ان کا استقبال کریں گی اور کھڑی ہو کر مرحبا کہیں گی اور کہیں گی: میرے محبوب! آپ تو بڑے حسن نور جمال لباس زیور اور خوشبو کے ساتھ آئے مگر

میں آپ سے جدا نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ اونچی آواز سے پکارے گا: اے اہل جنت! یوں ہی نو بہ نو نعمتیں تم کو ملتی رہیں گی۔

بازارِ جنت

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اہل جنت جب دیدارِ الٰہی سے واپس ہوں گے تو ان کو ایک انار دیا جائے گا جس کا رنگ سبز ہوگا اس میں 70 دانے ہوں گے اور ہر دانے کے سو رنگ ہوں گے اور کوئی دانہ دوسرے کے رنگ پر نہیں ہوگا۔

نیز واپسی میں جنت کے بازاروں سے گزریں گے جہاں خرید وفروخت نہ ہوگی لیکن وہاں زیور، ریشم کا باریک کپڑا آراستہ اور منقش ریشم، خوبصورت موتی اور یاقوت اور معلق چیز کہ جس قدر چاہیں گے، لے لیں گے۔ لیکن وہاں کوئی کمی نہ ہوگی۔ وہاں حسین ترین تصویریں ہوں گی، جیسے آدمیوں کی تصویریں ہوتی ہیں ہر تصویر کے سینے پر لکھا ہوگا: "جو شخص آرزومند ہو کہ اس کا حسن میری طرح ہوجائے تو اس کا حسن میری طرح ہوجائے گا۔"

چنانچہ جو شخص آرزو کرے گا اس کا حسن اور چہرے کے خدوخال اس جیسے ہوجائیں گے۔

جب یہ لوگ اپنے گھر لوٹ کر آئیں گے تو غلمان صف بستہ کھڑے ہوں گے اور مرحبا اور سلام کہتے ہوئے آئیں گے، ہر ایک اپنے برابر والے کو بشارت دے گا۔ یہاں تک کہ یہ خوشخبری اس کی بیوی کو پہنچ جائے گی۔ بیوی خوشی کو ضبط نہ کرسکے گی، فوراً کھڑی ہوجائے گی اور دروازے پر آکر مرحبا اور سلام کہے گی، پھر دونوں باہم گلے ملیں گے اور معانقہ کرتے ہوئے اندر چلے جائیں گے۔ (غنیۃ الطالبین)

اہل جنت جب ڈکار لیں گے تو ان کی ڈکار مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی۔ جب پانی پئیں گے تو ان کے بدن کی جلد سے پھوٹ کر نکلے گا۔ پاخانہ پیشاب کی ان کی ضرورت نہ ہوگی، نہ تھوکیں گے، نہ ناک سنکیں گے اور نہ انہیں دردِ سر ہوگا۔ (غنیۃ الطالبین)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بالائی طبقہ والے اور نچلے طبقے والے سب اہل جنت دو

ساعت تک صبح کا کھانا کھائیں گے، چار ساعت تک خالق کی بزرگی بیان کریں گے اور دو ساعت باہم ملاقاتیں کریں گے۔ جنت میں رات بھی ہوگی اور دن بھی، وہاں کی رات کی تاریکی دنیا کی دن کی سفیدی سے 70 گنا روشن ہوگی۔ (غنیۃ الطالبین تصنیف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

☆☆☆

تیسواں وعظ

در بیانِ نارِ جہنم وما فیہا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً وَّقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔ (سورہ تحریم، آیت:6)

سب تعریفیں اس مالک حقیقی کے لیے سزاوار ہیں جو رحمن بھی ہے رحیم بھی، ستار بھی ہے، غفار بھی اور جبار و قہار بھی۔ اگر وہ اپنے اطاعت گزاروں کے لیے ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے تو اپنے نافرمانوں کے لیے شدید العقاب ہے۔ بے شک اس نے اپنے نافرمانوں کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ اشد العذاب ہے۔ عذاب النار یعنی دوزخ کی آگ سے کفار کا نکلنا محال ہوگا۔

اس سے پہلے کہ میں عرض کردوں دوزخ کیا چیز ہے، یہ بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ دوزخ کفار کا تو ٹھکانہ ہی ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔ کہ وہ کفار کے لیے تیار کی گئی لیکن ساتھ ہی اللہ عزوجل نے ایمان والوں سے بھی فرمایا ہے کہ تم بھی اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا

ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

یہ حکم اس لیے ہے کہ قیامت کے دن اعمال میزان میں تلیں گے اور جس کا پلڑا بھاری ہوگا جنت میں جائے گا اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا دوزخ کے پیٹ میں کہ جیسے ماں کے پیٹ میں اس کا بچہ سب کچھ اپنی ماں سے حاصل کرتا ہے۔

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ۔ (سورۃ القارعہ، آیت:6-11)

ترجمہ: پس جس کے میزان کا پلڑا بھاری ہوگا وہ عیش میں راضی رہے گا اور لیکن جس کے نیک اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا تو وہ ہاویہ کے پیٹ میں جائے گا جس کا تجھے ادراک نہیں وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا اور اس یقینی دن سب مخلوق ایک میدان میں جمع ہوگی تو ایک سیاہ سائبان ان پر چھا جائے گا۔ تاریکی کی اس شدت کی وجہ سے کوئی کسی کو دکھائی نہ دے گا۔ سب لوگ اپنے قدموں پر کھڑے ہوں گے۔ ان کے اور ان کے رب کے درمیان 70 سال کی مسافت کے برابر فاصلہ ہوگا۔ یکایک فرشتوں پر خالق باری تعالیٰ کا جلوہ پڑے گا۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ تاریکی چھٹ جائے گی اور سب مخلوق پر ان کے رب کا نور چھا جائے گا۔ ملائکہ اپنے خالق کے عرش کے گرد گھیرا باندھے تسبیح و تحلیل میں مصروف ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ساری مخلوق صف در صف کھڑی اور ہر امت الگ گوشہ میں قائم ہوگی، یک دم اعمال نامے اور میزان لائے جائیں گے۔ میزان ایک فرشتے کے ہاتھ میں آویزاں ہوگی جو کبھی اس کے پلڑے کو اٹھائے گا کبھی جھکا دے گا۔ اعمالنامے اس میں رکھے جائیں گے، اسی حالت میں جنت کا پردہ اٹھا یا جائے گا اور جنت کی ایک ہوا چلے گی جس کی خوشبو مشک کی طرح ایماندار محسوس کریں گے۔

پھر دوزخ کا سرپوش اٹھایا جائے گا اور اس کی بدبو کا ایک جھونکا دھوئیں کے ساتھ چلے گا جس کی بو مجرم محسوس کریں گے حالانکہ ان کے اور دوزخ کے درمیان 5 سو برس کی راہ کا فاصلہ ہوگا۔

دوزخ کا حال

پھر دوزخ کو کس کر زنجیر میں لایا جائے گا، 19 فرشتے اس کے مؤکل ہوں گے اور ہر فرشتے کے 70 ہزار فرشتے مددگار ہوں گے۔ تمام مؤکل اور ان کے مددگار دوزخ کے دائیں بائیں اور پیچھے چلتے ہوئے گھیرے میں لیے کھینچے جائیں گے۔ ہر فرشتے کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوگا جس کی ضرب سے دوزخی چیخیں گے، گدھے کی ابتدائی اور انتہائی آواز کی طرح دوزخ کی آوازیں ہوں گی۔ اس میں دشواریاں ہوں گی، تاریکی ہوگی، دھواں ہوگا اور شور ہوگا۔ دوزخ دوزخیوں پر غضب ناک ہوگی اور شدت غضب کی وجہ سے شعلے اٹھیں گے۔ فرشتے دوزخ کو لا کر جنت اور موقف یعنی قیام گاہ حشر کے درمیان میں رکھ دیں گے۔ دوزخ آنکھ اٹھا کر سب لوگوں کو دیکھے گی اور ان کو نگلنے کے لیے منہ زوری کرے گی، لیکن مؤکل زنجیروں سے اسے روکیں گے۔ اگر کہیں چھوٹ جائے تو ہر مومن و کافر کو کھا جائے۔ دوزخ جب دیکھے گی کہ مجھے روک دیا گیا ہے تو اس میں سخت غصہ آئے گا اور جوش آئے گا اور شدت غضب کی وجہ سے پھٹ پڑنے کے قریب ہوگی، پھر دوبارہ دھاڑ مارے گی اور سب مخلوق اس کے دانت بجنے کی آواز سنے گی، دل کانپ جائیں گے، دھڑک کر نکلنے لگیں گے، ہوش اڑ جائیں گے، آنکھیں اٹھی کی اٹھی رہ جائیں گی، تڑپ کر دل حلق تک آ جائیں گے۔

ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! دوزخ کا حال ہم سے بیان کیجیے ارشاد فرمایا: ہاں! وہ اس زمین سے 70 گنا بڑی ہے۔ کالی ہے، تاریک ہے، اس کے 7 سر ہیں، ہر سر پر 30 دروازے ہیں، ہر دروازے کا طول 3 دن کی راہ کے برابر ہے۔ اس کا بالائی لب ناک کے سوراخ سے لگتا ہوگا اور زیریں لب کو وہ گھسیٹتی ہوئی چلے گی، اس کی ناک کے سوراخ میں مضبوط بندش اور ایک مضبوط زنجیر پڑی ہوگی جس کو 70 ہزار فرشتے تھامے ہوں گے۔ فرشتے بھی سخت مزاج تندخو ہوں گے، جن کے دانت باہر کو نکلے ہوں گے، آنکھیں انگاروں کی

طرح، رنگ آگ کے شعلوں کی طرح، ناک کے نتھنوں سے شعلے نکلتے ہوئے اور دھواں اٹھتا ہوا، سب کے سب زبردست ہوں گے اور اللہ کے حکم کے لیے تیار ہوں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ (سورۂ تحریم، آیت: 6)

ترجمہ: اس پر سخت اور تندخو فرشتے مقرر ہوں گے جو اللہ کے حکم کو نہیں ٹالتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

دوزخ کی سجدہ ریزی

فرمایا: اس وقت دوزخ سجدہ کرنے کی اجازت مانگے گی اور اللہ عزوجل اجازت فرما دے گا۔ دوزخ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوگی جب تک اللہ رب العزت چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوزخ سر اٹھائے گی اور کہے گی، وہ اللہ ہر حمد کا مستحق ہے جس نے مجھے ایسا بنایا کہ میرے ذریعے نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے، کسی دوسری مخلوق کو ایسا نہیں بنایا کہ اس کے ذریعے سے مجھ سے انتقام لے۔

دوزخ کی دھاڑیں

پھر رواں، سہل الادا اور خوب چلتی ہوئی زبان سے بلند آواز سے کہے گی جس کو اللہ چاہے اس کے لیے تعریف کا حق ہے، پھر ایک دھاڑ مارے گی کہ کوئی مقرب فرشتہ، کوئی مرسل پیغمبر اور میدان حشر کا کوئی حاضر ایسا نہ ہوگا جو دہشت کی وجہ سے دوزانو نہ بیٹھ جائے، پھر دوبارہ دھاڑے گی تو کوئی آنکھ ایسی نہ ہوگی جس سے آنسو نہ بہہ نکلیں گے، پھر تیسری بار دھاڑے گی تو اس قدر ہیبت ہوگی کہ اگر کسی جن یا انسان کے اعمال بہتر پیغمبروں کے برابر ہوں تو وہ بھی اس میں گر پڑے، پھر چوتھی بار دھاڑے گی تو ہر چیز کا بولنا بند ہو جائے گا، پھر جبرئیل، میکائیل اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام عرش کو پکڑے رہیں گے اور سب کہیں گے مجھے بچا، میں اور کچھ نہیں مانگتا، اس کے بعد دوزخ آسمان کے ستاروں کے برابر چنگاریاں پھینکے گی، ہر چنگاری مغرب سے اٹھنے والے ابر عظیم کی طرح ہوگی، یہ چنگاریاں

تمام مخلوق کے سروں پر گریں گی۔

پل صراط

پھر دوزخ پر ایک صراط (راستہ) نصب کیا جائے گا جس میں 7 سو یا 7 پل ہوں گے، ہر دو پلوں کا درمیانی راستہ 70 سال کی راہ کے برابر ہوگا، دوزخ کے ایک خانے سے دوسرے خانے تک پل صراط کا عرض 5 سو برس کی راہ کے برابر ہوگا۔ اسی طرح دوسرے سے تیسرے، تیسرے سے چوتھے، چوتھے سے پانچویں، پانچویں سے چھٹے اور چھٹے سے ساتویں خانے کے درمیان پل صراط کا عرض پانچ پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہوگا۔

ساتواں درجہ تمام درجوں سے 70 گنا زیادہ گرم، فراخ، گہرا اور بڑے بڑے انگاروں والا ہے اور قسم قسم کے عذابوں پر حاوی ہے۔ قریب ترین درجے کے شعلے پل صراط سے گزر کر ادھر ادھر اور اونچائی میں تین میل جائیں گے۔ دوزخ کا ہر درجہ حرارت کی شدت انگاروں کی کلائی اور انواع عذاب کی کثرت کے لحاظ سے اپنے بالائی طبقہ سے 70 گنا زیادہ ہوگا، ہر درجے میں سمندر بھی ہوں گے، دریا بھی اور پہاڑ بھی، ہر پہاڑ کی اونچائی 70 ہزار میل کی راہ کے برابر ہوگی۔ دوزخ کے ہر درجہ میں ایسے 70 پہاڑ ہوں گے، ہر پہاڑ کے 70 درّے اور ہر درّے میں 70 ہزار تھور کے درخت ہوں گے، ہر درخت کی 70 شاخ ہوں گے اور ہر شاخ پر 70 سانپ اور 70 بچھو ہوں گے، ہر سانپ کی لمبائی تین میل اور ہر بچھو بڑے سے بڑے بختی اونٹ کے برابر ہوگا، ہر درخت میں 70 ہزار پھل ہوں گے اور ہر پھل دیو کے سر کے برابر ہوگا، ہر پھل کے اندر 70 کیڑے اور ہر کیڑے کی لمبائی اتنی کہ جتنی مسافت پر تیر جا کر گرے، بعض پھلوں میں کیڑے نہیں ہوں گے بلکہ کانٹے ہوں گے۔

پھر فرمایا: دوزخ کے 7 دروازے ہوں گے، ہر دروازے کی 70 وادیاں ہوں گی، ہر وادی کا گہراؤ 70 سال کی مسافت کے برابر ہوگا، ہر وادی کے 70 ہزار درّے میں 70 ہزار غار ہوں گے اور ہر غار کی 70 ہزار شاخیں ہوں گی اور ہر شاخ 70 سال کی مسافت کے بقدر ہوگی، ہر شاخ کے اندر 70 ہزار اژدہے اور ہر اژدہے کی باچھ میں 70 ہزار بچھو کے 70 ہزار منگے اور

ہر منگے میں مٹکا بھر زہر ہوگا جس کافر اور منافق تک پہنچے گا اس کو زہر پورا پینا ہوگا۔

اعمال ناموں کی تقسیم

غرض جس وقت مخلوق گھٹنے ٹیکے بیٹھی ہوگی اور دوزخ مست اونٹ کی طرح بے تاب ہوگی تو بلند آواز سے ایک منادی ندا کرے گا، فوراً انبیا وصدیق وشہید اور نیک لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اعمالنامے اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں گے، کسی کے دائیں ہاتھ میں، کسی کے بائیں ہاتھ میں اور کسی کے پیٹھ کے پیچھے سے اعمالنامہ دیا جائے گا، وہ لوگ خوش ہوں گے اور جن کے ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اعمالنامے دیے جائیں گے ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوجائیں گی، ان کی ناک پر داغ لگا دیا جائے گا، ان کے بدن کی کھالیں موٹی ہوجائیں گی۔ جب اپنے اعمالنامے کو دیکھیں گے اور گناہوں کا معائنہ کریں گے کہ بغیر اندراج کے ان کا کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں رہا تو پکاریں گے۔ ہائے! ہم تباہ ہوگئے، ان کے دل افسردہ اور نتیجے کے متعلق خیالات برے ہوں گے۔ خوف کی شدت اور غم کی کثرت ہوگی، سرافگندہ، نظریں خوفزدہ اور گردنیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ نظر چرا کر دوزخ کی طرف دیکھیں گے تو نظر واپس نہ لوٹ سکے گی ایک ابر عظیم نظر آئے گا۔

سخت دشواری ہر طرف سے مصیبت، اضطراب آفریں گھبرا دینے والی دہشت انگیز، غم افزا، ذلیل کن، دلوں کو فکر مند بنا دینے والی اور آنکھوں کو رلا دینے والی گھڑی ہوگی، اس وقت وہ اللہ کی بندگی کا اقرار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور یہ اقرار ہی ان کے لیے آگ، ذلت، غم، بدبختی، الزام اور عذاب کی صورت بن جائے گا۔ اللہ رب العزت کے سامنے دوزانو بیٹھے گناہوں کا اقرار کرتے ہوں گے۔ آنکھیں نیلی اور بے نظر ہوں گی، دل گڑھے میں گر رہے ہوں گے، کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا، جوڑ جوڑ کانپ رہا ہوگا، کچھ بولا نہ جائے گا، آپس کی رشتے داریاں کٹ چکی ہوں گی، نہ برادری ہوگی نہ نسب اور کوئی کسی سے نہیں پوچھے گا، سب اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں گے جس کا ازالہ نہ کرسکیں گے، دنیا میں لوٹ کر جانے کی درخواست کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔ دنیا میں جس چیز کو نہیں مانتے تھے اس کا یقین ہوجائے گا، نہ پینے کو پانی کہ پیاس بجھے اور نہ کھانے

کو کھانا کہ پیٹ بھر سکے اور نہ پہننے کو کپڑا کہ تن ڈھک سکے۔ بھوکے پیاسے ننگے ہارے ہوئے جن کا کوئی مددگار نہ ہوگا، غمگین اور پریشان کہ جان و مال کی کمائی اور اہل وعیال ہر طرف سے گھاٹے میں ہوں گے۔

دوزخیوں کی گرفتاری

اس حال میں اللہ تعالیٰ دوزخ کے مؤکلوں کو حکم دے گا کہ اپنے کارندوں کو ساتھ لے کر اپنے ہتھیاروں سمیت یعنی زنجیریں، طوق اور گرز اٹھائے ہوئے دوزخ سے باہر آ جائیں۔ سب مؤکل باہر آ کر دوسرے حکم کے انتظار میں ایک گوشے میں کھڑے ہو جائیں گے۔ بدبخت ان کو دیکھیں گے۔ جکڑ بند کے سامان اور ان کے کپڑوں کی طرف نظر کریں گے تو حسرت سے اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹیں گے۔ انگلیاں کھا جائیں گے اور موت کو پکاریں گے، آنسو بہہ نکلیں گے، پاؤں لڑکھڑا جائیں گے اور ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔ حکم ہوگا ان کو پکڑو اور ان کی گردنوں میں طوق ڈالو، ان کو زنجیروں سے خوب جکڑو اور ان کو جہنم میں ڈال دو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ عزوجل شانہ جس شخص کو جس درجۂ جہنم میں چاہے گا اس درجے کے مؤکلوں کو بلا کر فرمائے گا کہ ان کو گرفتار کر لو۔ چنانچہ ایک ایک آدمی کی طرف 70-70 مؤکل بڑھیں گے، خوب جکڑ کر باندھیں گے، بھاری طوق گردنوں میں اور زنجیریں ناک کے نتھنوں میں ڈالیں گے، جن کی وجہ سے دم گھٹنے لگے گا، پھر پشت کی طرف سے سروں کو قدموں سے ملا دیا جائے گا جس سے پشت کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس تکلیف سے ان کی آنکھیں پھٹ جائیں گی، رگیں پھول جائیں گی اور طوق کی گرمی سے گردن کا گوشت جل جائے گا، رگوں کا پوست اتر جائے گا، سروں کے اندر دماغ کھولنے لگ جائیں گے اور بہہ کر کھال پر گریں گے کہ قدموں تک پہنچ جائیں گے، بدن کی کھالیں گر پڑیں گی، گوشت نیلے ہو جائیں گے اور کچ کہلوان سے بہے گا۔

طوق، زنجیریں اور لباس

گردنیں مونڈوں سے کانوں تک طوق سے بھری ہوں گی جس کی وجہ سے گوشت

سوختہ ہو جائے گا، ہونٹ کٹ جائیں گے، دانت اور زبانیں باہر نکل آئیں گی، چلائیں گے چیخیں گے۔ طوقوں سے شعلے نکلتے ہوں گے جن کی گرمی خون کی طرح رگوں میں دوڑے گی، طوق کھوکھلے ہوں گے جن کے اندر آگ کی لپیٹ دوڑتی ہوگی۔ طوقوں کی گرمی دلوں تک پہنچے گی اور دلوں کی کھال کو کھینچے گی، دل اچھل کر گلے تک آ جائیں گے، دم سخت گھٹ جائے گا اور آوازیں بند ہو جائیں گی۔

اس دوران اللہ تعالیٰ دوزخ کے مؤکلوں کو حکم دے گا کہ ان کو لباس پہناؤ، مؤکل کپڑے پہنائیں گے، کرتے پہنائیں گے، انتہائی بدبودار اور کھردرے، جہنم کی گرمی سے بھڑکتے ہوئے اگر پہاڑ پر رکھ دیے جائیں تو ان کو بھی پگھلا دیں۔

سورۂ حج میں ہے: فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۝ (آیت:19)
جو کافر ہیں ان کے لیے آگ کے کپڑے سیئے گئے ہیں۔

سورۂ ابراہیم میں ہے: سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ ۝ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ (آیت:5)

ان کے کرتے وال کے ہوں گے اور ان کے چہرے آگ ڈھانپ لے گی۔

جب ان کو لباس پہنا چکیں گے تو اللہ عزوجل ان کو حکم دے گا کہ ان کو ہانک کر ان کے گھروں کو لے جاؤ تو مؤکل دوسری زنجیریں لائیں گے جو پہلی زنجیروں سے لمبی اور موٹی ہوں گی۔

فرمانِ الٰہی ہے: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ط یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ۝ (سورۂ غافر، آیت:71)

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۝ (سورۂ حاقہ، آیت:30)

ترجمہ: جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں گھسیٹتے جائیں گے، کھولتے پانی میں پھر آگ میں دہکائے جائیں گے۔ اسے پکڑو پھر اسے طوق ڈالو پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ پھر ایسی زنجیر میں جس کا ناپ 70 ہاتھ ہے اسے پرو دو۔ بے شک وہ عظمت

والے اللہ پر ایمان نہ لاتا تھا۔

پھر، فرشتہ ایک زنجیر لے کر ایک گروہ کو اس میں باندھے گا اور زنجیر کا کنارا اپنے کاندھے پر رکھ کر قیدیوں کی طرف پشت پھیر کر منہ کے بل کھینچتا ہوا لے چلے گا اور پیچھے سے 70 ہزار فرشتے ہر گروہ کو گرزوں سے مارتے ہوئے ہانکیں گے اور جہنم پر لے جائیں گے کہیں گے کہ یہ وہ آگ ہے جس کو تم نہیں مانتے تھے۔ کیا جادو ہے کہ یہ تم کو دکھائی نہیں دیتا، اس میں داخل ہو جاؤ۔ صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے۔ تمہارے اعمال کی تم کو سزا دی جائے گی۔ جب دوزخ پر لے جا کر کھڑا کیا جائے گا تو جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ سرپوش اٹھا دیا جائے گا۔ آگ بھڑکنے لگے گی، شعلے اٹھتے ہوں گے، سخت دھواں نکلتا ہوگا، آسمان کے ستاروں کی طرح اوپر کو چنگاریاں اڑیں گی اور بقدر 70 سال کی راہ کے اوپر کو جائیں گی، پھر لوٹ کر لوگوں کے سروں پر گریں گی جن کی وجہ سے بال جل جائیں گے، کھوپڑیاں اکڑ جائیں گی، اس وقت جہنم بہت اونچی آواز سے چلائے گی، اے دوزخیو! ادھر آؤ، اے دوزخیو! میری طرف آؤ، اپنے رب کی عزت کی قسم! میں تم سے ضرور بدلہ لوں گی، پھر کہے گی: حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے مجھے ایسا بنایا کہ اس کے غضب کی وجہ سے میں غضب ناک ہوتی ہوں اور میرے ذریعے وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے۔ پروردگار! میری گرمی زیادہ اور قوت میں اضافہ کردے۔

دوزخ میں داخلہ

اسی دوران دوزخ کے اندر سے کچھ فرشتے نکلیں گے جو ہر گروہ کو اپنی ہتھیلی پر اٹھا کر سرنگوں منہ کے بل جہنم میں پھینک دیں گے اور وہ سر کے بل لڑھکتے ہوئے 70 سال کی راہ تک چلے جائیں گے۔ آخر میں جب دوزخ کے پہاڑ کی چوٹیوں پر پہنچیں گے تو وہاں بھی ان کو ٹھہراؤ نصیب نہ ہوگا۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ط ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ط يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ط (سورۂ زمر، آیت:16)

ترجمہ: اور ان کے اوپر آگ کے پہاڑ ہوں گے اور ان کے نیچے پہاڑ، اس سے اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو، اے میرے بندو! تم مجھ سے ڈرو۔

اَلصَّعُوْدُ جَبَلٌ مِّنَ النَّارِ يُتَصَعَّدُ فِيْهِ الْكَافِرُ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا وَيُهْوٰى بِهٖ كَذٰلِكَ فِيْهِ اَبَدًا ۰ (رواہ الترمذی والمشکوٰۃ، صفحہ:502)

ترجمہ: دوزخ میں ایک پہاڑ صعود ہے کافر کو اس پر 70 سال تک چڑھایا جائے گا اور اتنی مدت میں اس کو اس سے گرایا جائے گا وہ ہمیشہ اس میں اسی حالت میں رہے گا۔

خوراک

ہر انسان کی 70 کھالیں تہہ بہ تہہ ہو جائیں گی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے زقوم کھانے کو ملے گی جس کی گرمی اوپر سے ہی نمودار ہوگی، تلخی تیز اور کانٹوں کی کثرت ہوگی۔ دوزخی اس کو چبا ہی رہے ہوں گے کہ ناگہاں فرشتے گرزوں سے مارنا شروع کردیں گے جس سے ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی پھر ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے اور وہ 70 برس کی راہ کے بقدر کسی وادی میں قرار پکڑے بغیر سر کے بال لڑھکتے چلے جائیں گے۔

پھر ہر شخص کی 70 کھالیں بنادی جائیں گی اور وہاں بھی خوراک تھوہر کی ملے گی۔ وہ منہ کے اندر ہی رہے گی، نگلنے کی طاقت نہ ہوگی۔ چنانچہ فرمان ربانی ہے:

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ط ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ط (سورۂ صافات، آیت:66-67)

ترجمہ: پھر بے شک وہ اس (تھوہر) میں سے کھائیں گے، پھر اس سے پیٹ بھریں گے، پھر بے شک ان کے لیے اس پر کھولتے پانی کی ملونی ہے۔

پھر فرمایا: إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ ۰ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۰ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ۰ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ۰ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۰ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۰ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۰ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ

تَمۡتَرُوۡنَ۰ (سورۂ دخان، آیت:43-50)

ترجمہ: بے شک تھوہر کا پیڑ گنہگاروں کی خوراک ہے، گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے جیسا کہ کھولتا ہوا پانی جوش مارے، اسے پکڑو۔ ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔ چکھ، ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شبہ کرتے تھے۔

حضرات! تھوہر ایک خبیث کڑوا درخت ہے جو اہل جہنم کی خوراک ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ایک قطرہ اس تھوہر کا دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو اہل دنیا کی زندگی خراب ہو جائے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:553)

فَلَیۡسَ لَہُ الۡیَوۡمَ ہٰہُنَا حَمِیۡمٌ ۙ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِیۡنٍ ۙ لَّا یَاۡکُلُہٗۤ اِلَّا الۡخَاطِـُٔوۡنَ ۰ (سورۂ حاقہ، آیت:35-37)

ترجمہ: تو آج یہاں اس (دوزخی) کا کوئی دوست نہیں اور نہ کچھ کھانے کو، مگر دوزخیوں کا پیپ اسے نہ کھائیں گے مگر خطا کار۔

لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ ۙ لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ۰ (سورۂ غاشیہ، آیت:6)

ترجمہ: ان دوزخیوں کے لیے کچھ کھانا نہیں مگر آگ کے کانٹے کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں۔

فائدہ: غذا کے دو ہی فائدے ہیں: ایک یہ کہ بھوک کی تکلیف رفع کریں، دوسرے یہ کہ بدن کو فربہ اور موٹا کریں۔ یہ دونوں وصف دوزخیوں کے کھانے میں نہیں بلکہ وہ سخت عذاب ہے ان آیات بینات سے۔

معلوم ہوا کہ عذاب طرح طرح سے ہوگا اور جو لوگ عذاب دیے جائیں گے ان کے بہت سے طبقے ہوں گے۔ بعض کو زقوم کھانے کو دیا جائے گا۔ بعض کو دوزخیوں کی پیپ اور بعض کو آگ کے کانٹے۔

دوزخیوں کا پینا

دوزخ کے رہنے والے کو پیپ اور پگھلایا ہوا رانگ اور کھولنے والا گرم پانی پینے کے لیے دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا (سورۂ کہف، آیت:29)

ترجمہ: اور اگر پانی کے لیے فریاد کریں تو ان کی فریاد رسی ہوگی، اس پانی سے کہ چرخ دیے ہوئے دھات کی طرح ہے کہ ان کے منہ بھون دے گا کیا ہی برا پینا ہے۔ دوزخ بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: وہ غلیظ پانی ہے روغن زیتون کی تلچھٹ کی طرح۔

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جب وہ منہ کے قریب کیا جائے گا تو منہ کی کھال اس سے جل کر گر پڑے گی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ وہ پگھلایا ہوا رانگ اور پیتل ہے۔
(خزائن العرفان، صفحہ:420)

وَ سُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَہُمۡ ۰ (سورۂ محمد، آیت:15)

ترجمہ: اور انھیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا کہ آنتوں کے ٹکڑے کر دے۔

وَ یُسۡقٰی مِنۡ مَّآءٍ صَدِیۡدٍ ۙ یَّتَجَرَّعُہٗ وَ لَا یَکَادُ یُسِیۡغُہٗ وَ یَاۡتِیۡہِ الۡمَوۡتُ مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ وَّ مَا ہُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَ مِنۡ وَّرَآئِہٖ عَذَابٌ غَلِیۡظٌ ۰ (سورۂ ابراہیم، آیت:16-17)

ترجمہ: اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور گلے سے نیچے اتارنے کی امید نہیں اور اسے ہر طرف سے موت آئے گی، مرے گا نہیں اور اس کے پیچھے گاڑھا عذاب۔

حدیث پاک میں ہے کہ دوزخی کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ جب وہ منہ کے پاس آئے گا تو اس کو بہت ناگوار معلوم ہوگا۔ جب اور قریب ہوگا تو اس کا چہرہ بھن جائے گا اور سر تک کی کھال جل کر گر پڑے گی۔ جب پیے گا تو آنتیں کٹ کر نکل جائیں گی۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:503)

غرض جب دوزخی خوراک کھا رہا ہوگا تو اس کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی بلکہ حلق میں باہر سے خوراک اور نیچے سے دل جمع ہو جائیں گے۔ جس سے گلے میں پھندا سا لگ جائے گا اور پانی کے لیے فریاد کرے گا۔ دوزخ کی ان گھاٹیوں میں کچھ وادیاں ہوں گی جن کے دہانے جہنم کی طرف کھلتے ہوں گے۔ ان وادیوں میں گرم پانی کے نالے ہوں گے۔ دوزخی چل کر ان نالوں پر پہنچیں گے اور پینے کے لیے اوندھے منہ گریں گے اور گرتے ہی ان کے چہروں کی کھال کٹ جائے گی اور پانی نہ پی سکیں گے۔ ابھی چشموں پر اوندھے منہ ہی ہوں گے کہ فوراً فرشتے آجائیں گے اور گرزوں سے ماریں گے جس سے ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی، پھر ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے اور وہ کہیں قرار پکڑے بغیر ایک سو چالیس برس کی مسافت کے برابر شعلوں اور سخت دھوئیں میں لڑھکتے ہوئے چلے جائیں گے اور کچھ نالوں پر جا کر ٹھہریں گے۔ وہاں ہر آدمی کی 70 کھالیں بدل کر دوسری 70 کھالیں دی جائیں گی۔ چونکہ وادیوں پر چشموں کی انتہا ہوگی اس لیے چشموں کا پانی پئیں گے مگر پانی اتنا گرم ہوگا کہ پیٹ میں نہیں ٹھہرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو 7 نئی کھالیں دے گا۔ جب پانی پیٹ میں کچھ ٹھہرے گا تو آنتوں کو کاٹ کر ٹکڑے کر دے گا اور آنتیں سرینوں کی راہ نکل جائیں گی اور پانی کا باقی حصہ رگوں میں پھیل جائے گا جس سے گوشت پگھل جائے گا اور ہڈیاں پھٹ جائیں گی اور پھر اوپر سے فرشتے جا پکڑیں گے اور پشت پر، چہروں پر اور سروں پر گرز ماریں گے۔ ہر گرز کی 260 دھاڑیں ہوں گی اور سروں پر پڑنے کی وجہ سے پشت ٹوٹ جائے گی۔ پھر کھینچ کر اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ وسط دوزخ میں پہنچیں گے تو بدن کی کھال میں آگ بھڑکنے لگے گی اور کانوں میں پھیل جائے گی اور ناک کے نتھنوں اور پسلیوں سے شعلے نکلیں گے اور بدن سے کچ لہو پھوٹ نکلے گا اور آنکھیں باہر نکل کر رخسار پر لٹک جائیں گی۔

پھر ان شیطانوں کے ساتھ جنھوں نے ان کو گمراہ کیا تھا اور ان معبودوں کے ساتھ جن سے وہ مصیبت کے وقت فریاد کرتے تھے، ملا کر خوب باندھ کر تنگ مقامات میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس وقت وہ موت کو پکاریں گے مگر موت نہیں آئے گی پھر ان کے دنیوی مال کو

تپا کر پیشانیوں اور پہلوؤں پر داغ لگائے جائیں گے اور پشت پر وہ سونا اور چاندی رکھا جائے گا تو پشت کو پھاڑ کر پیٹ کی طرف سے نکل آئے گا۔ یہ لوگ جہنم کے مستحق ہوں گے اور شیطانوں اور پتھروں کے ساتھ ان پر وعظ اور نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ؕ

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عذاب جہنم سے بچائے کہ جس کی ایک چنگاری بھی فنا کر دینے والی ہے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

اکتیسواں وعظ

دربیانِ اعمال سیئات وعذابِ نار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۔ (سورۂ عبس، آیت: 60-62)

سب تعریفیں اس خالق کے لیے جو جن وانس، حور وملک کا خالق ہے، جس نے زمین و آسمان اور جنت وجہنم کو پیدا کیا، بے شک وہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے، اس کی پکڑ سخت ہوگی اور اس کا عذاب نا قابل برداشت۔ ہزاروں درود وکروڑوں سلام اس ذات بابرکات پر کہ جس نے ہماری نجات کی راہ پیدا کی اور مومنین کو اللہ تعالیٰ عزوجل شانہ کے قریب لاکر طرح طرح کی نعمتوں کا حقدار بنایا۔

عملِ بد

دوستو! فرمانِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے کہ قیامت کے دن جب کافر قبر سے باہر آئے گا تو اپنے سامنے ایک بدشکل آدمی کو دیکھے گا جس کی آنکھیں نیلی اور رنگ تاریک، رات میں رال کے رنگ سے بھی بڑھ کر سیاہ، کپڑے بھی سیاہ رنگ کے، زمین پر گھسٹتا ہوا اور رعد کی طرح گڑگڑاتا ہوا آئے گا۔ اس سے ایسی بدبو آتی ہوگی کہ مردار کی سڑانڈ سے بھی تیز ہوگی اور کافر گھبرا کر اس کی طرف سے منہ پھیر لینا چاہے گا اور پوچھے گا: بندۂ خدا تو کون ہے؟ وہ کہے گا: اللہ کے دشمن! آمیری طرف آ، آج میں تیرے لیے ہوں اور تو میرے لیے، کافر کہے گا: تیرا برا ہو، کیا تو کوئی شیطان ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، خدا کی قسم! میں تیرا عمل بد ہوں۔ تو کافر کہے گا: تو مجھ

سے کیا چاہتا ہے؟ وہ کہے گا: میں تیرے اوپر سوار ہونا چاہتا ہوں، کافر گھبرا کر کہے گا: میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تو مجھے چھوڑ دے اور مجھے تمام مخلوق کے سامنے رسوا نہ کر! وہ جواب دے گا: خدا کی قسم! اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ مدت تک تو دنیا میں مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سوار ہوں گا اور وہ کافر پر سوار ہو جائے گا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۔ کا یہی مطلب ہے۔

دوستو! یہ وہ دن ہوگا جب دوزخ سامنے دھاڑ رہی ہوگی اور اس کی چنگاریاں سروں پر گر رہی ہوں گی کہ سروں کی کھوپڑیوں کو جلادیں اور سب نفسی نفسی پکاریں گے اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکے گا۔ نہ دولت کام آئے گی، نہ شان وشوکت، نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا نہ باپ بیٹے کے لیے کچھ کر پائے گا۔ فرمان الٰہی ہے:
وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ط (سورۂ بقرہ، آیت: 281)

ترجمہ: اُس دن سے ڈرو جب تم کو بارگاہ الٰہی کی طرف لوٹایا جائے گا پھر ہر شخص کو اس کا بدلہ پورا ملے گا اور اس کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

اور فرمایا: وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ۔ (سورۂ بقرہ، آیت: 123)

ترجمہ: اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور اس کا کوئی بدلہ قبول نہ کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش کام دے گی۔

پھر ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۔ (سورۂ لقمان، آیت: 33)

ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ کوئی باپ اپنی اولاد کے لیے

اور کوئی اولاد اپنے باپ کے لیے بدلہ نہ دے گی۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس تم کو دنیا کی زندگی فریب میں نہ ڈال دے اور شیطان تم کو اللہ کی طرف سے دھوکے میں نہ ڈال دے۔

دوستو! جان کر دنیا کے لوازمات میں پھنس کر انسان گمراہی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، اس طرح سے انسان اپنی راہ سے ہٹ کر شیطان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتا ہے اور کفر اور دیگر برائیوں میں مبتلا ہو کر جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنالیتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی۝ (سورۂ نازعات، آیت:39)

ترجمہ: پس جس نے سرکشی کی اور حیاتِ دنیا کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

جان لو! جہنم میں داخلہ کفر کی وجہ سے ہوگا اور عذاب کی زیادتی اور طبقات جہنم کی تقسیم برے اعمال اور اخلاق کے مطابق ہوگی۔

جب اعمال نامے بٹیں گے تو جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ دیا گیا ہوگا وہ واصل جہنم ہوں گے اور دوزخ کے فرشتے ان کو ہانکتے ہوئے اور گرزوں سے مارتے ہوئے جہنم کی طرف لے چلیں گے اور دوزخ کے دروازے پر کھڑے کر کے انھیں آگ میں لڑھکا دیا جائے گا۔

تھوہر (ایک خاردار زہریلا پودہ) کی ان کو خوراک دی جائے گی اور گرم کھولتا ہوا پانی اور پیپ ان کی پیاس بجھانے کے لیے دی جائے گی اور شدید قسم کا عذاب ہوگا۔

دوزخی کا جسم اور شکل وصورت

گناہوں کی وجہ سے دوزخیوں کے جسم پہاڑوں کی طرح کر دیے جائیں گے تاکہ عذاب کی شدت زیادہ ہو۔ ایک ایک کی لمبائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر، چوڑائی تین روز کی مسافت کے برابر اور موٹائی تین راتوں کی مسافت کے برابر ہوگی۔ سر اقراع پہاڑ کے برابر ہوگا، منھ میں 32 دانت ہوں گے، بعض دانت سر سے اوپر نکلے ہوئے اور بعض داڑھی سے نیچے نکلے ہوئے، ناک بڑے ٹیلے کے برابر، بالوں کی لمبائی اور موٹائی درخت صنوبر کی طرح اور کثرت دنیا کے جنگلوں کے برابر، بالائی لب سکڑا ہوا اور نچلا 90 ہاتھ لٹکا ہوا، کھال کی

موٹائی 40 ہاتھ ہوگی۔ فرمان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَابَیْنَ مَنْکِبَیِ الْکَافِرِ فِی النَّارِ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ لِلرَّاکِبِ الْمُسْرِعِ۝ (رواہ مسلم ومشکوٰۃ، صفحہ:502)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخی کافر کے دونوں شانوں کے درمیان تیز سوار کے تین دن کی مسافت ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَهُمْ فِیْهَا کَالِحُوْنَ قَالَ تَشْوِیْهِ النَّارُ فَتَقَلَّصَ شَفَتَهُ الْعُلْیَا حَتّٰی تَبْلُغَ وَسْطَ رَاسِهٖ وَیَسْتَرْخِی شَفَتُهُ السُّفْلٰی حَتّٰی تَضْرِبَ سُرَّتَهٗ۝ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ، صفحہ:503)

ترجمہ: دوزخی کے دوزخ میں تیوری چڑھے اور دانت کھلے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا آگ کافر کے منھ کو بھون دے گی، اس کے اوپر کا ہونٹ لٹک کر نیچے آجائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْکَافِرِ اِثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَاِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ وَاِنَّ مَجْلِسَهٗ مِنْ جَهَنَّمَ مَابَیْنَ الْمَکَّةِ وَالْمَدِیْنَةِ۝ (رواہ الترمذی ومشکوٰۃ، صفحہ:503)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک کافر کی کھال کا موٹاپا 42 گز ہوگا اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر اور تحقیق اس کے بیٹھنے کی جگہ اتنی ہوگی جتنا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان فاصلہ ہے۔

دوزخی کے ہاتھ کا طول 10 دن کی مسافت کے برابر اور موٹائی ایک دن کی مسافت کے برابر، ران ورقان کی طرح اور پنڈلی کا طول 5 رات کی مسافت کے برابر اور ہر آنکھ کوہِ حرا کی طرح ہوگی، جب سر کے اوپر تارکول ڈال دیا جائے گا تو آگ بھڑکنے لگے گی اور التہاب بڑھتا ہی جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر کوئی آدمی ایسی حالت میں دوزخ سے باہر آجائے کہ دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوں، گردن میں طوق پڑے ہوں اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں اور زنجیر کھینچتا ہوا باہر نکل آئے،

لوگ اس حالت میں اس کو دیکھ لیں تو بھاگ کھڑے ہوں اور جہاں تک ممکن ہو بھاگ جائیں۔

دوزخیوں کے چہرے اس روز نہایت سیاہ اور کالے ہوں گے اور ان پر گرد پڑی ہوگی، اس کی زبان لمبی اور باہر نکلی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (سورۂ عبس، آیت:60-62)

ترجمہ: اور کتنے منہ پر اس دن گرد پڑی ہوگی، ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے۔ یہ وہی ہیں کافر بدکار۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
إِنَّ الْكَافِرَ لَيَسْحَبُ لِسَانَهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّأُهُ النَّاسُ۔

ترجمہ: بے شک کافر اپنی زبان ایک فرسخ اور دو فرسخ گھسیٹے گا اور لوگ اس کو پاؤں سے روندیں گے۔

غرض کہ دوزخی کو زیادہ سے زیادہ عذاب دینے کے لیے ان کے جسم بڑے بڑے بنا دیے جائیں گے اور ان کی شکلیں کریہہ ہوں گی اور کچھ دوزخ کا عذاب ان کی شکلوں کو اور جسموں پر اثر انداز ہوگا۔

دوزخ میں عذاب کی شدت

دوزخ کی گرمی تاریکی انواع اور عذاب کی گونا گونی اور فرودگاہوں کی تنگی سے دوزخیوں کے گوشت نیلے ہو جائیں گے۔ ہڈیاں پھٹ جائیں گی، دماغ کھولنے لگیں گے اور ابال کھا کر کھالوں پر آپڑیں گے، کھالیں جل جائیں گی جوڑ پارہ پارہ ہو جائیں گے اور ان سے کچا لہو بہنے لگے گا۔

دوزخیوں کے کیڑے

دوزخیوں کے جسموں میں کیڑے پڑ جائیں گے، ہر کیڑا گوشت کی طرح موٹا ہوگا،

گدھوں اور عقابوں کی طرح ان کے ناخن بھی ہوں گے۔ کھال اور گوشت کے اندر دوڑیں گے، کاٹیں گے، پھنکارے ماریں گے، ڈرے ہوئے جنگلی جانوروں کی طرح گھومیں گے، گوشت کھائیں گے، خون پئیں گے اور گوشت اور خون کے سوا ان کے کھانے کی کوئی چیز نہ ہوگی۔

فرشتے دوزخیوں کو پکڑ کر انگاروں پر اور نیزوں کے بھالوں کی طرح نوکیلے پتھروں پر قوت اور شدت کے ساتھ گھسیٹیں گے اور اس طرح بحر جہنم کی طرف 70 سال کی مسافت کے برابر جائیں گے۔ یہاں تک کہ جوڑ پارہ پارہ ہو جائے گا اور روزانہ ۷۰ ہزار نئی کھالیں ملیں گی، آخر لے جا کر جہنم کے مؤکلوں کے سپرد کر دیں گے، جہنم کے مؤکل ٹانگیں پکڑ کر جہنم کے سمندر میں پھینک دیں گے۔

بحر جہنم

بحر جہنم کی گہرائیاں سوائے خالق کے کسی کو معلوم نہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ تورات میں آیا ہے کہ بحر جہنم میں پھینکے جانے کے بعد جب دوزخی عذاب کا مزہ چکھیں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے، اس سے پہلے جو کچھ ہم کو عذاب دیا گیا تھا وہ تو محض ایک خواب تھا۔ غرض ان کو بحر جہنم میں غوطہ دیا جائے گا اور بحر جہنم میں جوش آنے کی وجہ سے پھر وہ اوپر کو ابھریں گے تو 70 ہاتھ سمندر ان کو پھینک دے گا اور ایک ہاتھ مشرق سے مغرب تک کے فاصلے کے برابر ہوگا۔

فرشتے پھر گرز مار مار کر اور ہانک کر واپس سمندر کی گہرائی میں 70 سال کی مسافت کے برابر تک لے جائیں گے، دوبارہ پھر ایک سو چالیس سال کی مسافت تک بقدر ابھریں گے اور سانس لینا چاہیں گے تو فرشتے فوراً آگے بڑھ کر 70 ہاتھ سمندر میں لے جائیں گے، ہر شخص جب سر اٹھائے گا تو 70 گرز سر پر پڑیں گے جن میں سے ایک بھی خطا نہیں جائے گا۔ جب تک اللہ چاہے گا اسی حال میں رہیں گے یہاں تک کہ گوشت اور ہڈیاں فنا ہو جائیں گی۔ صرف جانیں رہ جائیں گی تو ایک موج آکر ان کو 70 سال کی مسافت کی دوری پر

کسی ساحل پر پھینک دے گی۔

غار اور ان میں سانپ اور بچھو

ساحل میں 70 ہزار غار ہوں گے، ہر غار کی 70 ہزار شاخیں ہوں گی، ہر شاخ کا طول ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگا، ہر شاخ کے اندر 70 ہزار اژدہے ہوں گے اور ہر اژدہے کی لمبائی 70 گز ہوگی اور 70 دانت ہوں گے، ہر دانت میں مٹکا بھر زہر ہوگا، ہر اژدہے کے گوشۂ لب میں ایک ہزار بچھو ہوں گے اور ہر بچھو کی پشت پر 70 لہرے ہوں گے اور ہر لہرے کے اندر مٹکا بھر زہر ہوگا۔

ان غاروں میں آنے کے بعد ان کی روحوں کو نئے بدن اور نئی کھالیں دی جائیں گی اور لوہے کے طوق پہنائے جائیں گے۔ سانپ اور بچھو آکر ان سے لٹک جائیں گے، ہر آدمی کو 70 ہزار سانپ اور 70 ہزار بچھو اس طرح چمٹ جائیں گے کہ اول گھٹنوں تک اوپر کو آئیں گے، دوزخی صبر کریں گے پھر سینے تک، پھر گلے کی ہنسلی تک اوپر کو آئیں گے، پھر بھی وہ صبر کریں گے پھر سانپ اور بچھو ناک کے نتھنوں، لبوں اور کانوں کو پکڑ کر لٹک جائیں گے اور ان کو اپنا تمام زہر پلائیں گے۔ اس وقت سوائے جہنم کی طرف بھاگ کر اس میں چھلانگ لگانے کے اور کوئی فریادرس نہ ہوگا۔ سانپ گوشت چبائیں گے اور خون پئیں گے۔ بچھو چوسیں گے، اس طرح گوشت گر پڑے گا اور جوڑ جوڑ الگ ہو جائے گا جب بھاگ کر دوزخ میں جا گریں گے تو سانپ اور بچھوؤں کے زہر کی وجہ سے 70 سال تک آگ ان کو نہ جلائے گی، 70 سال کے بعد جلا ڈالے گی تو ازسرنو ان کو جسم اور کھالیں دی جائیں گی۔

دوزخیوں کا کھانا

وہاں کھانے کے لیے فریاد کریں گے تو فرشتے ایک قسم کا کھانا لا کر رکھ دیں گے جس کا نام ولیمہ ہوگا لیکن وہ لوہے سے زیادہ سخت اور خشک ہوگا اور اس کو چبائیں گے تو کچھ بھی نہ کھا سکیں گے اور تھوک دیں گے۔ شدت بھوک سے وہ اپنی انگلیوں اور ہتھیلیوں کو کھا جائیں گے پھر کہنیوں تک کلائیاں کھا جائیں گے پھر کندھوں تک کہنیوں سمیت کھا جائیں گے اور اس

سے آگے منہ نہیں پہنچے گا۔

پھر لوہے کے آنکڑوں میں ان کی کونچیں اٹکا کر درخت زقوم کی شاخوں میں لٹکا دیے جائیں گے، ہر شاخ میں 70 ہزار الٹے لٹکے ہوں گے مگر شاخ نیچے کو نہیں جھکے گی، نیچے سے جہنم کی آگ کی پھٹ لگے گی اور 70 برس تک جھلتی رہے گی یہاں تک کہ جسم پگھل جائیں گے اور جانیں رہ جائیں گی، پھر ازسرنو کھالیں اور جسم پیدا کیے جائیں گے اور ہاتھوں کو پورے باندھ کر لٹکایا جائے گا اور سرینوں کے اندر آگ کی پھٹ گھس کے دلوں کو کھائے گی اور نتھنوں، کانوں اور منہ سے باہر نکلے گی۔ یہ حالت 70 سال تک رہے گی۔ جب ہڈیاں اور گوشت پگھل جائے گا اور ختم ہو جائے گا اور صرف جانیں رہ جائیں گی تو ازسرنو جسم اور کھالیں پیدا کی جائیں گی اور اس مرتبہ آنکھوں میں آنکڑے ڈال کر لٹکایا جائے گا۔ اسی طرح برابر عذاب ہوتا رہے گا، کوئی جوڑ اور سر کا کوئی بال ایسا نہ بچے گا جہاں آنکڑے چبھو کر زقوم کے درخت کے ساتھ 70 سال تک لٹکایا نہ جائے۔ اس طرح ہر ہر جوڑ سے موت کا مزہ آئے گا مگر موت نہیں آئے گی اس کے بعد اور بھی طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ جب فرشتے اس طرح کے عذاب دے چکیں گے اور چھوڑ دیں گے تو ہر آدمی کو زنجیر کے ساتھ باندھ کر منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے اندر ان کی فرودگاہوں میں لے جائیں گے۔ ہر شخص کی قیام گاہ اس کے اعمال کے موافق ہوگی کسی کی قیام گاہ کا طول اور عرض ایک مہینہ کی راہ کے موافق، کسی کی 19 دن کی راہ کے موافق اور یہاں تک کہ کسی کی قیام گاہ صرف ایک دن کی راہ کے بقدر ہوگی۔ وہ ان قیام گاہوں میں صرف اکیلے ہوں گے اور مکانوں کی تنگی اور فراخی کے مطابق ہی عذاب ہوگا۔ کسی کو الٹا لٹکا کر عذاب دیا جائے گا، کسی کو چت لٹا کر، کسی کو گھٹنوں کے بل اور کسی کو کھڑا کر کے عذاب دیا جائے گا۔ یہ تمام مقامات عذاب پانے والوں کے لیے نیزہ کی نوک سے بھی زیادہ تنگ ہوں گے، بعض کے ٹخنوں تک آگ ہوگی۔ بعض کے گھٹنوں تک، بعض کے کولہوں تک، بعض کی ناف تک، بعض کی ہنسلی تک اور بعض غرق ہوں گے۔

کبھی آگ کا جوش ان کو اوپر لے آئے گا اور کبھی گھما کر نیچے مہینے کی راہ کے موافق گہرائی میں لے جائے گا۔ ان فرودگاہوں میں لے جا کر ہر ایک کو اس کے ساتھی کے ساتھ

ملا دیا جائے گا۔ وہاں وہ اس قدر روئیں گے کہ آنسو سوکھ جائیں گے اور خون کے آنسو روئیں گے کہ اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو ان سے بہنے لگیں۔

دوزخیوں کا اجتماع

دوزخ کی تہہ میں دوزخیوں کے اجتماع کا ایک دن ہوگا اور اس دن کے بعد پھر کبھی ان کا اجتماع نہ ہوگا۔ بحکم خداوندی ایک منادی دوزخ میں ندا کرے گا جس کی آواز قریب یا بعید اوپر اور نیچے طبقوں والے سب سنیں گے۔ اس منادی کا نام حشر ہوگا، حشر پکارے گا دوزخیو! جمع ہو جاؤ۔ سب دوزخی جہنم کی تہہ میں جمع ہو جائیں گے اور دوزخ کے فرشتے بھی ساتھ ہوں گے دوزخی باہم کلام کریں گے۔

ضعفا اور ان کے اکابرین کی ایک دوسرے سے بیزاری

جو لوگ دنیا میں کمزور تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے۔ اللہ کے عذاب کے مقابلے میں ہماری کچھ مدد کرو، وہ کہیں گے ہم سب دوزخ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کا فیصلہ کر چکا ہے تمھیں ناخوشی ہے۔ تم ہم سے فریاد کرتے ہو، وہ جواب دیں گے ہمیں نہیں پتہ، بلکہ تمھیں ناخوشی ہو تم ہی نے یہ عذاب ہمارے لیے لازم کیا ہے یہ بری جگہ ہے۔ پھر یہ ضعیف لوگ کہیں گے کہ پروردگار! جو لوگ ہمارے لیے عذاب کا سبب ہے ہیں ان کو دوزخ میں دوگنا عذاب دے تو وہ بڑے بننے والے کہیں گے: اللہ ہم کو ہدایت دیتا تو ہم تم کو ہدایت کرتے۔ وہ کہیں گے کہ یہ بات نہیں بلکہ شبانہ روز کی تمہاری مکاری اس کا سبب ہے کیونکہ تم ہم کو مشورہ دیتے تھے کہ ہم اللہ کے منکر ہو جائیں اور اس کے ہمسر قرار دیں۔ آج ہم تم سے اور ان جھوٹے معبودوں سے جن کی تم دعوتِ پرستش دیتے تھے، بیزار ہیں۔

شیاطین کی بیزاری

پھر سب کے سب اپنے ساتھی شیاطین کی طرف متوجہ ہوں گے۔ شیاطین کہیں گے کہ

ہم گمراہ تھے تم کو بھی ہم نے بہکایا اور آخر میں شیطان اونچی آواز سے کہے گا: دوزخیو! اللہ عزوجل نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور تم کو جنت کی طرف بلایا تھا مگر تم نے اس کی دعوت کو نہ مانا اور اس کے وعدے کو سچا نہ جانا، میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا، میری تم پر کوئی زبردستی تو تھی نہیں، صرف اتنی بات تھی کہ میں نے تم کو دعوت دی اور تم نے دعوت قبول کر لی۔ اب مجھے برا نہ کہو، خود اپنے آپ پر ملامت کرو، میں نہ تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ اپنی مدد۔ اللہ کے سوا جن کی تم پوجا کرتے تھے آج میں ان کا منکر ہوں۔ اس کے بعد ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ط (سورۂ ابراہیم، آیت:22)

ترجمہ: اور شیطان کہے گا: جب فیصلہ ہو چکے گا بے شک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا۔ تم نے میری مان لی، تو اب مجھ پر الزام نہ رکھو۔ خود اپنے اوپر الزام رکھو، نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو، وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھہرایا تھا میں اس سے سخت بیزار ہوں۔ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس کے بعد ایک منادی ندا کرے گا:

”ظالموں پر اللہ کی لعنت اس وقت کمزور؛ بڑے بننے والوں پر اور بڑے؛ کمزوروں پر لعنت کریں گے اور پھر سب اپنے ساتھی شیطانوں پر اور شیطان ان پر لعنت کریں گے اور وہ شیطانوں سے کہیں گے: کاش! ہمارے اور تمہارے درمیان مشرق اور مغرب کے فاصلے کے برابر دوری ہو جائے۔ آج تم برے ساتھی ہو اور دنیا میں برے مددگار تھے۔“

دوزخ کے مؤکلوں سے فریاد

اس کے بعد لوگ اپنی جماعت پر نظر ڈالیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا: آؤان مؤکلوں سے درخواست کریں کہ اللہ تعالیٰ سے وہ ہماری سفارش کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ایک دن کا عذاب ہی ہلکا کر دے۔

مؤکلوں سے گفتگو کرنے میں ان کو تقریباً 70 سال لگیں گے اور اس پوری مدت میں وہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ آخر مؤکلوں سے گفتگو کریں گے تو وہ جواب دیں گے: کیا پیغمبر تمہارے پاس احکام لے کر نہیں پہنچے تھے؟ سب جواب دیں گے: ''کیوں نہیں پہنچے تھے۔''

مؤکل کہیں گے تو اب پکارے جاؤ مگر کافروں کی پکار بیکار ہے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ مؤکلوں نے کوئی مفید جواب نہیں دیا تو منتظم دوزخ سے فریاد کریں گے اور کہیں گے: اے مالک! تم ہی ہمارے لیے رب سے دعا کرو کہ اللہ ہماری موت کا حکم دے دے، مالک بقدر مدتِ دنیا تو کوئی جواب نہیں دے گا، پھر بولے گا، فیصلہ ٔموت سے پہلے تو مدتوں تم کو یہاں رہنا ہوگا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ مالک نے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تو وہ رب تعالیٰ سے فریاد کریں گے۔

اے پروردگار! اب تو ہم کو یہاں سے نکال دے۔ اگر دوبارہ ہم نے تیری نافرمانی کی تو بلاشبہ ہم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے فریاد

70 سال تک تو اللہ تعالیٰ ان سے کوئی کلام نہیں فرمائے گا، پھر ایسے فرمائے گا جیسے کتوں سے کہا جاتا ہے۔ ''اسی ذلت میں پڑے رہو مجھ سے بات بھی نہ کرو۔''

جب وہ دیکھیں گے کہ ان کا رب بھی ان پر رحم نہیں فرماتا اور کوئی مفید جواب نہیں ملا تو ایک دوسرے سے کہیں گے:

ہم اس عذاب پر صبر کریں یا نہ کریں دونوں برابر ہیں۔ ہم کو رہائی نہیں ملے گی نہ ہمارا

کوئی سفارشی ہے نہ دل بہلانے والا دوست، اگر ایک بار ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ضرور ہم اہل ایمان میں سے ہو جائیں۔ (القرآن)

ٹھکانوں کو واپسی

اس کے بعد فرشتے ان کو لوٹا کر ان کے ٹھکانوں میں لے جائیں گے، ان کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے، حجتیں ناکارہ ہو چکی ہوں گی، اللہ کے غضب کو دیکھ چکے ہوں گے، اس کی رحمت سے ناامید ہو چکے ہوں گے، سخت بے چینی سامنے ہوگی، طویل رسوائی اور خواری ان پر مسلط ہوگی اور وہ حسرت کے ساتھ اپنے دنیاوی قصوروں پر فریاد کریں گے لیکن اپنے اور اپنے پیروؤں سے ذرا بھر بوجھ کم نہ کر سکیں گے، ان پر عذاب مٹی کے ذرّوں اور سمندر کے قطروں سے زیادہ ہوگا، دوزخ کے فرشتوں سے واسطہ ہوگا۔

دوزخ کے فرشتے

جن کا کام حکم کی فوری تعمیل اور کلام سخت ہوگا، جسم بڑے بڑے، بجلی کی طرح کوندتے چہرے، انگاروں کی طرح آنکھیں، شعلۂ آتش کی طرح رنگ، دانت باہر نکلے ہوئے، بیل کے سینگوں کی طرح ناخن، ہاتھوں میں لمبے اور بھاری گرز لیے ہوئے کہ اگر پہاڑ پر ماردیں تو پہاڑ ریزہ ہو جائیں۔ ان گرزوں سے اللہ کے نافرمانوں کو ماریں گے تو اس پر اگر ان کی آنکھیں آنسوؤں کے بعد خون بہائیں گی تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ان فرشتوں کو پکاریں گے تو وہ جواب نہیں دیں گے، روئیں گے تو ان کو رحم نہیں آئے گا، ٹھنڈے پانی کے لیے فریاد کریں گے تو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پانی دیں گے جو چہروں کو بھون دے گا۔

عذاب کا بادل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں ک دوزخیوں پر روزانہ ایک بڑا بادل آئے گا جس میں نگاہوں کو چکنے والی بجلیاں اور کمر توڑ دینے والی گرج ہوگی کہ دوزخ کے فرشتوں کو اس تاریکی میں دوزخی نہ دیکھ سکیں گے۔ ابر بلند آواز سے پکار کر کہے گا: اے اہل دوزخ! کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم پر بارش

کروں تو سب یک زبان پکاریں گے، ہاں! ہم پر ٹھنڈا پانی برسا، تو بادل سے کچھ دیر تک پتھر برسیں گے جو ان کے سروں پر گر کر کھوپڑیاں توڑ دیں گے۔ پھر کچھ دیر کھولتے پانی کے دریا برسیں گے اور انگارے اور کوڑے اور لوہے کے آنکڑے برسیں گے، پھر سانپ، بچھو، کیڑے، مکوڑے اور زخموں کا دھون برسے گا۔ جب جہنم پر یہ بارش ہوگی تو اس کا سمندر ابلے گا، سمندر سے موجیں اٹھیں گی اور جہنم کے ہر میدان اور پہاڑ سے اونچی ہو جائیں گی۔ تمام دوزخیوں کو غرق کر دیں گی مگر کسی کو موت نہیں آئے گی۔

نافرمانوں پر جو اس کے اندر ہوں گے اس کا غضب، حرارت، زفیر شعلے، دھواں، تاریکی، لو، گرم پانی، بھڑکتی اور دہکتی آگ کی شدت، پروردگار کے غضب کی وجہ سے اور بڑھ جائے گی۔

مختلف اعمالِ سیئات کا عذاب

سب سے کم عذاب کے وہ لوگ ہوں گے جن کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اَھْوَنَ اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَہٗ نَعْلَانِ وَشِرَ کَانِ مِنَ النَّارِ یَغْلِیْ مِنْھُمَا دِمَاغُہٗ کَمَا یَغْلِی الْمِرْجَلُ مَا یَرٰی اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْہُ عَذَابًا وَاِنَّہٗ لَاَھْوَنُھُمْ عَذَابًا ط (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:502)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ ہوگا جس کے لیے دو جوتیاں اور دو تسمے آگ کے ہوں گے۔ ان کی وجہ سے اس کا دماغ ایسا کھولے گا جیسا کہ دیگ کھولتی ہے۔ وہ یہ گمان کرے گا کہ مجھ سے زیادہ عذاب کسی کو نہیں، حالانکہ سب سے ہلکا عذاب اس کو ہوگا۔

لیکن ان کی بھی یہ حالت ہوگی کہ آگ ان کے کانوں سے اور ناک کے سوراخوں سے نکلے گی اور دماغ کھولیں گے، ان سے متصل وہ لوگ ہوں گے جو دوزخ کے پتھر پر اکیلے تڑپیں گے جیسے بھنا جانے والا دانہ آگ سے، ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر گریں گے۔ دوزخیوں کو ان کے اعمال کے موافق عذاب دیا جائے گا۔ ہم ان کے اعمال اور ان کے ٹھکانے سے اللہ کی پناہ

مانگتے ہیں۔

حرام کاری کا عذاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی نگہداشت نہیں کرتے ان کا عذاب یہ ہوگا کہ ان کی شرم گاہوں کو آنکڑے میں چبھو کر دوزخ میں بقدر مدت دنیا لٹکایا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے جسم پگھل جائیں گے اور جانیں رہ جائیں گی پھر ان کو اتار کر از سر نو جسم اور کھالیں دی جائیں گی، پھر ان کو بقدر مدت دنیا عذاب دیا جائے گا۔ 70 ہزار فرشتے ہر آدمی کو کوڑے ماریں گے یہاں تک کہ بدن پگھل جائیں گے اور جانیں رہ جائیں گی۔

چوری کا عذاب

چوری کا عذاب یہ ہوگا کہ چور کا بند کاٹا جائے گا، پھر از سر نو دیا جائے گا اور ہر آدمی کی طرف 70 ہزار فرشتے چھریاں لے کر کاٹنے کو بڑھیں گے۔

جھوٹی گواہی کا عذاب

جھوٹی گواہی دینے والوں کی سزا یہ ہوگی کہ ان کی زبانوں میں آنکڑے ڈال کر ان کو دوزخ میں لٹا دیا جائے گا، پھر ہر آدمی کو 70 ہزار فرشتے کوڑے ماریں گے یہاں تک کہ ان کے جسم پگھل جائیں گے اور جانیں رہ جائیں گی۔

مشرکوں کا عذاب

مشرکوں کا عذاب اس طرح ہوگا کہ ان کو جہنم کے غار میں ڈال کر منہ بند کر دیا جائے گا۔ اندر سانپ، بچھو، بکثرت انگارے، شعلے اور سخت دھواں ہوگا۔

سرکشوں اور مغروروں کی سزا

فرعون، ہامان، اور نمرود جیسے سرکش اور مغروروں کا عذاب یہ ہوگا کہ ان کو جہنم کے غار میں ڈال کر منہ بند کر دیا جائے گا۔ اندر سانپ، بچھو، بکثرت انگارے، شعلے اور سخت دھواں کا

عذاب ہوگا اور روزانہ ایک ہزار نئی کھالیں دی جائیں گی۔

خیانت کاری کا عذاب

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے خیانت کا مال لے کر آئیں گے، پھر جہنم کے سمندر میں اس مال کو ڈال کر حکم دیا جائے گا کہ غوطہ مار کر اس کے اندر سے نکال کر لاؤ، اس حکم کی غرض یہ ہوگی کہ وہ بحر جہنم کی تہہ تک پہنچ جائیں گے مگر اس کی گہرائی سے سوائے اس کے پیدا کرنے والے کے کوئی واقف نہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ غوطہ مارتے رہیں گے، پھر سانس لینے کے لیے سر اوپر نکالیں گے تو ہر شخص کی طرف 70 ہزار فرشتے گرز لوہے کے لے کر بڑھیں گے اور مار کر پھر سمندر میں لڑھکا دیں گے۔ یونہی ہمیشہ ان کو عذاب ہوتا رہے گا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہاں کئی احقاب رہیں گے مجھے یہ معلوم نہیں کہ کتنے احقاب رہیں گے ہاں ایک حقب اسّی ہزار سال کا اور سال تین سو ساٹھ دن کا اور دن تمہاری گنتی کے ہزار سال کا ہوگا۔ پس ہلاکت ہوگی دوزخیوں کے لئے اور ہلاکت ہوگی آگ کی لپٹ مارنے سے ان کے چہروں کی جو دھوپ کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ہلاکت ہوگی ان سروں کی جن پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا، حالانکہ وہ دنیا میں ذرا سا سر درد برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ہلاکت ہوگی ان آنکھوں کی جو دھن برداشت نہیں کر سکتی تھیں وہ نیلی پڑ جائیں گی اور پتھرا جائیں گی۔ ہلاکت ہوگی ان کانوں کی جو داستانوں اور راگ ورنگ سے لطف اٹھاتے تھے جب کہ ان سے شعلے نکلیں گے۔ ہلاکت ہوگی ناک کے ان سوراخوں کی جو مردار کی بدبو برداشت نہیں کر سکتے تھے جب کہ آگ سے وہ پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ ہلاکت ہوگی ان گردنوں کی جو درد بھی برداشت نہ کر سکتی تھیں اور ان میں طوق ڈالے جائیں گے۔ ہلاکت ہوگی ان کھالوں کی جو کھردرا لباس نہیں برداشت کر سکتی تھیں جب کہ ان پر کھردرا سڑاندوالا آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور آگ کے شعلے اس سے بھڑکتے ہوں گے۔ ہلاکت ہوگی ان پیٹوں کی جو بھوک کی ذرا سی شدت برداشت نہیں کر سکتے، جب کہ وہ بھوک سے بے قرار ہوں گے اور ان کے اندر زقوم، پیپ اور

کھولتا پانی رانگ جیسا بھرے گا اور آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ ہلاکت ہوگی ان قدموں کی جو ننگے نہیں رہ سکتے تھے جب کہ ان کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے۔ ہلاکت ہوگی دوزخیوں کی طرح طرح کے عذاب سے۔

الٰہی! ہمیں اپنے فضل عام کی برکت سے دوزخی نہ بنانا۔

یا اللہ! تو ہمارا بھی مالک ہے اور دوزخ کا بھی۔ ہم کو دوزخ کے حوض میں نہ اتارنا، ہماری گردنوں کو اس کے طوق سے بچانا اس کے لباس، زقوم کے کھانے اور گرم پانی سے بچانا۔

الٰہی! ہمیں اس کے مؤکلوں سے اور ان کے غضب سے بچانا۔ الٰہی! اپنی رحمت سے ہمیں پل صراط سے بحفاظت گزار دینا اور دوزخ کی چنگاریوں اور شعلوں کا رخ ہماری طرف سے پھیر دینا۔ ہم کو اپنی رحمت سے دوزخ کی آگ اور اس کے دھوئیں سے اس کی سختی اور عذاب سے محفوظ رکھنا۔ آمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۰

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِوَالِدَیْنَا وَلِاِخْوَانِنَا وَلِاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّتِنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ط آمین!

☆☆☆

بتیسواں وعظ

در بیانِ دنیا وحیاتِ دنیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا۔ (سورۂ کہف، آیت:45)

سب تعریفیں اس خالق برحق کو سزا وار ہیں کہ جس نے انسان کو پیدا فرمایا۔ اس کے لیے رنگا رنگ کی نعمتیں پیدا فرمائیں اور دنیا کی رنگینیوں کو انسان کے امتحان و آزمائش کے لیے بنایا کہ جو ان دنیاوی زیب و زینت کے دھوکے میں پھنس کر رہ گیا وہ بلاشبہ خسارے کی طرف گیا لیکن جس نے اپنے دامن کو دنیاوی نجاست سے آلودہ نہ ہونے دیا بے شک وہ فلاح پا گیا۔

دنیا کی تخلیق کا مقصد

انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا فرمایا ہے۔

اس مقصد کے لیے تو انسان کو جنت میں رکھا گیا تھا لیکن جن کے بہکانے پر اس حضرت سے کچھ چوک ہوگئی تو اسے زمین پر اتار کر دنیا کے قید خانے میں قید با مشقت کی سزا دی گئی۔

فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔
(مسلم و مشکوٰۃ، صفحہ:439)

ترجمہ: دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے لیکن کافر کے لیے جنت ہے۔

دنیا میں انسان کے لیے بیحد آزمائشیں رکھی گئی ہیں، کہیں اسے مصیبتوں میں ڈال کر امتحان لیا جارہا ہے تو کہیں اسے بہکانے والی خوبصورت اور دل آویز رعنائیوں سے۔ فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:100)

ترجمہ: ہم خوف و بھوک اور جان و مال اور ثمرات کے نقصان سے ان کو آزماتے ہیں۔

تو ان دنیاوی رعنائیوں اور رنگینیوں میں پھنس کر جو لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں وہ لوگ اسے مانند جنت خیال کرتے ہیں اور اپنے خالق حقیقی کو بھلا کر اللہ عزوجل کے بتلائے ہوئے صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں، پس ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں لیکن جو لوگ دنیا کی اس امتحان گاہ میں کامیاب رہے اور انھیں شیطانی وساوس اور دنیاوی رنگینیوں سے دور رہنے کا موقعہ مل گیا تو سمجھ لیجیے کہ انھوں نے اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کیا اور وہ دنیا و آخرت میں فلاح پا گئے۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورۂ بقرہ، آیت:38)

ترجمہ: جس نے میری ہدایت کی اتباع کی اسے آخرت میں نہ خوف و ہراس ہوگا نہ حزن وملال۔

ہاں تو دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ دنیا مومن کے لیے ایک قید خانہ ہے لیکن کافر کے لیے نعمتوں کا گھر۔ اللہ تعالیٰ عزوجل مومن کی آزمائش جان و مال کی کمی اور دکھ اور تکالیف سے کرتا ہے لیکن کافر کو اس کی خواہش سے بھی زیادہ دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ

اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے وہ کافر اور زیادہ گمراہ ہو کر جنت سماوی کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہیں۔

حکایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے ایک مومن اور ایک کافر کو دریا کے کنارے مچھلیاں پکڑتے دیکھا۔ مومن جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جال لگاتا تھا کچھ نہ پاتا تھا، لیکن کافر جو اپنے بتوں کے نام پر جال ڈالتا تھا مچھلیاں پکڑنے میں کامیاب تھا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام بہت متعجب ہوئے اور عرض کیا: یا الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے پر جب جنت میں نگاہ دوڑائی تو ایک سونے کا حوض دیکھا جس پر اس مومن کا نام کندہ تھا اور اس حوض میں بے شمار مچھلیاں تھیں، پھر دوزخ کی طرف امر الٰہی سے نگاہ کی تو اس کافر کا نام ایک آگ کے مکان پر لکھا ہوا دیکھا جس میں سانپ اور بچھو اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ اللہ عزوجل کو ہی ان کی گنتی معلوم ہو سکتی ہے۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:204)

کافر کو اس کی نیکی کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے

دنیا میں کافر اس لیے بھی آسودہ حال رہتا ہے کہ اس کی نیکیوں کا بدلہ اسے دنیا میں ہی دنیاوی مال و دولت کی صورت میں یا اس کی خواہش کی تکمیل کی صورت میں دے دیا جاتا ہے۔

حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ چوتھے آسمان پر دو فرشتوں کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگا: فلاں شہر میں ایک قریب المرگ یہودی نے مچھلی کے گوشت کی خواہش کی ہے لیکن اس کے علاقے کے دریاؤں میں مچھلیاں نہیں ہیں، مجھے حکم ملا ہے کہ مچھلیاں چلا کر اس کے دریا میں لے جاؤں تاکہ اس یہودی کے آدمی ان کو پکڑ کر اس کی خواہش کی تکمیل کر سکیں، کیونکہ اس کی ایک نیکی باقی ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس کی موت سے پہلے دنیا میں دینا چاہتا ہے۔ دوسرے فرشتے نے کہا: مجھے بھی ایک حکم ملا ہے کہ فلاں شہر میں ایک نیک شخص ہے، جس کی ہر برائی کی سزا اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں دے دی ہے، اب اس کی وفات کا وقت قریب ہے اور اس نے زیتون کی خواہش کی ہے لیکن اس کا ایک گناہ ابھی باقی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں زیتون برتن سے گرا دوں تاکہ اس کی خواہش کی تکمیل نہ ہونے سے جو اسے

رنج ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا گناہ بخش دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو تو اس کے ذمے کوئی گناہ نہ ہو۔ (نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:205)

دوستو! اس حکایت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کسی مومن کو کوئی تکلیف یا غم پہنچتا ہے تو وہ اس کے لیے اس کے گناہوں کا کفارہ ہے، اس لیے انسان کو کسی مصیبت میں آہ و فغاں نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے اللہ کی طرف سے اس کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہوئے کہنا چاہیے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط

کیونکہ کسی مومن پر جب کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ کہتا ہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط

دنیا کا مال و دولت

ہاں! دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ دنیا سے مومن نفرت کرتا ہے لیکن کافر اس سے محبت، اس کی وجہ کیا ہے؟ آخر دنیا کس چیز کا نام ہے جس سے مومن کو نفرت ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے کی باتیں، مثلاً: مال و دولت، کھیل تماشے، فخر و غرور اور زن و زر اور اولاد جن میں کھو کر انسان اپنے محسن حقیقی کو بھلا بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط (سورۂ حدید، آیت:20)

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

تو میرے دوستو! یہی وہ دنیا ہے جس سے مومن کو نفرت ہے اور کافر کو محبت ہے اور اگر انسان ان دنیاوی مال و دولت، لہو لعب اور زینت و آرائش میں پڑ جاتا ہے تو وہ اپنے مالک حقیقی کو بھلا بیٹھتا ہے اور ان کے حصول کے لیے ہر بڑے سے بڑا فعل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، اسی لیے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ط (سورۂ کہف، آیت:46)

ترجمہ: مال اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگار ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی۔

مال و دولت اور اولاد سب کچھ دنیا میں رہ جائے گا، ان میں سے کوئی بھی موت کے وقت کسی کا ساتھ نہیں دے گا اور نہ ہی آخرت میں کوئی کسی کا ساتھ دے گا۔ جب مال و دولت گنہگاروں کو اللہ کے عذاب سے نہ بچاسکیں گے تو صرف کام آنے والی چیز اس وقت نیک اعمال ہوں گے جو اسے آگ کے گڑھے سے بچاسکیں گے، ورنہ یہ مال و دولت اس وقت کسی کام کا نہ ہوں گے بلکہ یوں کہیے کہ دنیا میں بھی مال و دولت کی کوئی حقیقت نہیں، اسی لیے اللہ والے مال و دولت کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت مسلم بن احمد درویش رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے خلیفہ کے خوبصورت اور کشادہ محل کو دیکھ کر فرمایا: اگر تیرے محل کی طرح تیری قبر بھی کشادہ اور روشن ہو تو کیا ہی خوب ہو۔ خلیفہ خوفزدہ ہو گیا اور عرض کیا: اے مسلم! مجھے کوئی نصیحت کیجیے جس سے میری عاقبت سنور جائے اور دنیا میں میرے کام آئے۔ انھوں نے فرمایا: اے خلیفہ! اگر تجھے پانی نہ ملے اور تو پیاس سے مر رہا ہو تو ایسی صورت میں اگر کوئی تیرے پاس پانی کا پیالہ لے کر آئے تو تو اسے کتنی قیمت سے خریدلے گا۔ خلیفہ نے کہا: آدھی سلطنت سے۔ پھر پوچھا: اگر پانی پی کر تیرا پیشاب بند ہو جائے یہاں تک کہ اس مرض سے موت کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس مرض کے علاج کے لیے کیا خرچ کرے گا؟ خلیفہ نے کہا: باقی آدھی سلطنت۔ تو حضرت مسلم نے فرمایا: اے خلیفہ! ایسی دنیا کی کیا حقیقت ہے جو ایک پیالہ پانی اور پیشاب کے جاری ہونے کے بدلے میں جاتی رہے، اس لیے ایسی بے قدر و قیمت دنیا سے محبت ترک کر کے اپنے خالق حقیقی سے لو لگاؤ۔

میرے بھائیو! ایسی بے قدر اور بے قیمت دنیا سے محبت کرنا بڑی حماقت اور خسارے کا باعث ہے۔ انسان اس دنیا میں خواہ کتنا ہی طاقتور بن جائے لیکن آخر اسے موت کا چنگال زیر کر کے مٹی میں ملا دیتا ہے اور اس کے اعمال اس کی سزا و جزا کے منتظر ہوتے ہیں۔

ابن جوزی سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ اپنے حواریوں کے

ہمراہ جا رہے تھے، راستے میں ایک مردے کی کھوپڑی دیکھی اور ساتھیوں کے اصرار پر اللہ عزوجل کے حضور دست بدعا ہوئے۔ جب کھوپڑی میں قوت گویائی پیدا ہو گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: دنیا میں تیری کیا حیثیت تھی اور تو نے دنیا اور آخرت کو کیسا پایا؟

تو اس کھوپڑی نے جواب دیا: اے عیسیٰ! میں اس زمین پر حکومت کرتا تھا۔ ہزار سال تک زندہ رہا، مجھ سے ہزار اولاد ہوئی، ہزار شہر فتح کیے، ہزار لشکروں کو شکست دی اور ہزار بادشاہوں کو قتل کیا۔ آخر اس زمانے بھر کے فاتح کو موت کے ہاتھوں زیر ہونا پڑا اور اے عیسیٰ! میں نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ زہد و تقویٰ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور حرص و طمع میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہمراہ مدینہ کے قبرستان میں گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل قبور پر سلام کر کے فرمایا: تم اپنی خبر بتلاؤ گے یا ہم بتلائیں؟ قبرستان میں سے وعلیکم السلام کی آواز سنائی دی اور کسی نے کہا: ''اے امیر المومنین! تم ہی کوئی خبر دو کہ ہمارے بعد کیا ہوا؟'' آپ نے فرمایا: ''سن لو تمہاری بیویوں نے شادی کر لی، تمہارے مال بٹ گئے، تمہاری اولاد یتیموں میں شامل ہو گئے اور جس مکان کو تم نے بہت مستحکم بنایا تھا اس میں تمہارے دشمن آباد ہو گئے۔'' یہ سن کر ایک مردے نے کہا:

ہمارے کفن پارہ پارہ ہو گئے، بال جھڑ کر بکھر گئے، کھالیں ریزہ ریزہ ہو گئیں، آنکھیں بہہ کر رخساروں پر آ گئیں اور نتھنوں میں سے پیپ بہہ رہی ہے، ہم نے جو کچھ آگے بھیجا تھا پالیا اور جو کچھ پیچھے چھوڑا تھا اس میں نقصان ہوا، ہم تو اپنے اعمال کے ہی ممنون کرم ہیں۔

(تاریخ نیشاپوری)

اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت

دوستو! دنیا اللہ عزوجل کے نزدیک بالکل بے قدر قیمت ہے اور وہ اس کی وقعت مچھر کے پر یا مردہ جانور کے برابر بھی نہیں سمجھتا تو اللہ کے بندے اس بے قیمت چیز سے کس

طرح لوٹائیں گے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَاللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے برابر قدر رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ایک بھیڑ کے مردہ بچے کے پاس سے گزرے جس کے کان کٹے ہوئے تھے، فرمایا:

اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَانُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ قَالَ فَوَاللّٰهِ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔ (رواہ مسلم، مشکوۃ، صفحہ:439)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس کو ایک درہم میں پسند کرتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا: ہم اس کو کسی چیز کے بدلے پسند نہیں کرتے۔ فرمایا: خدا کی قسم! البتہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

دوستو! دنیا جس کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، بھلا اللہ والے اس حقیر دنیا کو کب قبول کرتے ہیں، وہ دنیا سے بھاگتے ہیں، لیکن دنیا ان کے قدموں میں ہوتی ہے، وہ اسے ٹھکرا دیتے ہیں اور صرف اپنے محبوب خالق حقیقی کی رضا جوئی چاہتے ہیں اور اس ملعون دنیا کو خرید کر لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پسند نہیں کرتے۔

دنیا ملعون ہے

ارشاد نبی ﷺ ہے:

اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَافِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکوۃ، صفحہ:441)

ترجمہ: خبردار! دنیا لعنت کی گئی ہے اور سب چیزیں دنیا کی ملعون ہیں مگر ذکر خدا اور جسے

اللہ دوست رکھے اور عالم اور علم سیکھنے والا۔

دوستو! بتلاؤ کہ اس ملعون دنیا کو خریدنے والا اس کا عاشق وطالب کیسا ہوگا؟ کیا وہ لعنت کا مستحق نہیں؟ کیا وہ اپنے خالق کے احکام کا جھٹلانے والا نہیں؟

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اہلِ دنیا کافراں مطلق اند — روز وشب در زق و در بق بق اند

چیست دنیا از خدا غافل بدن — نے قماش ونقرہ وفرزند و زن

مولانا صاحب نے دنیا کی حقیقت بڑے اچھے انداز میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ دنیا جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ شادی بیاہ کر کے انسان دنیا میں رہے، بال بچوں کی پرورش کرے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے روزی کمائے اور سونا چاندی حاصل کرے بلکہ دنیا تو وہ چیز ہے جو انسان کو اپنے سچے خالق اور اصل معبود سے غافل کر دے۔ جو شخص دنیا میں حقوق العباد کو پورا کرتے ہوئے حقوق اللہ کا بھی خیال رکھتا ہے وہ دنیا کا طالب نہیں بلکہ وہ مومن ہے اور آخرت میں جنت کا وارث اور دنیا کے طالب اللہ عزوجل کو بھلا بیٹھتے ہیں اور وہ دوزخ کے حقدار ہوتے ہیں۔

سورۂ یونس کی تفسیر میں درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گاؤں کے پاس سے گزرے اور اس بستی کے لوگوں کو گلیوں میں بے گور وکفن پڑے دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوئے تو اللہ عزوجل کا حکم آیا کہ رات کو ان لوگوں کو پکارنا یہ لوگ خود ہی اپنے حالات سے آگاہ کریں گے۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مردوں کو آواز دی، ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آواز کا جواب دیا اور کہا: لبیك یا روح اللّٰہ۔ آپ نے فرمایا: تمہارا یہ کیا قصہ ہے؟ تو وہ بولا اے اللہ کے پیغمبر! ہم رات آرام سے بسر کرتے ہیں اور دن کو دوزخ میں پہنچ جاتے ہیں۔ آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا: اے اللہ کے پیغمبر! ہم دنیا سے بے حد محبت کرنے والے تھے جیسے ماں بچے سے محبت کرتی ہے اور دنیا کو پا کر نہایت مسرور ہوتے تھے اور دنیا کو نہ پا کر رنجور ہوتے تھے اور آہ وبکا کرتے تھے، پھر فرمایا: تیرے دوسرے ساتھی جواب کیوں نہیں

دیتے؟

عرض کیا: وہ سخت فرشتوں کے ہاتھوں گرفتار ہیں، ان کو آگ کی لگام چڑھادی گئی ہے جس کی وجہ سے بول نہیں سکتے۔ آپ نے فرمایا: تجھے بولنے کی اجازت کیسے ہوئی؟ تو عرض کیا: میں ان سے نہیں ہوں۔ البتہ جب عذاب نازل ہو رہا تھا تو میں ان کے قریب سے گزرا اور اس عذاب میں گرفتار ہوگیا۔ اب میں دوزخ کے کنارے پر بالوں کے بل لٹکا ہوا ہوں اور معلوم نہیں کہ میں اس سے نجات پاؤں گا یا نہیں۔ میرے بھائیو! یہ ہے دنیا کے طالب کا انجام۔

دوستو! یہ دنیا کی زندگی دھوکہ اور فریب ہے، احمق لوگ اس کے فریب پر فریفتہ اور عقل مند گریختہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس دنیا کی زیب وزینت پر شیدا ہیں وہ جان لیں کہ دنیا ایک سراب کی مانند ہے جس کا طالب ہمیشہ دھوکے میں رہتا ہے اور آخر ہلاکت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (سورۂ حدید، آیت:20)

ترجمہ: دنیاوی زندگی محض دھوکہ ہے۔

دنیا کی مثال کچھ ایسی ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ (سورۂ کہف، آیت:45)

ترجمہ: ان کے سامنے دنیا کی زندگانی کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اُتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا، پھر سوکھی گھاس ہوگیا جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ ہر چیز پر قابو پانے والا ہے۔

طالب دنیا کے لیے ہلاکت ہے

دوستو! ذرا غور کرو اور دیکھو دنیا اپنے چاہنے والے طلب گاروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے۔

وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک یہودی بھی تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس صرف ایک روٹی تھی اور اس یہودی کے پاس دو۔

آپ نے یہودی سے فرمایا: ہم اپنے طعام میں شرکت کریں۔ یہودی نے کہا ٹھیک ہے لیکن آپ کے پاس صرف ایک روٹی دیکھ کر پریشان ہوا اور جب روٹی کھانے بیٹھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی روٹی نکالی، یہودی نے بھی ایک روٹی نکالی۔ جب آپ نے دوسری روٹی کے بارے میں پوچھا: تو کہنے لگا: میرے پاس صرف ایک ہی روٹی ہے۔ چنانچہ کھانا کھانے کے بعد روانہ ہوئے۔

راستے میں ایک اندھا ملا، آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور وہ بینا ہوگیا تو آپ نے اس یہودی سے فرمایا: تجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے اس اندھے کو نورِ نظر عطا فرمایا۔ سچ سچ بتلا کہ دوسری روٹی کہاں گئی؟ وہ بولا: میرے پاس تو ایک ہی روٹی تھی، پھر ایک ہرنی کو دیکھا جو چر رہی تھی۔ آپ نے اسے بلایا وہ آگئی تو اسے ذبح کر کے کھایا اور پھر اس کی زندگی کے لیے دعا کی تو زندہ ہوگئی۔ آپ نے پھر اس یہودی سے کہا: تجھے اس ذات کی قسم! جس نے اس ہرنی کو دوبارہ زندگی بخشی، بتا کہ تیری دوسری روٹی کس نے کھائی؟ اس نے پھر وہی جواب دیا، پھر ان کا گزر ایک گاؤں سے ہوا اور یہودی حضرت عیسیٰ کا عصا چرا کر گاؤں کے کوچوں میں آواز لگائی ''طبیب طبیب'' اس گاؤں کا بادشاہ بیمار تھا، لوگ اسے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ یہودی نے اسے عصا مارا جس سے وہ مرگیا اور پھر دوبارہ عصا مارا اور کہا: قم باذن اللّٰہ ۝ اللہ کے حکم سے اٹھ۔ لیکن وہ نہ اٹھا، اس پر لوگوں نے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ جب یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملی تو وہ فوراً وہاں پہنچے اور کہا: میں تمہارے بادشاہ کو زندہ کر دیتا ہوں، تم میرے ساتھی کو چھوڑ دو۔

چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور بادشاہ زندہ ہوگیا۔ اب آپ نے پھر وہی بات دہرائی اور پوچھا: تمہاری دوسری روٹی کس نے کھائی؟ تو یہودی نے کہا: خدا کی قسم! میرے پاس ایک ہی روٹی تھی۔ اس کے بعد ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جو برباد پڑی تھی، وہاں انھوں نے تین

سونے کی اینٹیں دیکھیں۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان کو ہم اپنی روٹیوں کے مطابق تقسیم کریں گے تو یہودی جھٹ بول اٹھا: وہ روٹی میں نے کھائی تھی، اس وقت آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ جب یہودی اینٹ اٹھانے لگا تو وہ بہت بھاری ہوگئی اور وہ اسے اٹھا نہ سکا۔ آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور آگے چل پڑے مگر یہودی کے دل میں ان اینٹوں کی حرص موجود رہی پھر اور تین شخص ان اینٹوں کے پاس آئے اور دیکھ کر خوش ہوئے۔ وہ بھوکے تھے ان کو کھانا لانے کے لیے بھیج دیا گیا اور ان دونوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا، جب وہ کھانا لایا تو اسے قتل کر دیا اور خود بھی کھاتے ہی مر گئے، کیونکہ اس تیسرے نے کھانے میں زہر ملا دی تھی۔ اب اینٹیں پڑی کی پڑی رہ گئیں اور وہ پاس مردہ پڑے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر ادھر سے گزرے تو پھر اپنے ساتھی کو بتایا کہ یہ دنیا اپنے پیاروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے۔ پھر ان مردوں کے لیے دعا فرمائی تو وہ زندہ ہوگئے اور دنیا کی محبت سے توبہ کی، لیکن وہ یہودی بولا کہ یہ اینٹیں مجھے دے دیجیے۔

آپ نے فرمایا: لیکن آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، پس اللہ تعالیٰ نے اس یہودی کو اینٹوں سمیت زمین میں غرق کر دیا۔ (نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:207)

☆☆☆

تینتیسواں وعظ

دربیانِ سینما و سرور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۰
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۰ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۰ (سورۂ لقمان)

الحمد للہ کہ سب تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں جس نے انسان کو پیدا فرما کر طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور خصوصاً انسان کی تخلیق احسن تقویم پر فرمائی۔ احسن تقویم یہ ہے کہ اس کو خوبصورتی، خوبروئی، خوش خلقی اور خوش الحانی عطا فرمائی۔ اس مالک حقیقی نے اپنے بندوں میں سے جس پر مہربانی فرمائی اسے بے حد نوازا کہ اس شہنشاہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو جو خوش الحانی عطا فرمائی ہے تو اس کے مقابلے پر آج تک اس کا ثانی پیدا نہیں کیا۔ اسی طرح سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطانی عطا فرمائی تو آج تک کوئی ایسا حکمراں پیدا نہیں کیا جو ہر جن و بشر اور چرند پرند پر حکم رکھتا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ شرف حاصل تھا کہ اللہ عزوجل سے کلام فرماتے تھے۔ اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی نبوت کسی کو عطا فرمائی ہی نہیں۔

کشف المحجوب میں ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا تو اعلیٰ درجے کی خوش الحان آواز عطا فرمائی کہ آپ کی خوش الحانی سے پہاڑ بھی نرم ہو کر بہہ جاتے تھے۔ جنگلوں کے درندے اور پرندے آپ کی آواز سن کر جنگلوں سے نکل آتے تھے

اور آواز کے سرور میں اس قدر کھو جاتے تھے کہ اپنی طبعی صفات کو بھول جاتے تھے۔ پرندے اڑتے ہوئے گر پڑتے تھے، جنگل کے مخلوق ایک ماہ تک کچھ نہ کھاتے تھے، بچے دودھ نہیں پیتے تھے، پانی بہنے سے رک جاتا تھا اور درخت جھوم اٹھتے تھے حتیٰ کہ آپ کی نغمہ سرائی کے وقت سرور اور لذت کی یہ کیفیت طاری ہو جاتی کہ اکثر انسان دارِفنا کو سدھارتے تھے۔

سرور و ساز کا آغاز

کشف المحجوب میں یہ روایت درج ہے کہ ایک دفعہ آپ کی آواز کے اثر سے 7 سو دوشیزائیں اور 12 ہزار بوڑھے مرد مر گئے کہ وہ آپ کی آواز کی اور غنا کی لذت کو برداشت نہ کر سکے۔ یہ دیکھ کر ابلیس کی طبیعت بے قرار ہوگئی اور اس نے لوگوں کو گمراہ کرنے کی تدبیر کی۔

چنانچہ اس نے اور اس کے پیروکاروں نے اس مقصد کے لیے بانسری، سارنگی، طنور، ستار اور ڈھولک تیار کیے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے مقابل اپنی مجلس جمائی اب لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ جو اہل سعادت تھے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے شیدائی تھے لیکن جو گمراہ تھے وہ ابلیس کے سازوں کی طرف مائل ہو گئے۔ (کشف المحجوب، صفحہ:235)

دوستو! یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس موجودہ راگ رنگ، ناچ گانوں، فلموں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا اصل موجد شیطان ہے، اس لیے یہ سارے کام شیطانی ہیں اور اب یہ طبیعت کو شیطانی کاموں اور گنہگاری کی طرف اکسانے والے ناچ کھیل، راگ رنگ زوروں پر ہیں۔ یہی وہ دنیاداری اور لہو ولعب ہے جو انسان کے ایمان واعمال اور اخلاق کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے۔ کیونکہ لوگ ناچ گانوں، فلموں، سینماؤں اور دیگر کلبوں وغیرہ کی طرف رجوع کر کے شیطانی اعمال اور حرام کاری کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ اعمال اور اخلاق کا دیوالیہ نہیں تو اور کیا ہے۔

ایسے لوگوں کے دل مردہ ہو جاتے ہیں اور ان کی سیہ کاری انھیں راہ راست پر نہیں آنے دیتی۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن

سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (سورۂ لقمان، آیت:6-7)

ترجمہ: بعض آدمی کھیل کی باتوں (ناچ گانے سنیما) کو خرید کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بن سمجھے گمراہ کر دیں اور اللہ کی آیتوں سے تمسخر کرتے ہیں۔ ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جائیں تو تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر جاتے ہیں جیسے کہ انھوں نے سنا ہی نہیں گویا ان کے کان بہرے ہیں، ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔

روایت ہے کہ ایک کافر نضر بن حارث لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے حیرہ کے علاقے سے عجمیوں کی کتابیں لاتا اور قریش کو شاہانِ فارس اسقندریا اور رستم وغیرہ کے قصے سناتا تھا تاکہ وہ لوگ اللہ کے کلام کی طرف رجوع نہ کریں اور ان کہانیوں میں مشغول ہو جائیں۔ (خازن، صفحہ:439)

تو اللہ عزوجل نے لوگوں کی ہدایت کے لیے مذکورہ آیت مبارکہ بھیجی۔ اس لحاظ سے ریڈیو پروگرام کے گانے سننا بھی حرام ہیں۔ چہ جائیکہ ٹیلی ویژن پر بنی سنوری صورت کو دیکھ کر نفسانی خواہشات زیادہ ابھریں اور ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلمیں ہی موجودہ فحاشی کا سبب ہیں کیونکہ یہ مردوں اور عورتوں کے جذبات کو برانگیختہ کر کے معصیت کی طرف متوجہ کرتے ہیں، ناسمجھ بچے اور عورتیں ان گانوں اور تصاویر سے اپنے جذبات کو برانگیختہ پا کر کسی غلط راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

عورتوں کے جذبات مردوں کی نسبت جلد برانگیختہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ عقل میں کمزور ہوتی ہیں لیکن نفسانیت میں مرد سے سوگنا زیادہ۔

ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

فُضِّلَتِ الْمَرْأَةُ عَلَى الرَّجُلِ بِتِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ جُزْءًا مِنَ اللَّذَّةِ وَلَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَلْقَى عَلَيْهَا الْحَيَاءَ ۝ (کشف الغمہ، جلد:2، صفحہ:77)

ترجمہ: عورت کو مرد سے 99 گنا لذت وشہوت زیادہ دی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس

پر حیا ڈال دیا ہے۔

عورت کا گانا درست نہیں

عورت کی طبیعت میں قدرتی طور پر نزاکت اور اس کی آواز میں لطافت اور نرمی پائی جاتی ہے، اس لیے علمانے عورت کی آواز کو ستر قرار دیا ہے اور وہ کسی نامحرم کے ساتھ کلام نہیں کرسکتی حتیٰ کہ کلام اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتی، اس لیے عورت کو کسی مرد سے کلام کرنے سے روکا گیا ہے۔

ابن عمر سے روایت ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تُكَلَّمَ النِّسَآءُ اِلَّا بِاِذْنِ اَزْوَاجِهِنَّ ۝ (طبرانی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو خاوند کی اجازت کے بغیر کلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں ہے: لَيْسَ لِلنِّسَآءِ سَلَامٌ وَلَا عَلَيْهِنَّ سَلَامٌ ۝ (کنزالاعمال، جلد:8)

ترجمہ: (اجنبی) عورتوں کا سلام کرنا اسی طرح (اجنبی) مردوں کے سلام کا جواب دینا عورت کے لیے جائز نہیں ہے۔

عورت پر یہاں تک پابندی ہے کہ وہ اگر کوئی زیور پہنے ہوئے ہو تو اپنے پاؤں کو زمین پر نہ مارے کہ اس کا زیور ظاہر ہو، چہ جائے کہ وہ ناچنے اور گانے کا کام کرے جو سخت بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط (سورۂ نور، آیت:31)

ترجمہ: عورتیں زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں تا کہ ان کی چھپی ہوئی زینت کا دوسروں کو علم نہ ہو جائے۔

لیکن ہمارے یہاں عورتیں گاتی ہیں، ناچتی ہیں اور تقریریں کرتی ہیں کیونکہ وہ مردوں کے برابر کے حقوق حاصل کرنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ اس لیے وہ غیر مردوں کے ساتھ

گانے یا ایکٹنگ کرنے سے پرہیز نہیں کرتیں۔

ایسے شرفا کے لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ دَيَّاثَةٌ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ كَانَ دَيُّوْثًا ۝ (المدخل، جلد:3، صفحہ:103)

اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ گانے والے اور سننے والے پر لعنت کرتا ہے۔

گانا شہوت کو برانگیختہ کرتا ہے

عشقیہ گانے اور غزلیں نفسانی خواہشات کو بھڑکاتی ہیں۔ خاص طور پر عورتوں کے گائے ہوئے نغمے انسان کے جذبات کو ابھارتے ہیں۔ اس طرح معصیت کو ترقی ہوتی ہے، کیونکہ گانا بجانا نشہ آور چیزوں کی طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

اِيَّاكُمْ وَالْغِنَآءَ فَاِنَّهٗ يَزِيْدُ الشَّهْوَةَ وَيَهْدِمُ الْمَرُوَّةَ وَاِنَّهٗ لَيَنُوْبُ عَنِ الْخَمْرِ وَيَفْعَلُ مَا يَفْعَلُ السُّكْرُ ۝ (المدخل، جلد:3، صفحہ:108)

ترجمہ: گانے سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ یہ شہوت کو زیادہ کرتا ہے اور مروت کو برباد کردیتا ہے اور وہ شراب کے قائم مقام ہے، گانا وہی اثر کرتا ہے جو نشہ کرتا ہے۔

گانے والے کی آمدنی حرام ہوتی ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَسْبُ الْمُغْنِيْ وَالْمُغْنِيَّةِ حَرَامٌ ۝ (المدخل، جلد:3، صفحہ:102)

ترجمہ: گانے والے مرد اور گانے والی عورت کی کمائی حرام ہے۔

لیکن یہاں عورت کی کمائی بڑے فخر سے کھائی جاتی ہے۔ جو ریڈیو پروگرام سے تنخواہ کے طور پر یا کسی فلمی گانے کی صدابندی سے عوضانے کے طور پر لاتی ہے۔

ایسی گانے والی عورتیں خود بھی گنہگار ہیں اور دوسروں کے جذبات کو برانگیختہ کرکے ان کے عصیاں کا حصہ بھی پاتی ہیں اور جب تک ان کا گانا نشر ہوتا رہے گا اس کا دائمی گناہ اس کو ملتا رہے گا۔

دوستو! کیا اچھا ہو کہ ہم اپنی اولاد کو فلمی ایکٹر یا سنگر کی بجائے قرآن کے حافظ اور قاری بنائیں تا کہ ان کی بخشش بھی ہو اور ہماری بخشش کے سامان بھی مہیا ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

راگ سننے سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ۔

(بیہقی و مشکوٰۃ، صفحہ:411)

ترجمہ: راگ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو پیدا کرتا ہے۔

دوستو! سوچو کہ ہم ہر وقت ریڈیو سے گانے سنتے ہیں لیکن ہمارے دلوں کا کیا حال ہوگا اور گانے بھی عورتوں کے گائے ہوئے پورے سازوں کے ساتھ، اس دور میں اللہ کی پناہ لینے سے ہی کچھ بچت ہو سکتی ہے، ورنہ ہمارے دل تو نفاق کا ذخیرہ بن چکے ہیں۔

گانے بجانے سے مصائب اور بلائیں نازل ہوتی ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہو جائیں گی تو ان پر مصائب اور بلائیں نازل ہوں گی۔

عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کون سی خصلتیں ہیں؟ تو فرمایا:

اِذَا کَانَ الْمُغْنَمُ دُوَلًا وَالْاَمَانَۃُ مُغْنَمًا وَالزَّکٰوۃُ مَغْرَمًا وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَہٗ وَعَقَّ اُمَّہٗ وَبَرَّ صَدِیْقَہٗ وَجَفَا اَبَاہُ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَھُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَۃَ شَرِّہٖ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلُبِسَ الْحَرِیْرُ وَاتُّخِذَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَلَعَنَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِیْحًا حَمْرَاءَ اَوْ خَسْفًا اَوْ مَسْخًا۔ (ترمذی، جلد:2، صفحہ:104)

ترجمہ: جس وقت غنیمت کو دولت بنایا جائے گا یعنی امرا مال غنیمت کھا جائیں گے اور فقرا وحق دار محروم رہ جائیں گے اور امانت غنیمت ہوگی یعنی مال میں خیانت ہوگی اور زکوۃ چٹی بن

جائے گی اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا اور اپنے دوست سے نیکی کرے گا اور اپنے باپ پر ظلم کرے گا اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی یعنی مسجدوں میں باجوں اور راگ کی آوازیں آئیں گی اور قوم کا لیڈر کمینہ شخص ہوگا، فاسق مرد کی عزت اس کی شرارت کے خوف سے کی جائے گی اور شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور گانے والی عورتیں اور باجے پکڑے جائیں گے اور اس امت کا آخری گروہ، اگلوں پر لعنت کرے گا پس اس وقت کا انتظار کرو جب سرخ آندھی آئے یا زمین دھنس جائے یا صورتیں مسخ ہو جائیں۔

دوستو! حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہ وقت آ چکا ہے اور یہ تمام خصلتیں امت مسلمہ میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اب تو صرف ان بلیات و آفات کا انتظار ہے جن کا آخر میں ذکر ہوا ہے۔

سینما گھر شیطان کی آماجگاہ ہیں

دوستو! حسب ارشاد حضور رحمت للعالمین سینما گھر جہاں تصاویر دکھائی جاتی ہیں، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے تو جہاں رحمت کے فرشتے داخل نہ ہوں وہاں صرف شیاطین ہی جائیں گے اور جو کچھ سینما گھروں میں ہوتا ہے وہ سینما دیکھنے والے خوب جانتے ہیں، کیونکہ سینما ہالوں، گیلریوں اور بکسوں میں مرد اور عورتیں مل کر سینما دیکھنے جاتے ہیں اور وہاں حرام کاری اور شیطانی حرکتیں لازماً ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے شر سے سب کو محفوظ رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَتَصَاوِیْرُ۔

(بخاری، مسلم و مشکوٰۃ، صفحہ:385)

ترجمہ: جس گھر میں کتا اور تصاویر ہوں اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

دوستو! آج کل جو ٹیلی ویژن کا عام رواج ہو رہا ہے یہ ٹیلی ویژن بھی سینما کے حکم میں شامل ہے۔ اس لیے ٹیلی ویژن کے شائقین بھی اس بات سے آگاہ رہیں کہ ان کے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اس گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جہاں تصاویر ہوتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

اِشْتَرَيْتُ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قُلْتُ اِشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدُ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَآئِكَةُ۔

(رواہ البخاری ومسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:285)

ترجمہ: آپ نے ایک تکیہ (سرہانہ) خریدا جس میں تصویریں تھیں۔ پس جب اس کو سید عالم ﷺ نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اندر داخل نہ ہوئے۔ میں نے آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمایاں دیکھے، فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی توبہ کرتی ہوں۔ میں کیا گناہ کر بیٹھی؟ تو سرکار اعظم ﷺ نے فرمایا: یہ سرہانہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کی: میں نے اس کو آپ کے لیے خریدا ہے، تاکہ آپ اس پر تشریف رکھیں اور ٹیک لگائیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک ان تصاویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو اور جس گھر میں تصویر ہو، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

فلم بینی زنا کاری کی طرف اُکساتی ہے

دوستو! فلموں میں کام کرنے والے تو اکثر زانی ہوتے ہیں اور ناچ رنگ اور فلمیں دیکھنے والے بھی زنا کاری سے نہیں بچ سکتے۔ وہ ان حسیناؤں کی صورت دیکھ کر دل میں عاشق ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں زنا کرتی ہیں، ان کے پاؤں ان کے پاس چل کر جاتے ہیں۔ تو یہ پاؤں کا زنا ہے اور وہ ان ناچنے گانے والیوں سے راہ و رسم پیدا کر کے زنا کاری پر اُتر آتے

ہیں۔ اس طرح فلم سازی، فلم بینی اور ناچ رنگ زنا کاری کی طرف مائل کرتے ہیں کیونکہ عورتیں پورے سنگار کے ساتھ اسٹیج پر آتی ہیں اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهٗ۔ (مسلم، جلد:2، صفحہ:336)

ترجمہ: دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے فرج اس کی تصدیق کرتا ہے اور تکذیب کرتا ہے۔

زناکاروں کا عذاب

اب یہ بھی سنو کہ زبان وہاتھ، آنکھوں یا فرج سے زنا کرنے والوں کی کیا سزا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل ومیکائیل کی معیت میں بہت سے لوگوں کو مبتلائے عذاب دیکھا اور زانیوں کے عذاب کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

فَانْطَلَقْنَا اِلٰى نَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّوْرِ اَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَاَسْفَلُهٗ وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَهٗ نَارٌ فَاِذَا فَتَرَتْ اِرْتَفَعُوْا حَتّٰى كَادُوْا يَخْرُجُوْ فَاِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِيْهَا وَفِيْهَا رِجَالٌ وَنِسَآءٌ عُرَاةٌ۔

ترجمہ: پس ہم ایک غار کی طرف گئے جو بشکل تنور تھی، اس کا اوپر کا حصہ تنگ تھا اور نیچے کا فراخ۔ اس کے نیچے آگ جل رہی تھی۔ پس جب آگ بھڑکتی تو لوگ اوپر آ جاتے۔ قریب تھا کہ نکل پڑیں، جب وہ بجھ جاتی تو وہ اس کے ساتھ نیچے چلے جاتے۔ اس میں مرد اور عورتیں ننگی تھیں۔

فحاشی کے اعلان سے وبائیں پھیلتی ہیں

حیا سوز اور فحش فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور بازاروں میں اس کا اعلان ہوتا ہے،

اشتہارات تقسیم ہوتے ہیں اور کھلم کھلا ملک کے مرد وزن دیکھتے ہیں۔

سرکار دو جہاں ﷺ فرماتے ہیں: لَمْ يَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا اِلَّا فَشٰى فِيْهِمِ الطَّاعُوْنُ وَالْاَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ اَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا۔

ترجمہ: کبھی کسی قوم میں بے حیائی نہیں ظاہر ہوتی یہاں تک کہ اس کا اعلان کریں مگر اس قوم میں طاعون پھیل جاتا ہے اور ایسی بیماریاں کہ ان کے گزشتہ بزرگوں میں کبھی نہیں ہوتیں۔

سنیما معصیت کا سبب ہے

فلموں میں باجے، مزامیر، طبلے، سارنگیاں و دیگر ساز عام بجائے جاتے ہیں جو لہو ولعب اور معصیت کا سبب ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ باجے اور مزامیر کو مٹا ڈالوں۔ اس کو احمد نے روایت کیا ہے۔

جن باجوں کے مٹانے کے لیے سردار دو جہاں تشریف لائیں ہماری پوری قوم مسلم ان ہی باجوں اور سازوں کو بجا کر اپنا دل خوش کرتے ہیں اور دل میں ان کی برائی کا احساس تک بھی نہیں کرتے، یہ بڑی نمک حرامی ہے کہ مشفق نبی پاک ﷺ کے فرمانِ پاک کو پامال کر رہے ہیں اور ذرا بھی نہیں شرماتے۔ ہم کلمہ پڑھ کر اپنے نبی کو دھوکہ دے رہے ہیں، یہ تو ہمارا حال ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہمارے بزرگ راہ گزرتے ہوئے باجے ڈھول طبلے کی آواز بھی سن لیتے تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ دَنَا عَنِ الطَّرِيْقِ اِلَى الْجَانِبِ الْاٰخِرِ ثُمَّ قَالَ لِيْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قُلْتُ لَا۔ فَرَفَعَ اِصْبَعَيْهِ مِنْ اُذُنَيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَمِعَ صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ۔ (رواہ احمد، ابی داود، مشکوٰۃ، صفحہ: 411)

ترجمہ: میں ایک راستے میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ جا رہا تھا کہ آپ نے

باجے بجنے کا آواز سنا تو آپ نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اس راہ سے ہٹ کر دوسری طرف ہو گئے۔ پھر جب آپ دور چلے گئے تو فرمایا: اے نافع! کیا تجھے کچھ سنائی دیتا ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں، تب آپ نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکال کر فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا تو آپ نے ایسا ہی کیا جیسا کہ میں نے کیا ہے۔

نیز حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حبشی عورت کے دیکھنے سے منع فرمایا جو نغمہ و سرور میں مصروف تھی اور فرمایا: وہ شیطان کی ساتھی ہے۔ (کشف المحجوب، صفحہ: 340)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جو نغمہ سرائی کرتا تھا درّے لگائے۔
(کشف المحجوب، صفحہ: 340)

حکایت

حضرت ابوالحارث بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کسی نے میرے حجرے کے دروازے پر آ کر کہا: طالبانِ حق کی جماعت جمع ہو رہی ہے اور سب شیخ کے دیدار کے آرزومند ہیں۔ اگر آپ مہربانی فرما کر قدم رنجہ فرمائیں تو عین نوازش ہوگی میں نے کہا: اچھا چلو میں ابھی آتا ہوں۔

چنانچہ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دیر میں ہم ایک گروہ کے قریب پہنچے۔ لوگ حلقہ باندھے بیٹھے تھے اور ایک بوڑھا مرد اُن کے درمیان بیٹھا تھا۔ اس نے میری بہت ہی عزت کی اور بولا: اگر اجازت ہو تو میں چند اشعار سن لوں۔ میں نے قبول کیا۔ پس دو آدمیوں نے نہایت خوش الحانی سے ایسے اشعار پڑھے جو حسن و عشق وغیرہ کے مضامین پر مشتمل تھے اور سب حاضرین سن کر وجد میں آ گئے اور خوشی کے نعرے مارنے لگے۔ میں ان کے حال پر متعجب تھا کہ توحید و معرفت یا دیگر مضامین پر نہیں بلکہ فسق و فجور پر یہ لوگ کیوں اس قدر وجد کرتے ہیں۔ اتنے میں بوڑھے نے مجھ سے کہا: اے شیخ! آپ نے مجھ سے میری حقیقت دریافت نہیں کی؟ میں نے کہا کہ تیری وحشت مجھے سوال کرنے سے مانع رہی۔ اس نے کہا: میں شیطان ہوں اور یہ سب میرے فرزند ہیں۔ نغمہ و سرور کی یہ محفل جمانے میں مجھے دو

فائدے ہیں: ایک یہ کہ مجھے خدا کی درگاہ میں اپنے عروج و مقبولیت کے دن نہیں بھولتے۔ لہٰذا میں نغمہ و سرور کے ذریعے اپنے درد و غم کو بھلانے کی کوشش کرتا ہوں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ میں اس نغمہ و سرور سے بندگانِ خدا کو لذتِ نفسانی میں مبتلا کر کے گمراہ کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ سن کر میں فوراً وہاں سے بھاگا اور ہمیشہ کے لیے نغمہ و سرور سننے سے توبہ کی۔ (کشف المحجوب، صفحہ:340)

اس سے پتہ چلا کہ نغمہ و سرور کی محفلیں (سینما گھر) شیطان منعقد کرتا ہے اور ان میں شمولیت کرنے والے اس کی اولاد ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔

قرآن پاک بھی یہی فرماتا ہے کہ نغمہ اور سرور اور گانے کے محافل شیطان کے آواز ہیں، سنیے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت:64-65)

ترجمہ: ڈگا دے ان میں سے جس پر طاقت رکھتا ہے اپنی آواز سے اور آوازہ کر ان پر اپنے سواروں اور پیدلوں سے اور شریک ہوں ان کو مالوں اور اولادوں میں اور وعدے دے ان کو اور نہیں وعدہ دیتا شیطان مگر دھوکہ فریب کا۔ بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔

مفسرین عظام نے فرمایا ہے کہ شیطان کے آواز سے مراد گانے، باجے اور لہو ولعب کی آوازیں ہیں۔ (تفسیر جلالین، صفحہ:235)

ہمارے نوجوان سینما گھر جانے اور وہاں کے نغمے سننے کے ایسے شائق ہوگئے ہیں کہ اگر روٹی میسر نہ ہو تو کوئی پرواہ نہیں مگر سینما گھر کی ٹکٹ ضرور خریدتے ہیں۔ اسی طرح اپنی کمائی کا معتد بہ حصہ مفت میں ضائع و رائیگاں کر کے شیطان کے بھائی بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ

الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:26-27)

ترجمہ: فضول نہ اُڑا، بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیاطین اپنے ربّ کے ناشکرے ہیں۔

سینما فسق و فجور کا اعلان ہے

سینما والے بذریعہ اشتہار اور اخبار اور منادی کے اطلاع دیتے ہیں کہ رات فلاں وقت فلاں کھیل اور گانا ہوگا۔ تو فسق و فجور کا ایک کھلم کھلا اعلان ہے جو سخت گناہ ہے۔ ہمارے رہبر اعظم اور ہادی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں:

كُلُّ أُمَّتِي مُعَافَاةٌ إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ ۝ (بخاری، جلد:2، صفحہ:892)

ترجمہ: میری امت کے لیے معافی ہے مگر جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں، اس کے لیے نہیں۔

سینما ایمان سے دور رکھتا ہے

جب لوگوں کو راگ ناچ طبلے سارنگی وغیرہ کے سننے کی عادت ہو جاتی ہیں تو اس کی برائی دل سے نکل جاتی ہے اور ایسے گناہ میں شریک ہونے میں غم تو کیا ہوتا ہے الٹی خوشی و مسرت ہوتی ہے اور یہ بڑا خطرناک مقام ہے کیونکہ جذبۂ ایمان یہ کہتا ہے کہ گناہ کر کے دل برا ہو اور نیکی کر کے دل خوش ہو۔

ہمارے پیارے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے، جب آپ سے ایمان کی علامت پوچھی گئی: إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ ۝

(مشکوٰۃ، صفحہ:16)

ترجمہ: جب تجھے نیکی خوش کرے اور برائی ناپسند لگے تو سمجھ لے کہ اب مومن ہے۔
اس سے اندازہ کیجیے کہ سینما دیکھنے والوں کا ایمان کتنا ضعیف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محرومی

خود سینما والوں اور وہاں جانے والوں کو نماز پڑھنی تو کیا نصیب ہوگی وہ خود تو اس نعمت

عظمیٰ سے محروم ہیں مگر ظلم یہ ہے کہ سنیما کی آوازوں کی وجہ سے نمازیوں کو نماز پڑھنی مشکل ہوجاتی ہے اوران کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

نیز پڑوس والوں کی نیند حرام کردیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ یہ سارا وبال سنیما کے سرپرستوں اوراس میں شریک ہونے والوں کے سر ہے۔

فلم ساز کے ذمے گناہ ہے

سنیما کے سرپرستوں اوراس کی حرام آمدنی کھانے والوں کے لیے اتنا کافی ہے کہ جتنا گناہ جدا جدا سب کو ملے گا اسی قدر سب کو ملا کر سنیما کے بانی اور مالک کو ملے گا۔

سید دوعالم ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔ (مسلم، جلد:2، صفحہ:341)

ترجمہ: جوشخص اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اوراس کے بعد اس پر عمل کیا جائے تو ان لوگوں کے مثل اجر اُسے ملے گا جنھوں نے اس کے ساتھ عمل کیا اورنہیں کم کی جائے گی ان کے اجروں میں کچھ شئی اور جو اسلام میں برا طریقہ نکالے اوراس کے بعد اس کے ساتھ عمل کیا گیا تو لکھا جائے گا اس پر اس شخص کے مثل گناہ جس نے اس پر عمل کیا اورنہ گھٹایا جائے گا ان کے گناہوں سے کچھ بھی۔

فائدہ: بانی سنیما سمجھتا ہے کہ آج رات مفت میں دولت جمع ہوگئی ہے جس سے میں آرام سے زندگی بسر کروں گا مگر حدیث رسول پاک ﷺ فرماتی ہے کہ سنیما کے سرپرست و مالک نے ان تمام شامل ہونے والوں کے گناہوں کا مجموعہ جمع کرلیا ہے جو آرام کی بجائے عذاب الٰہی میں پڑنے کا موجب وباعث بنے گا۔

☆☆☆

چونتیسواں وعظ

دربیانِ فضیلت حجاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْكَرِيْمِ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِی النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ۔ (سورۂ احزاب، آیت:53)

سب تعریفیں اس خالق باری کے لیے جو تمام زمینوں اور آسمانوں کا بنانے والا ہے اور جس نے انسان کو تمام مخلوق میں افضل اور حسین بنایا لیکن اسے عقل دی تاکہ وہ اپنے نفع یا نقصان اوراپنی عزت وحرمت یا بے عزتی کا خیال رکھ سکے۔ بے شک عورت انسان کی نسل کشی کا ذریعہ ہے لیکن ایک قاعدے اور اصول پر قائم رہ کر، نہ کہ گھوڑوں، گدھوں اور کتوں کی طرح سر بازار اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر۔

اس زمانے میں ہمارے معاشرے میں جو جنسی برائیاں اور بدکاریاں موجود ہیں ان کی وجہ بے پردگی ہے اور ہماری بیٹیاں اور بہنیں ننگے منہ اور ننگے سر مردوں کے ساتھ مصروف عمل ہیں اور بناؤ سنگار کرکے لڑکیاں اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انگریزی تعلیم حاصل کرتی ہیں، دفتروں میں کام کرتی ہیں، جلسوں جلوسوں اور ہڑتالوں میں مردوں کے ساتھ شامل ہوتی ہیں۔ اس مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے برائیاں جنم لیتی ہیں اور زنا کاری اورفحاشی کو ترقی ملتی ہے۔

بعض حضرات عورتوں کو نشانۂ ہوس بنانے کے لیے بے پردگی پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ مل کر ان کے دوش کام کرنا چاہیے لیکن اس دوش بدوش کام کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ کھلے منھ رہیں اور ان کی ہوس کا نشانہ بنیں، یہ سخت بے حیائی ہے اور اس بے حیائی اور زنا جاری کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

مغربی تہذیب کا اثر

ہمارے یہاں بعض لوگ مغربی تہذیب کے دلدادہ اور غیر مسلم ممالک کی طرح عورتوں کو میدان عمل میں غیر مردوں کے ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عورت کو گھر میں قید کرکے اس کے حقوق غصب کر لیے جاتے ہیں اور اس طرح سے ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ اس طرح بے حیائی اور زنا کاری کو فروغ حاصل ہوتا ہے جو کسی قوم کی پستی اور تنزلی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل نے مسلمانوں کو اس بے حیائی اور تنزلی سے بچانے کے لیے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعے پیغام بھیجا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

(سورۂ احزاب، آیت:59)

ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منھ پر ڈالے رہیں۔ یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ عزوجل نے لوگوں کو اپنی عزت وناموس کی حفاظت کا حکم دیا ہے لیکن جو لوگ بے پردگی کے قائل ہیں وہ ذلیل اور بے غیرت ہیں اور احکام الٰہی کے جھٹلانے والے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں اور حرام کاری کو دعوت دینے والے ہیں۔

میرے دوستو! ہماری بیٹیاں اور بہنیں جب زرق برق لباس پہن کر باہر نکلتی ہیں تو لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی ہیں اوباش اور آوارہ لوگ ان پر آوازیں کستے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں وسواس پیدا ہوتے ہیں کیونکہ عورتوں کا حسن مردوں کے جذبات کو بھڑکاتا ہے، اس لیے حرام کاری کو فروغ ہوتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے: اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطٰنُ۔

(رواہ ترمذی ومشکوٰۃ، صفحہ:269)

ترجمہ: عورت سرتاپا پوشیدہ رہنے کے قابل ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔

بے پردگی جاہلیت ہے

بعض اصحاب کے نزدیک آج کل بے پردگی ترقی اور تہذیب کا نشان ہے لیکن یاد رہے کہ عریاں کاری جاہلیت اور پستی کا اظہار ہے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں بے شرمی اور بدکاری عام تھی اور کھلے میدانوں میں عورتیں اور مرد ننگے پھرتے تھے اور جانوروں کی طرح ایک دوسرے سے پردہ نہ تھا، ننگے ہو کر نہاتے اور رفع حاجت کے لیے باہر نکلتے تھے۔ مرد اور عورتیں ننگے ہو کر اکٹھے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے لیکن اس جانوروں اور گدھوں جیسی بے حیائی اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہ تھی اور اس نے ان جانوروں کو سمجھانے کے لیے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا جنھوں نے فرمایا: اَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا حرم محترم کا طواف کرے۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں عورتیں اترائی ہوئی نکلتی تھیں اور اپنی زینت ومحاسن کا اظہار کرتی تھیں کہ غیر مرد دیکھیں، لباس ایسا پہنتی تھیں کہ جن سے جسم کے اعضا صاف نظر آئیں۔ اسلام نے بڑی سختی سے اس بے حیائی اور بے شرمی کو روکا اور فرمایا:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (سورۂ احزاب، آیت:33)

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ ہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی تھی اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ جاہلیت کی عورتیں بھی آج کل کی عورتوں کی طرح بناؤ سنگار کر کے غیر مردوں کو دکھاتی تھیں لیکن آج کی عورت پہلے وقتوں کی عورت سے کچھ زیادہ ہی ترقی کر گئی ہے، وہ بازاروں، تقریبوں، جلسوں، تفریح گاہوں اور سینما گھروں میں بناؤ سنگار کر کے جاتی ہے اور نامحرم یعنی غیر مردوں سے باتیں کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتی۔ اس طرح سے جاہل عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر برائی اور بے حیائی کو دعوت دیتی ہیں۔ یہ جہالت نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ شیطان تو ہر وقت انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے اور اسے گنہگاری کی طرف راغب کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (رواہ ترمذی و مشکوٰۃ، صفحہ:269)

ترجمہ: مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ اکیلے مکان میں جمع نہیں ہوتا مگر تیسرا ان کا شیطان ہوتا ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔
(رواہ بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:268)

حضرت عقبہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: تم اپنے آپ کو عورتوں کے پاس جانے سے بچاؤ۔ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! دیور کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: دیور تو موت ہے۔

یہاں تو یہ حال ہے کہ اسلام عورت کو اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے پردہ کرنے کی دعوت دیتا ہے لیکن ہمارے یہاں اس بات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ بعض عورتیں

کہتی ہیں کہ یہ رشتے میں مجھ سے چھوٹا ہے یا عمر میں کم ہے اس سے پردہ نہیں، حالانکہ ہر نامحرم سے پردہ لازمی چیز ہے کیونکہ جو اپنے سے عمر میں کم ہو وہ بھی گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

ہمارے یہاں چودھریوں کے گھروں میں یا لیڈروں کے گھروں میں لوگ یوں ہی داخل ہو جاتے ہیں۔ ملازمین اپنے آفیسروں کے گھروں میں بلا جھجک اور بلا روک ٹوک داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ درست نہیں ہے اور جاہلیت ہے۔

اکثر گھروں میں مرد کام کاج کے لیے رکھ لیے جاتے ہیں اور ان سے ملازم ہونے کی حیثیت سے کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ یہ ملازمین بعض اوقات اپنے صاحبوں کی امانت میں خیانت کر جاتے ہیں اور صاحب چونکہ کام کی کثرت کی وجہ سے فارغ نہیں ہوتے تو عورتیں ان ملازموں سے اپنے خاوند کے حقوق کا کام بھی لے لیتی ہیں اور کچھ نہ بن پڑے تو یہ ملازمین بچوں کو بے راہ روی پر لگا دیتے ہیں۔

دوستو! اس حالت میں صرف نامحرم مرد سے گریز ہی بہتر ہے جس کو پردے کا نام دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پردہ آنکھوں کا ہے اور اگر عورت حیادار ہے تو خواہ ننگے منہ اور ننگے سر چلی جائے کوئی حرج نہیں وہ لوگوں کو نہیں دیکھے گی۔

دوستو! اگر وہ کسی غیر کی طرف نہیں دیکھے گی تو یہ تو اس کے بس میں ہوگا اور کیا وہ دوسروں کو اپنی طرف دیکھنے سے روک سکتی ہے۔ اس بات کا گناہ کس کے سر ہوگا کہ لوگ اسے دیکھیں اور اپنے دلوں کو میلا کریں۔ صرف پردہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہمیں گنہگاری سے روک سکتا ہے۔

اسلام میں پردے کی ابتدا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سورۂ احزاب کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی خدمت میں نیک و بد سب طرح کے لوگ حاضر ہوتے ہیں، اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کے متعلق فرما دیں تو اچھا ہے،

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ۔ (سورۂ احزاب، آیت:53)

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو، جب تک اذن نہ پاؤ، مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ، یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو، ہاں! جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ، نہ یہ کہ بیٹھے رہو باتوں میں دل بہلاؤ۔ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی ہے۔ تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو، اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی۔

حضرت ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتلاتے ہیں کہ میں 10 سال کا تھا اور میری ماں مجھے حضور کی خدمت کرنے کی ہدایت فرماتی رہتی، چونکہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، اس لیے مجھے پردے کی آیت کے شانِ نزول کا زیادہ علم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب بن جحش سے نکاح فرمایا تو لوگوں کو صبح ولیمہ پر مدعو کیا گیا۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو کر چلے گئے لیکن کچھ لوگ آپ کے پاس بیٹھے رہے حتیٰ کہ آپ کو بار محسوس ہوا۔ چنانچہ آپ وہاں سے اٹھے اور باہر تشریف لے آئے تا کہ وہ لوگ چلے جائیں اور ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں بھی ساتھ تھا، پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کی طرف گئے اور واپس حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف آئے تو وہ لوگ ابھی تک بیٹھے تھے، پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حجرۂ مبارکہ کی طرف تشریف لائے اور ٹہلتے ٹہلتے پھر واپس آئے تو وہ لوگ جا چکے تھے۔

اس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے میرے اور اپنے درمیان ایک پردہ کھینچ لیا تو یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔ (الادب المفرد، صفحہ:461)

دوستو! پردے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس پر عمل کرنا لازمی ہے اور نہ عمل کرنے والا اسلام سے دور اور شیطان کا بھائی ہے اور برائیوں کو دعوت دینے والا ہے۔

خوشبو لگانے کی ممانعت

پردہ صرف کپڑا اوڑھ لینا ہی نہیں ہے کہ ہماری بیٹیاں اور بہنیں پردے کے نام پر ایک برقعہ سلا لیتی ہیں جس سے جسم کے سارے اعضا نمایاں ہوتے ہیں اور بازاروں کی طرف چل نکلتی ہیں یہ پردہ نہیں ہے۔ بھائیو! اگر کسی کام سے عورت کو باہر جانا ہی پڑے تو وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلے اور باہر جانے کی صورت میں وہ نہ بناؤ سنگار کر سکتی ہے نہ خوشبو لگا سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبی ﷺ ہے: كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَإِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةٌ۔ (رواہ ترمذی و مشکوٰۃ: صفحہ:96)

خوش گلوئی سے بولنے کی ممانعت

بعض عورتوں کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی ہے کہ لوگوں کے جذبات اس کی آواز پر ہی ابھر سکتے ہیں اور اس طرح برے خیالات ان کی برائی کی طرف مائل کر سکتے ہیں، اس لیے اگر کسی غیر مرد سے پس پردہ گفتگو کرنا ہی پڑ جائے تو عورت کو چاہیے کہ اپنے لہجے میں نزاکت اور لوچ نہ آنے دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا۔ (سورۂ احزاب، آیت:23)

ترجمہ: تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے، ہاں اچھی بات کہو۔

خواتین کا مساجد میں جانا

عہدِ رسالت میں عورتیں مسجدوں میں جاتی تھیں تا کہ احکامِ دین کو خود حضور ﷺ سے

سیکھیں لیکن اب عورتیں مسجدوں میں کچھ سیکھنے کے لیے جانے کی بجائے عید یا جمعہ کے دن اچھے اچھے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اور پورا سنگار کر کے جاتی ہیں جس کا مقصد صرف دکھاوا ہے لیکن اس دکھاوے کی نیکی اس پرفتن زمانے میں گنہگاری کی طرف راغب کر سکتی ہے اور نیکیوں کے دھوکے میں برائیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

نیز عوتیں مسجد میں جا کر باتیں کرتی ہیں جس سے شور وغل کا احتمال ہے اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں کی عادات وخصائل کے پیش نظر عورتوں کا مسجد میں داخل ہونا نامناسب بتلایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں:

لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَحْدَثَ النِّسَآءَ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَآءُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ۔ (بخاری، جلد: اوّل، صفحہ:120)

علما وفقہا نے بھی عورتوں کے مسجد میں جانے کی مخالفت کی ہے اور ان کو مسجد میں جانے سے روکا ہے۔ چنانچہ درمختار میں کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

وَيُكْرَهُ حُضُوْرُهُنَّ الْجَمَاعَةَ وَلَوْ لِجُمُعَةٍ وَعِيْدٍ وَوَعْظٍ مُطْلَقًا وَلَوْ عَجُوْزًا لَيْلًا عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُفْتٰى بِهٖ لِفَسَادِ الزَّمَانِ۔ (درمختار، جلد اول، کتاب الصلوٰۃ)

نگاہوں کا پردہ

عموماً زنا کی ابتدا بدنظری سے ہوتی ہے، کیونکہ جب تک کوئی ایک دوسرے کو دیکھے گا نہیں برائی کا ارتکاب ناممکن ہے، اس لیے سب سے ضروری بات جو بدکاری کو روکنے کے لیے ممد ومعاون ہے وہ کسی کی طرف برے ارادے سے دیکھنا، یا تاکنا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ برائی نہ پھیل سکے۔ ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ (سورۂ نور، آیت:31-30)

ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت

کریں۔ اس میں ان کے لیے پاکیزگی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے واقف ہے۔ مومن عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ امہات المومنین حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں، ابن مکتوم آئے۔ حضور ﷺ نے امہات المومنین کو پردے کا حکم فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا: وہ تو نابینا ہے، فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:269)

حضور نبی کریم ﷺ نے بری نظر سے دیکھنے والے پر لعنت کی ہے۔

چنانچہ فرمایا: لَعَنَ اللّٰهُ نَاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ۔ (رواہ بیہقی ومشکوٰۃ، صفحہ:270)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دیکھنے والے پر اور دیکھی جانے والی چیز پر لعنت کرتا ہے۔

یہاں دیکھنے والا سے مراد بری نظر سے دیکھنے والا اور دیکھی جانے والی چیز کا مطلب ہے، بناؤ سنگار کرنے والا جو کسی کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرے۔

گھروں میں جھانکنے کی ممانعت

اسلام نے بے حیائی کو روکنے کے لیے جو پابندیاں لگائی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی کسی کے گھر میں جھانکی نہ لگائے اور نہ دروازے کے سوراخوں میں سے جھانک کر دیکھے۔

حضرت سہیل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے دروازے کے سوراخ میں سے جھانکا اس وقت آپ سر مبارک میں کنگھی فرما رہے تھے۔ آپ نے اس کی حرکت پر فرمایا: اگر مجھ کو معلوم ہو جاتا کہ تم مجھے اس طرح جھانک رہے ہو تو میں یہ کنگھا ہی تمہاری آنکھ میں مار دیتا اور فرمایا: اجازت کی ضرورت اسی نظر کی وجہ سے ہی تو ہے۔

(الادب المفرد، صفحہ:468)

حضرت مسلم بن نذیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اندر داخلے کی اجازت چاہی مگر ساتھ ہی اندر جھانکنے لگا۔ آپ نے فرمایا: تیری آنکھ تو داخل ہو رہی ہے، اب رہ گئی تیری پشت تو اس کو داخل نہ کر یعنی اسے اجازت نہ دی۔

(الادب المفرد، صفحہ:276)

اجازت لینا

دور جاہلیت میں ایک یہ بے حیائی بھی عام تھی کہ لوگ دوسروں کے گھروں میں بغیر آواز دیے گھس جاتے تھے اور غیر محرم عورتوں کو ننگا دیکھ لیتے تھے۔ اس بے حیائی کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمان بھیجا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ (سورۂ نور، آیت:27)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے ساکنوں پر سلام کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم دھیان کرو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے والدین بیٹے یا بہن بھائیوں سے اجازت لے کر گھر میں داخل ہو۔

حضرت عطار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: میں اپنی بہن کے پاس بھی اجازت لے کر جاؤں؟ فرمایا: ہاں! میں نے پھر یہی سوال کیا: میری دو بہنیں جو میری زیر کفالت میں ہیں کیا ان کے پاس بھی اجازت لے کر جاؤں؟ فرمایا: ہاں! کیا تم ان کو ننگا دیکھنا پسند کرو گے؟ (الادب المفرد، صفحہ:466)

☆☆☆

پینتیسواں وعظ

دربیانِ توبہ واستغفار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝
وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝

سب تعریفیں اس خالق کائنات کو جس نے انسان کے لیے خیر وشر پیدا کیے پھر اسے راہِ راست دکھائی اور اس کی ہدایت کے لیے مختلف ادوار میں اپنے برگزیدہ بندے ہادی اور رہبر بنا کر بھیجے کہ اللہ عزوجل کو پہچانیں جو ان کا خالق اور رزاق ہے۔

ہزاروں درود وکروڑوں سلام اس پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کی ہدایت تمام جہانوں کے لئے ہے اور جس نے اپنے ماننے والوں کے لئے ہر دم اللہ سے معافی اور مغفرت طلب کی ہے۔

بیشک بنی آدم کے حصے میں خطا کاری آئی لیکن اسے تکلیف ومشقت کے ساتھ توبہ بھی وراثت ملی ہے جو اس کے تمام گناہوں اور خطاؤں کا ازالہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جب شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو جنتی لباس ان کے بدن سے گر پڑا۔ شرم گاہ کا ستر جاتا رہا اور تاج واکلیل اتار لیا گیا اور آواز آئی کہ میرے قریب سے تم اور حوا اتر جاؤ، نافرمان میرے قرب میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ قرب خداوندی، آرام بخش زندگی، سلطنت عظیم، فضیلت وعزت اور محبوبیت سے محروم ہوئے اور زمین پر پھینک دیے گئے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے حضور شب وروز روتے اور آہ وبکا کرتے رہے۔ اللہ عزوجل نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو فرشتے مبارکباد دینے آئے۔ جبرئیل، میکائیل اور

اسرائیل بھی اتر کر آئے اور کہا: آدم! تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: جبرئیل اگر اس توبہ کے بعد بھی سوال ہوا تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ اس پر اللہ نے وحی بھیجی: اے آدم! تو نے اپنی نسل کو تکلیف مشقت اور توبہ کا وارث بنا دیا۔ پس جو مجھے پکارے گا میں اسے لبیک کہوں گا۔ جیسے تجھے لبیک کہا اور جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے گا میں اسے معاف کرنے میں بخل نہیں کروں گا۔ میں قریب ومجیب ہوں، میں توبہ کرنے والے کو جنت میں جمع کروں گا اور قبروں سے ایسے حال میں نکالوں گا کہ وہ ہشاش بشاش، ہنستے ہوئے اور شگفتہ رو ہوں گے، ان کی دعا قبول ہوگی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (سورۂ نسا، آیت:11)

ترجمہ: جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

توبہ فرض ہے

غنیۃ الطالبین میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر شخص پر توبہ فرض عین ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی ہاتھ پاؤں کے عملی گناہ سے خالی نہیں۔ اگر عملی گناہ نہ بھی ہو تو دل سے گناہ کا ارادہ ہی ہوگا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو شیطانی وسوسے ضرور آئیں گے جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والے ضرور ہوں گے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے حصول میں کوتاہی اور غفلت سے کوئی خالی نہیں۔ لہٰذا توبہ ہر خاص وعام کے لیے ضروری ہے۔

ہر شخص گناہ کرتا ہے لیکن اس کے گناہ کی نوعیت علیحدہ ہوتی ہے۔ گناہ اگر بندے کی نظر میں چھوٹا ہو، وہ اللہ عزوجل کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے اور اگر بندہ بڑا سمجھے تو وہ اللہ کی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے۔

مومن گناہ کو اپنے اوپر پہاڑ کی طرح سمجھتا ہے اور اس کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس پر گر نہ پڑے

منافق اس کے برعکس اپنے گناہ کو ناک پر بیٹھنے والی مکھی کی طرح خیال کرتا ہے کہ اسے ہاتھ سے اُڑا دیا۔

گناہ کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھنا چاہیے بلکہ جس کے سامنے گناہ کرتے ہیں اس کی عظمت کو دیکھنا چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے معرفت رکھنے والے کسی بھی گناہ کو صغیرہ نہیں سمجھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہر مخالفت کو خواہ کتنی ہی ادنیٰ ہو کبیرہ گناہ خیال کرتے ہیں۔

ایک صحابی نے اپنے شاگردوں یعنی تابعین سے فرمایا کہ تم بعض ایسے کام کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک اور حقیر ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم ان کو ہلاکت خیال کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل تھا اور وہ اللہ عزوجل کے بھی بہت قریب تھے۔ عارف اور عامی کے علم معرفت میں جتنا فرق ہوگا اسی لحاظ سے ان کی خطائیں قابل مواخذہ ہوں گی یا قابل درگزر۔

دیکھیے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا۔ انھوں نے ممنوعہ پھل کھایا تو خالق حقیقی نے انھیں زمین پر پھینک دیا اور فرمایا:

اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ اس طرح سے بنی نوع انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور گنہگاری میں مبتلا ہو گئے۔

گو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول تو ہوئی لیکن ان کے اس گناہ نے انسان کو کس قدر دور پھینک دیا کہ وہ اپنے مالک حقیقی کے قرب سے نکل کر ظلم وستم اور گناہ کاری پر اُتر آیا۔

اس لیے دوستو! توبہ ہر شخص پر ضروری ہے اور ہر شخص کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں سر رکھ کر روئے اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے اور نیکی کی طرف رجوع کرے۔ بے شک اللہ عزوجل بخشنے والا مہربان ہے۔

توبہ سے گناہ جھڑتے ہیں اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی توبہ سے بے نیاز نہ تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"میرے دل پر کوئی چیز چھا جاتی ہے اور میں اللہ سے دن رات 70 بار استغفار کرتا ہوں۔"

علاوہ ازیں آپ کا ارشاد گرامی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِأَةَ مَرَّةٍ۔

ترجمہ: اے لوگو! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ بے شک میں دن میں سو مرتبہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ توبہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا۔ یعنی تم سب اللہ کی طرف توبہ (رجوع) کرو۔

اس میں توبہ کا عمومی حکم ہے تا کہ سب مومن اللہ عزوجل کے حضور توبہ کر کے پاک ہوں اور جنت کے وارث بنیں پھر فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (سورۂ تحریم، آیت:8)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے خالص اور سچی توبہ کرو۔

یعنی بندہ اللہ عزوجل کے حضور اس طرح رجوع کرے کہ تمام گناہوں اور دنیاوی حرص وہوا کو چھوڑ کر خالص اللہ کی اطاعت پر قائم ہوجائے۔ لہٰذا ہر قسم کے گناہوں اور کوتاہیوں سے توبہ کرنا ہر خاص وعام کا فرض ہے۔

اللہ عزوجل توبہ قبول فرماتا ہے

چونکہ اللہ تعالیٰ تواب ورحیم ہے اور توبہ قبول فرماتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت خود بیان فرمائی ہے کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے اور اپنے گنہگار بندوں پر رحم کھا کر ان کی عاجزی کو قبول فرمالیتا ہے اور ان کو بخش دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

حٰمٓ۔ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ۔ ذِي الطَّوْلِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔

(سورۂ غافر، آیت: 1 تا 3)

ترجمہ: یہ کتاب اتارنا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا، علم والا، گناہ بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب کرنے والا اور بڑے انعام والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود

نہیں۔ اسی کی طرف پھرنا ہے۔ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (سورۂ نور، آیت:31)

ترجمہ: اور اللہ کی طرف توبہ کرو، اے مسلمانو! اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

یہاں تو خدائے کریم ایمان داروں کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے کرم سے تمہاری توبہ قبول بھی کروں گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (سورۂ شوریٰ، آیت:25)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں کو درگزر فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

حکایت

پہلے زمانے میں ایک بندہ تھا جس نے اپنی ساری عمر اللہ کی نافرمانی میں گزاری۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس پر کرم فرمایا کہ اس کو توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ چنانچہ اس نے ایک روز اپنی بیوی سے پوچھا: کیا کوئی ایسا دوست ہے جو میری شفاعت کرے، اس نے کہا: نہیں۔ اس بندے نے کہا: میں بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتا ہوں۔ بیوی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ذکر، نہ کر کیونکہ تو اس معاملے کو جو تیرے اور اللہ کے درمیان تھا خراب کر چکا ہے، وہ یہ سنتے ہی جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں وہ کبھی آسمان کو اپنی سفارش کے لیے پکارتا تھا اور کبھی زمین کو، اسی طرح وہ پکارتے پکارتے بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔ اللہ کو رحم آیا، اس نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اسے اٹھا کر بیٹھا دیا اور اس کے چہرے سے گرد وغبار کو صاف کیا اور کہا: تجھے مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمائی۔ (نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:36)

حکایت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا کام ڈاکہ ڈالنا اور لوگوں کو لوٹنا تھا۔ ایک روز دریائے دجلہ پر گیا، وہاں دو کھجور کے درخت تھے: ایک تروتازہ اور ایک خشک۔ میں نے دیکھا کہ

ایک پرندہ تر و تازہ درخت سے کھجوریں توڑتا ہے اور پھر اڑ کر خشک کھجور پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں ایک اندھا سانپ ہے، یہ پرندہ اس کو کھجوریں کھلاتا ہے۔ میں نے دل میں کہا: اے پروردگار! یہ سانپ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جس کے مارنے کا حکم دیا ہے تو نے اس کے کھانا کھلانے کے لیے ایک پرندہ مقرر فرما دیا ہے، حالانکہ میں تیری وحدانیت کی شہادت دیتا ہوں پھر بھی مجھے ڈاکو بنا دیا ہے۔ اتنے میں ہاتف غیبی نے آواز دی: میرے بندے! توبہ کرنے والوں کے لیے میرا دروازہ کھلا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے اپنی تلوار توڑ دی اور توبہ توبہ پکارنے لگا اور غیب سے یہ آواز آنے لگی: قَبِلْنَاكَ قَبِلْنَاكَ۔ ہم نے تجھے قبول کیا ہم نے تجھے قبول کیا۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ جب انھوں نے یہ سنا کہ میں توبہ توبہ پکارتا پھرتا ہوں، تو انھوں نے اس کی وجہ پوچھی، میں نے کہا: اب میں نے اپنے اللہ سے صلح کر لی ہے۔ یہ سن کر ساتھیوں نے کہا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ صلح کرتے ہیں۔ ہم نے چوری کے اپنے بدن سے کپڑے اتار دیے اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ہم ایک گاؤں میں داخل ہوئے، وہاں ایک بڑھیا ملی۔ اس نے ہم سے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ فلاں شخص ہے؟ میں نے کہا: وہ میں ہی ہوں۔ اس نے کچھ کپڑے نکال کر کہا: یہ میرے بچے کے کپڑے ہیں، میں آپ پر ان کو صدقہ کرنا چاہتی ہوں کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے خواب میں حکم فرمایا ہے کہ یہ کپڑے فلاں شخص کو دے دو، چنانچہ میں نے وہ کپڑے بڑھیا سے لے لیے اور ان کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔

(نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:39)

حکایت

بصرہ کا ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا تھا۔ اس کی والدہ اسے برے کاموں سے روکتی تھی مگر وہ باز نہ آتا تھا۔ اس کی والدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتی تھی اور پھر واپس آ کر اپنے لڑکے کو وعظ سنا کر ڈراتی تھی۔ جب

اس نوجوان کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے اپنی والدہ سے عرض کیا: تم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو میرے پاس بلاؤ تاکہ وہ مجھے توبہ کرنے کا طریقہ سمجھا دے۔ جب اس کی والدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچی اور اپنے بچے کی درخواست پیش کی تو انھوں نے فرمایا: میں ایک فاجر و فاسق کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ ہی اس کا جنازہ پڑھوں گا۔ والدہ غمزدہ ہو کر گھر واپس آئی اور سارا قصہ اپنے بچے کو سنا دیا۔ بیٹے نے والدہ کو وصیت کی کہ جب میں مر گیا تو میری گردن میں رسی ڈال دینا اور مجھے منہ کے بل گھر میں گھسیٹتے ہوئے یہ کہنا کہ: اللہ کے نافرمان بندوں کی یہی سزا ہوتی ہے اور پھر گھر میں ہی میری قبر بنوانا تاکہ دوسرے مردوں کو مجھ سے تکلیف نہ ہو۔ اس کے مرنے کے بعد والدہ نے جب اس کی گردن میں رسی ڈالی تو آواز آئی کہ: نوجوان کی والدہ اللہ کے دوست کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو، پھر اسے گھر میں ہی دفن کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھے خواب میں فرمایا ہے: اے حسن! تو نے میرے بندے کو ناامید کر دیا تھا لیکن میں نے اپنے بندے کو بخش کر جنت میں مقام عطا فرمایا ہے۔ (نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:45)

دوستو! جب بندہ اپنے مالک حقیقی کے دربار میں اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے۔ خدائے عزوجل نے خود فرمایا ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

تو ہمیں بخشش کی امید رکھتے ہوئے اپنے مالک حقیقی کے حضور توبہ کرنی چاہیے، عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے گناہوں پر ندامت ظاہر کر کے اللہ کے حضور بخشش اور رحمت کا طالب ہونا چاہیے تو پھر اللہ تعالیٰ بخوشی ہماری توبہ قبول فرمائے گا اور ہمیں ضرور بخش دے گا۔

مشکوٰۃ میں ہے: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:263)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ جب اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

توبہ توڑنے کے بعد بھی توبہ قبول ہوتی ہے۔

دوستو! جب گناہوں سے توبہ کرلی تو پھر گناہوں کے قریب نہ جانا چاہیے، اگر پھر بھی کوئی گناہ کرے تو اللہ کریم کی رحمت سے ناامید نہ ہو بلکہ پھر توبہ کرے، خدائے کریم اس کی پھر بھی توبہ قبول فرمالے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۝

ترجمہ: بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو گناہ کر کے توبہ کرلیتے ہیں اور پھر گناہ کرتے ہیں اور پھر توبہ کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْلِيْ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِيْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِيْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِيْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ فَلْيَفْعَلْ مَاشَآءَ (رواہ بخاری ومسلم ومشکوٰۃ، صفحہ:203)

ترجمہ: بے شک بندہ ایک گناہ کرتا ہے پھر عرض کرتا ہے: اے رب! میں نے گناہ کیا ہے تو اسے بخش دے۔ اس کا رب فرماتا ہے: کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ بخشتا ہے اور اس کی وجہ سے پکڑتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا وہ ٹھہرتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ چاہے پھر گناہ کرلیتا ہے اور عرض کرتا ہے میں نے ایک گناہ کیا ہے تو اس کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا پھر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے ٹھہرتا ہے پھر گناہ کر بیٹھتا ہے۔ عرض

کرتا ہے: اے رب! میں گناہ کر بیٹھا ہوں تو اس کو بخش دے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ بخشتا ہے اور اس پر گرفت فرماتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا جو چاہے سو کرے۔

حکایت

سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا جو توبہ کر کے توڑ دیتا تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ وہ آئندہ توبہ کر کے نہ توڑے، ورنہ میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا اور اسے سخت عذاب دوں گا۔ یہ پیغام سن کر وہ شخص چند روز تو اپنی عادت کے خلاف صبر سے رہا لیکن پھر توبہ سے پھر گیا اور نافرمانی پر اتر آیا۔ اس پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے پھر وحی بھیجی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نافرمان بندے سے ناراض ہے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ پیغام سن کر وہ اللہ کا عاصی بندہ جنگل کی طرف نکل گیا اور تنہائی میں یوں اللہ عزوجل سے مخاطب ہوا:

”اے پروردگار! تو نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے یہ پیغام بھیجا ہے، کیا تیرے بخشش کے خزانے ختم ہو گئے ہیں یا میری نافرمانی سے تجھے کوئی نقصان پہنچا ہے؟ کیا تو اپنے بندوں پر بخل سے کام لیتا ہے کیا کوئی گناہ تیرے عفو وکرم سے بڑا ہے؟ جب عفو وکرم تیری صفت ہے پھر تو مجھے نہیں بخشے گا؟ اگر تو اپنے بندوں کو ناامید کردے گا تو وہ کس دروازے پر جائیں گے؟ تیرے در سے ٹھکرائے ہوئے کس کی پناہ تلاش کریں گے؟“

الٰہی! اگر تیری رحمت ختم ہو چکی ہے اور تیرا عذاب مجھ پر لازم ہو گیا تو اپنے بندوں کے گناہ مجھ پر ڈال دے، میں ان سب کے لیے اپنی جان قربان کرتا ہوں۔

اس پر اللہ عزوجل کی رحمت جوش میں آئی اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس آدمی کو پیغام بھیجا کہ: ”اے میرے گنہگار بندے! تو میری رحمت سے ناامید نہ ہو، اگر تیری خطاؤں سے زمین اور آسمان کے درمیان کی فضا بھی بھر جائے تو بھی میں تجھے بخش دوں گا

کیونکہ تو میری رحمت کاملہ اور عفو کا اعتراف کرتا ہے۔" (نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:40)

توبہ سے گناہ جھڑتے ہیں

دوستو! جب اللہ عزوجل کے حضور اس کا بندہ توبہ کرتا ہے اور اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتا ہے تو اس کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور وہ اس کی عاجزی وانکساری کو قبول فرماتا ہے اور اپنے گنہگار بندے کو بخش دیتا ہے۔ بے شک وہ غفور ورحیم ہے اور بار بار بخشنے والا ہے لیکن انسان کو چاہیے کہ اس مالک حقیقی کی شان کا خیال رکھے اور بار بار نافرمانی نہ کرے، بلکہ سچی توبہ کرے اور گناہوں کی طرف پھر راغب نہ ہو۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا ہے اور بے شک وہی توبہ قابل قبول ہے جو سچی ہو اور ایسی توبہ انسان کو گناہوں سے پاک کردیتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ (سورۂ تحریم، آیت:8)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے حضور ایسی توبہ کرو جو خالص اور سچی ہو، یعنی آئندہ کے لیے نصیحت ہو، قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ تم سے مٹا کر تمھیں جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کا قول ہے: توبۃ النصوح کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کے بعد پھر آدمی گناہوں کی طرف نہ لوٹے، جیسے نکلا ہوا دودھ پھر تھن میں واپس نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب مومن سچے دل سے اپنے پروردگار کے حضور توبہ کرتا ہے تو گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے، پھر اسے چاہیے کہ گناہوں سے پرہیز کرے تاکہ وہ وارث جنت ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ ۝ (رواہ ابن ماجہ ومشکوٰۃ، صفحہ:206)

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔

حکایت

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: بنی اسرائیل میں ایک شخص نے 99 قتل کیے اور آخر کار ایک دن وہ توبہ کی غرض سے نکلا اور ایک زاہد وعابد کے پاس حاضر ہوا، اپنا حال بتا کر توبہ کی قبولیت کا راستہ پوچھا، تو اس نے کہا: تیری توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔ اس نے اس عابد کو بھی قتل کردیا اور پھر کسی اللہ والے کی تلاش شروع کردی۔ چنانچہ ایک شخص نے اسے کہا: تو فلاں گاؤں چلا جا، وہاں ایک بزرگ عالم ہے جو تجھے توبہ کا طریقہ بتلائے گا۔ اس پر وہ اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ جب آدھی رات طے کرلی تو اس کی موت ہوگئی اور اس نے اپنا سینہ اس گاؤں کی طرف جھکا دیا۔

اس وقت رحمت اور موت کے فرشتے اس کے پاس جمع ہوگئے اور عذاب کے فرشتوں نے اسے قاتل اور مجرم ٹھہرایا لیکن رحمت کے فرشتوں نے اسے تائب بتلایا کیونکہ وہ توبہ کے لیے اس گاؤں کی طرف جارہا تھا۔ چنانچہ اس کی بستی اور جس بستی کو جارہا تھا دونوں کا فاصلہ اس سے ناپنے کا حکم ہوا اور ساتھ ہی اللہ نے اس عالم کی بستی کو قریب ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ بالشت بھر اس بستی کے قریب نکلا۔ اس طرح اللہ عزوجل نے اس کی بخشش کے سامان پیدا کردیے اور اس کی روح رحمت کے فرشتے لے گئے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:203)

دوستو! بے شک اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کی جائے تو وہ اپنے گنہگار بندوں کو معاف فرمادیتا ہے، خواہ اس کے گناہوں سے زمین وآسمان کے درمیان کی فضا کیوں نہ بھری ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کو بخشنے میں کوئی عار نہیں اور وہ بخشنے پر آئے تو خطاؤں کے سمندر بھی بھرے ہوں تو بھی بخش دے اور تائب کو پاک کردے۔ بشرطیکہ توبہ سچے دل سے کی جائے اور محبت الٰہی میں دل موجزن ہو، اللہ عزوجل کی بڑائی اور عظمت کا دل میں خیال رہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيْكَ وَلَا اُبَالِيْ يَا ابْنَ اٰدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عِنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ

اسْتَغْفَرْتَنِیْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا اُبَالِیْ یَا اِبْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ لَوْ لَقِیْتَنِیْ بِقُرَابِهَا الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ لَاتُشْرِكُ بِیْ شَیْئًا لَاَتَیْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً۔

(رواہ ترمذی ومشکوٰۃ، صفحہ:204)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! جب تک تو مجھ سے مانگتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا میں تیری بخشش کرتا رہوں گا، خواہ تیرے اعمال کیسے ہوں اور میں پرواہ نہیں کرتا۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے بخشش مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا، مجھے پرواہ نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو مجھ سے اس حال میں کہ تیرے گناہوں سے زمین بھری ہو پھر اس حال میں کہ تو نے کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں تیری طرف بخشش سے بھری ہوئی زمین کے ساتھ آؤں گا۔

دیکھو دوستو! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو کس قدر بخشنے کے لیے تیار ہے۔

حکایت

بنی اسرائیل میں ایک شخص ذوالکفل تھا جو گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ ایک عورت کو 60 دینار کی ضرورت پیش آئی وہ اس کے پاس آئی تو اس نے اس شرط پر مطلوبہ دینار دیے کہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے، لیکن جب وہ عورت کے قریب گیا تو رونے اور کانپنے لگی۔ عورت سے جب رونے اور کانپنے کا اس نے سبب پوچھا تو اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتی ہوں اور مجھے ضرورت نے اس کام پر مجبور کیا ہے، ورنہ میں نے یہ کام آج تک نہیں کیا۔ ذوالکفل نے کہا: جب تو عورت ہو کر اللہ سے ڈرتی ہے تو میں مرد ہوں، مجھے اللہ سے بطریق اولیٰ ڈرنا چاہیے یہ کہا اور عورت کو اجازت دے دی کہ یہ 60 دینار اپنے ساتھ لے جائے اور قسم کھا کر کہنے لگا: میں اس کے بعد کبھی بھی اپنے رب کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ جب رات کو سویا تو اس کی روح اس کے بدن سے پرواز کر گئی، صبح کے وقت جب لوگوں نے دیکھا تو اس کے دروازے پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لِذِی الْكِفْلِ۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کو بخش دیا۔ (نزہۃ المجالس،

جلد:2، صفحہ:30)

حکایت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں سید دو عالم ﷺ کے ہمراہ ایک انصاری کی بیمار پرسی کے لیے گیا، اس وقت اس پر سکرات موت طاری تھے۔ حضرت اقدس ﷺ نے توبہ کرنے کا حکم فرمایا تو وہ زبان سے توبہ نہ کر سکا، اس لیے دل سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور نادم ہوا، اسی وقت اللہ کریم نے فرمایا: اے فرشتو! میرا بندہ زبان سے توبہ نہیں کر سکا مگر دل میں شرمندہ ہوا۔ میں تم کو اس بات پر گواہ بنالیتا ہوں کہ میں نے اس کے سب گناہ بخش دیے ہیں، اگرچہ وہ ریگستان کی ریت سے زیادہ ہوں۔

(نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:48)

کتنا مہربان ہے وہ پروردگار جو ہمیں بخشنے میں ذرا تاخیر نہیں کرتا۔ جس قدر شیطان رجیم ہمیں گمراہ کرتا ہے اور گناہوں کے جال میں پھنساتا ہے اسی قدر وہ رحمن ورحیم ہمیں توبہ کی ترغیب دلاتا ہے اور ہمیں بخشتا ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ یَارَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِیْ عِبَادَكَ مَادَمَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ اَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِیْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ۔ (رواہ احمد ومشکوٰۃ، صفحہ:204)

ترجمہ: بے شک شیطان نے کہا: اے پروردگار! تیری عزت کی قسم میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں جان ہے تو اللہ رب العزت نے فرمایا اپنی عزت کی قسم اور بلندی مکان کی قسم! میں ان کو بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت کے طالب رہیں گے۔

توبہ سے برائیاں، نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں

جب اللہ عزوجل کے حضور اس کا بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی برائیاں

معاف کر دیتا ہے اور اس کی جگہ نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ (سورۂ فرقان، آیت: 70)

ترجمہ: مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دیتا ہے کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص حاضر کیا جائے گا۔ فرشتے اس کے صغیرہ گناہ اللہ کے حکم سے ایک ایک کر کے اسے یاد دلائیں گے وہ اقرار کرے گا اور بڑے گناہوں کے پیش ہونے سے ڈرتا ہوگا۔ اس کے بعد کہا جائے گا کہ ایک بدی کے عوض تجھے نیکی دی گئی، یہ بیان فرماتے ہوئے حضور ﷺ اللہ عزوجل کے کرم پر اس قدر خوش ہوئے کہ چہرہ انور پر سرور کے نشان نمایاں ہو گئے۔ (خزائن العرفان، صفحہ: 517)

توبہ عذاب سے بچاتی ہے

دوستو! دنیا اور آخرت میں عذاب الٰہی اور ہلاکت سے بچنے کے لیے توبہ واستغفار ڈھال کا کام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشش مانگنے والوں پر عذاب نہیں کرتا۔

فرمانِ ربانی ہے: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ (سورۂ انفال، آیت: 33)

ترجمہ: اور اللہ عزوجل ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان میں ہیں اور جب تک وہ بخشش طلب کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

توبہ سے مغفرت ہوتی ہے اور جنت ملتی ہے

خزائن العرفان میں ہے کہ ایک خرما فروش کے پاس ایک حسین عورت خرمے خریدنے آئی، اس نے کہا: یہ خرمے اچھے نہیں ہیں، عمدہ خرمے مکان کے اندر ہیں۔ اس حیلے سے اس کو مکان کے اندر لے گیا اور گلا پکڑ کر لپٹا لیا اور منہ چوم لیا۔ عورت نے کہا: اللہ سے ڈر، یہ سنتے ہی اس کو چھوڑ دیا اور شرمندہ ہوا اور سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال

عرض کیا: اس پر یہ آیت: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا نازل ہوئی۔

ایک قول یہ ہے کہ ایک انصاری اور ایک ثقفی کے درمیان دوستی تھی، ہر ایک نے ایک دوسرے کو بھائی بنایا ہوا تھا۔ ثقفی جہاد میں چلا گیا اور اپنے مکان کی نگرانی اپنے بھائی انصاری کے سپرد کر گیا تھا، ایک روز انصاری گوشت لایا۔ جب ثقفی کی عورت نے گوشت لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انصاری نے اس کا ہاتھ چوم لیا مگر چومتے ہی اس کو سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی اور وہ جنگل میں نکل گیا۔ اپنے سر پر خاک ڈالی اور منہ پر طمانچے مارے۔ جب ثقفی جہاد سے واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی سے انصاری کا حال معلوم کیا اس نے کہا: اللہ ایسے بھائی نہ بنائے اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ادھر انصاری پہاڑوں میں روتا اور استغفار کرتا پھرتا تھا، وہ اس کو تلاش کر کے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور اس کے حق میں یہ آیتیں نازل ہوئی:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ (سورۂ آل عمران، آیت: 135-136)

ترجمہ: اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور گناہ کو اللہ کے سوا کون بخشے اور اپنے کیے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں، ایسوں کو بدلہ ان کے رب کی بخشش اور جنتیں ہیں ان کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیابیوں کا کیا ہی اچھا اور نیک بدلہ ہے۔

توبہ واستغفار سے رزق بڑھتا ہے اور غم دور ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش طلب کرنے سے ہر سختی ٹل جاتی ہے، رنج وغم دور ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غیب سے رزق فرماتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَّمِنْ كُلِّ هَمٍّ

فَرَجًا وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (رواہ احمد ومشکوٰۃ، صفحہ:204)

ترجمہ: جو شخص استغفار کو لازم کرے اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ بناتا ہے اور ہر غم سے خلاصی دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔

توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے

جو شخص اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے پسند فرماتا ہے اور بخش دیتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:222)

ترجمہ: بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں اور پسند رکھتا ہے بہت ستھروں کو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کریم توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور ان سے محبت فرماتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ۔ (رواہ بیہقی ومشکوٰۃ، صفحہ:206)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بندۂ مومن کو جو گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے اور بہت توبہ کرتا ہے، دوست رکھتا ہے۔

توبہ سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے

جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کے حضور توبہ کر کے اپنی عاجزی اور کم ہمتی کا اظہار کرتا ہے اور اسے قادرِ مطلق اور غفور ورحیم تسلیم کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس بندے کی عاجزی سے بے حد خوش ہوتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِىْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اِذْ هُوَ

بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِىْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ (رواہ مسلم ومشکوٰۃ، صفحہ:202)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے جب وہ توبہ کرتا ہے بہت خوش ہوتا ہے، ایسے جیسے تم میں سے کوئی جنگل میں ہو اور اس کی سواری جس پر اس کا کھانا اور پینا ہو، جاتی رہے اور وہ اسے تلاش کر کے ناامید ہو گیا اور ایک درخت کے نیچے آ کر لیٹ گیا اور ناامید ہوا۔ پھر اس نے اچانک دیکھا کہ اس کی سواری اس کے نزدیک کھڑی ہے، پس اس کی مہار پکڑی اور نہایت خوشی کے مارے کہا: یا اللہ! میں ہوں مالک تیرا اور تو ہے مملوک میرا، یعنی خوشی کی زیادتی سے اس کی زبان چوک گئی۔

توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کی مغفرت کے لیے قیامت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے کیونکہ اس کو علم ہے کہ شیطان کے وسواس ڈالنے سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ اپنی فلاح کے لیے اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ اس لیے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ تا قیامت قبول کرتا رہے کیونکہ وہ تواب الرحیم ہے۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَعَلَ بِالْمَغْرِبِ بَابًا عَرْضُهٗ مَسِيْرَةُ سَبْعِيْنَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ لَا يُغْلَقُ مَالَمْ تَطْلُعُ الشَّمْسُ مِنْ قِبَلِهٖ وَذَالِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ۔ (رواہ ترمذی ومشکوٰۃ، صفحہ:204)

ترجمہ: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کے لیے مغرب میں ایک دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی 70 سال کی مسافت کے برابر ہے۔ وہ دروازہ بند نہ کیا جائے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو اور یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا یوم یاتی۔ الآیۃ۔

دوستو! بے شک اللہ عزوجل نے قیامت تک توبہ کی قبولیت کے دروازے اپنے گنہگار بندوں کے لیے کھول رکھے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تا قیامت گناہوں میں پھنسے

رہیں۔ بلکہ یہ وقت توبہ کرنے کا ہے۔ یہ گھڑی اور پل ضائع کرنے کا نہیں، کیونکہ پتہ نہیں کس وقت اللہ عزوجل اجل کے فرشتے کو بھیج دے اور ہمیں توبہ کی مہلت ہی نہ مل سکے۔ توبہ بھی سچے دل سے اور نیک نیتی سے ہو اور توبہ کے بعد گناہوں سے مقدور بھر بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یحییٰ بن معاذ کا فرمان ہے کہ توبہ کے بعد ایک لغزش توبہ کے پہلے گناہوں سے زیادہ بری ہوتی ہے۔ جنید نے فرمایا: توبہ تین معانی پر حاوی ہے:

(1) گناہ پر پشیمان ہونا۔

(2) جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ہو، اس کو دوبارہ نہ کرنے کا ارادہ پختہ کرنا۔

(3) حقوق العباد کو ادا کرنے کی کوشش کرنا۔

توبہ کی شناخت یہ ہے کہ زبان کی حفاظت کرے، دل کو پاک کرے، بروں کی صحبت چھوڑ دے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غضب کا مشاہدہ کرتا رہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

چھتیسواں وعظ

در بیانِ حسد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ (سورۂ فلق)

سب تعریفیں اس خالق کو سزاوار ہیں جو انسان کو اعلیٰ صورت اور سیرت کا حامل بنانے والا ہے۔ بے شک اس نے اپنی خلافت کے لیے انسان کو موزوں خیال فرمایا اور اسے خوبصورت تخلیق کر کے اسے قلب سلیم بخشا اور اس لامکان نے اس قلب کو اپنا مکان بنایا۔

کسی صوفی شاعر کا قول ہے:

مسجد ڈھاوے مندر ڈھاوے ڈھاوے جو کچھ ڈھیندا
پر اک بندے دا دِل نہ ڈھاویں رب دلاں وچہ رہندا

تو اللہ عزوجل کا مکان انسان کا دل ہے تو دل کو اس محبوبِ حقیقی کی آماجگاہ بنانے کے لیے اس کی صفائی ضروری ہے، کیونکہ اس اکبر و عظیم محسن کا احسان چکانا تو ناممکن ہے۔ ہم صرف اس کی عزت و توقیر کے لیے اس کے مکان یعنی قلب کو آراستہ کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم تمام غیر اللہ چیزوں کا خیال دل سے نکال کر خالص اسی کے ذکر و فکر سے اسے آراستہ کریں، چہ جائیکہ اس کو دنیاوی آلائشوں اور خیالات سے گندہ کریں۔ ان آلائشوں میں جن سے بچنا ہر انسان خاص کر مومن کے لیے ضروری ہے ایک آلائش حسد کی ہے جو شیطانی وسواس کی پیداوار ہے۔

دوستو! اللہ کی اس بڑی لعنت حسد سے پناہ مانگو، بے شک وہی اس مرض کا ٹالنے والا ہے۔

حسد برائیوں کی جڑ ہے

دوستو! حسد ایک ایسا روحانی مرض ہے کہ انسان اس مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے تو وہ طرح طرح کے شیطانی وسواس میں کھوجاتا ہے۔ وہ دوسروں پر اللہ تعالیٰ کے انعام کو دیکھ کر برداشت نہیں کرسکتا اور خواہش رکھتا ہے کہ دوسروں کا مال ودولت اور دوسری سہولتیں ان سے چھن کر اسے مل جائیں۔ چنانچہ ان نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دوسروں سے چھیننے کے لیے ہروقت تاڑ میں لگا رہتا ہے اور حیلے بہانے سوچتا ہے۔ اس طرح سے چوری، ڈاکہ، رہزنی، قتل وغارت، زناکاری اور دیگر برائیوں کی داغ بیل پڑتی ہے اور حاسد حرام خوری، چغلی، جھوٹ بولنے اور پھوٹ ڈالنے پر آمادہ ہوجاتا ہے، اس طرح سے بغاوت اور فتنہ وفساد پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس مرض کو اپنے قلب میں پیدا نہ ہونے دیا جائے تو ہر قسم کی برائیوں سے بچا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلا حاسد

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ جو آسمان میں صادر ہوا، وہ ابلیس لعین کا حسد تھا جو اس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا اور راندۂ درگاہ ہوا۔ اس طرح زمین پر جو سب سے پہلا گناہ ہوا وہ قابیل کا حضرت ہابیل سے تھا، جس نے قتل وغارت کو جنم دیا۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:297)

اسی نامراد حسد نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برسوں رُلایا۔ اسی حسد نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے والد اور عزیزوں سے دور زنداں میں ڈالا۔ اسی حسد نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا میں شہید کیا۔ بے شک حسد کرنے والا گناہ کا مرتکب تو ہوتا ہے، لیکن وہ نامراد اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا بلکہ غضبِ الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔ بے شک یہ بُرا فعل ہے اور قتل وغارت پر اُبھارتا ہے۔ اس کی شرانگیزی سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم فرمایا ہے اور اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے کہ کہہ دیجیے میں اپنے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

حسد اللہ کے غضب کا باعث ہے

یہودیوں کا خیال تھا کہ ختم نبوت کا منصب بنی اسرائیل کو عطا ہوگا۔ یعنی نبی آخر الزماں ان میں سے ہوں گے لیکن ان کی خواہش کے خلاف یہ منصب بنی اسماعیل کو ملا اور وہ محروم رہے۔ تو مارے حسد کے انھوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کیا اور جھٹلانے لگے۔ اس پر اللہ عزوجل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللهُ بَغْيًا أَنْ يُنَزِّلَ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:90)

ترجمہ: کیسی بُری قیمت سے انھوں نے اپنی جانیں خریدلیں کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے کلام سے منکر ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے پر چاہے اپنا کلام نازل فرماتا ہے، پس وہ غضب پر غضب کے سزاوار ٹھہرے اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار نے اخوت کے رشتے میں منسلک ہوکر جب اسلام کے قلعے کی دیواروں کو مضبوط کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے انعام واکرام سے نوازا، اس پر یہودیوں نے جلنا شروع کیا اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کردیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حسد کی بیماری کو بے نقاب کردیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ (سورۂ نسا، آیت:54)

ترجمہ: یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا۔

حاسدوں کے دل میں جلن رہتی ہے

یہودی اس قدر حسد کرنے لگے تھے کہ وہ ہروقت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سوچتے رہتے تھے۔ کچھ لوگوں نے ظاہراً اسلام قبول کرکے اپنی منافقت سے مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کی کوشش کی لیکن جن کی اللہ تعالیٰ پشت پناہی فرماتا ہے انھیں ان کے ایمان میں اور مضبوط اور ثابت قدم کردیتا ہے۔ وہ ان کو ڈگمگانے نہیں دیتا بلکہ دشمنوں اور

حاسدوں کو بے نقاب فرماتا ہے۔

چنانچہ اس عالم الغیب والشہادۃ کا فرمان ہے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ (سورۂ بقرہ، آیت: 109)

ترجمہ: بہت سے اہلِ کتاب نے چاہا کہ کاش! تمھیں ایمان سے پھیر کر کافر بنادیں اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے ان پر حق ظاہر ہوجانے کے بعد بھی۔

دوستو! فرمانِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ حاسدوں کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے اور وہ اسی آگ میں جل کر فنا ہوجاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمتوں سے محروم کردیتا ہے اور وہ دوسروں کی نعمتوں تک باوجود سخت کوشش کے رسائی نہیں پاسکتے۔

حاسد اپنے حسد کی سزا پالیتا ہے

مثل مشہور ہے ''چاہ کن را چاہ درپیش'' جو کسی کے لیے بُرا سوچتا ہے پروردگار اس کی اس بدنیت کے بدلے اُس پر اپنی رحمتوں کو اسے بدبختی کا سزاوار ٹھہراتا ہے اور جو دوسروں کی بھلائی کا خیال رکھتے ہیں اللہ عزوجل انھیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازتا ہے۔ کہتے ہیں برائی کر بُرا ہوگا، بھلائی کر بھلا ہوگا۔ لہٰذا حاسد جب کسی کی نعمت کے چھن جانے کے لیے تدبیر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کے سامان مہیا کردیتا ہے۔

حکایت

حضرت بکر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں ایک مردِ خدا ہر روز کہا کرتا تھا کہ: نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرو کیونکہ بدعمل کے لیے بدعملی ہی کافی ہے، اسے اس کے کردار پر ہی چھوڑ دو۔

چونکہ بادشاہ کو اس کی یہ بات پسند تھی اور وہ اس کے اِس خیال پر خوش تھا، اس لیے اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کا مرتبہ بادشاہ کے دربار میں بلند تھا لیکن ایک حاسد اس کے اس مرتبے سے حسد کرنے لگا اور اسے ذلیل کرنے کی ٹھانی۔

چنانچہ بادشاہ سے کہنے لگا: حضور! فلاں شخص کہتا ہے کہ بادشاہ کے منہ سے بدبو آتی ہے۔ بادشاہ نے کہا: تیرے اس الزام کی کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا: جب آپ اسے بلائیں گے تو وہ اپنے ناک پر ہاتھ رکھ کر آپ کے سامنے حاضر ہوگا۔ پھر اس اللہ کے مرد کو دعوت دی اور کھانے میں لہسن وغیرہ کھلایا کہ اس کے منہ سے بدبو آنے لگی۔ بادشاہ نے جب اس مردِ خدا کو بلایا تو وہ لہسن کی بدبو کو چھپانے کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر حاضرِ خدمت ہوا۔ اس پر بادشاہ نے اس حاسد کی بات کا یقین کرلیا اور بادشاہ نے ایک عامل کے نام لکھا کہ جب یہ حامل فرمان تمہارے پاس پہنچے تو اس کا سر کاٹ دو اور اس کی کھال میں بھوسا بھر کے میرے پاس بھیج دو۔

بادشاہ نے یہ حکم نامہ اپنی مہر سے بند کیا اور اس مردِ خدا کے حوالے کیا۔ جب وہ مردِ خدا بادشاہ سے رخصت ہوکر چلا تو حاسد نے اسے دیکھا اور پوچھا: یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے بتلایا کہ یہ فرمانِ خلعت ہے جو فلاں عامل کی طرف لے جارہا ہوں۔ بادشاہ نے چونکہ اپنی قلم سے فرمانِ خلعت کے سوا کبھی کچھ نہ لکھا تھا اس لیے اسے فرمانِ خلعت ہی سمجھا گیا۔

چنانچہ اس حاسد نے کسی حیلے بہانے سے وہ فرمان اس مردِ خدا سے لے لیا اور اس عامل کے پاس جا پہنچا۔ عامل نے جب اس فرمانِ شاہی کو کھولا تو اس مرد سے کہا: اس میں لکھا ہے کہ میں حامل فرمان کو قتل کردوں اور اس کے جسم میں بھُس بھر دوں۔ حاسد پریشان ہوا، خلعت کو مصیبت وہلاکت پاکر بولا: یہ فرمان تو ایک اور شخص کے لیے ہے۔ بادشاہ سے تصدیق کرلو، اس پر عامل نے جواب دیا کہ ہم شاہی فرمان کی دوبارہ تصدیق نہیں کیا کرتے اور اس شخص کو قتل کرکے فرمانِ شاہی کی تعمیل کی۔

دوسرے روز جب وہ نیک مرد بادشاہ کے حضور کھڑے ہوکر حسبِ معمول اپنے کلمات دہرانے لگا تو بادشاہ اسے دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا: وہ فرمان کہاں ہے؟ عرض کیا: بادشاہ سلامت! وہ تو فلاں شخص لے گیا ہے، پھر پوچھا: وہ تو کہتا ہے کہ تو کہتا ہے کہ میرے منہ سے بدبو آتی ہے۔ جب اس مرد نے انکار کیا، تو بادشاہ نے پوچھا: تو نے اس روز اپنے منہ اور ناک پر ہاتھ کیوں رکھا تھا؟ نیک مرد نے جواب دیا: اس حاسد نے مجھے لہسن کھلا دیا تھا۔ تو میں نے

اس لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا کہ آپ کو بدبو نہ آئے۔ بادشاہ نے کہا: تُو واقعی سچ کہتا ہے اس بدکردار کے لیے اس کے برے عمل کی سزا کافی ہے اور اس نے اپنی سزا پالی۔

(احیاء العلوم، جلد:3، صفحہ:185)

حسد دین کو مونڈنے والی بیماری ہے

دوستو! حسد ایک ایسا شیطانی مرض ہے جو انسان کے دل میں وسواس پیدا کر کے اسے قتل وغارت اور دوسرے قبیح افعال کی طرف راغب کرتا ہے، جس سے بھائی بھائی کا گلا کاٹنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ہمارے دین کی اساس اخوت اور بھائی چارے پر کہ مہاجرین جب مدینہ پہنچے تو انصار نے اپنے بھائیوں کو اپنے مالوں اور جائیدادوں میں برابر کا شریک ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے ایک بیوی تک کی پیشکش کر دی۔ اس طرح اخوت، بھائی چارہ اور باہمی ہمدردی نے اسلام کو فروغ دیا کہ مسلمان اسی محبت واخوت کے رشتے میں منسلک ہو کر ایک ایسی طاقت بن گئے کہ ساری دنیا پر چھا گئے۔

لیکن جب خود غرضی اور حسد نے ان کے دلوں کا رخ کیا، پھر وہ آپس میں کٹ کر مرنے لگے اور ذلت ورسوائی کا منہ دیکھنا پڑا اور اس شیطانی مرض کے اسلام میں پھیلانے والے وہ یہودی تھے جو اسلام قبول کر کے درپردہ منافقت میں مصروف تھے۔

اسی طرح وہ اپنی بیماری کو مسلمانوں میں پھیلا کر اس دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا چاہتے تھے لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

دَبَّ اِلَیْکُمْ دَآءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَآءُ ھِیَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ۔ (رواہ احمد وترمذی ومشکوٰۃ، صفحہ:428)

ترجمہ: پہلی امتوں کی بیماری تم میں سرایت کر چکی ہے وہ بیماری حسد وبغض ہے۔ یہ مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے لیکن وہ دین کو مونڈتی ہے۔

حسد سے نیکیاں برباد ہوتی ہیں

دوستو! حاسد اپنے حسد کے شر سے اپنی نیکیوں کو برباد کر لیتا ہے، کیونکہ وہ اپنے حسد کی

بنا پر دوسروں کی حق تلفی کی کوشش کرتا ہے، دوسرے کے مال ودولت اور جاہ وحشم پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، چغل خوری اور غیبت سے شرانگیزی کرتا ہے اور فسق وفجور کی بنیاد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نامراد سے ناراض ہو کر اس کی نیکیاں ضائع فرما دیتا ہے اور قیامت کے دن حاسد کی نیکیاں محسود کو دے دی جائیں گی۔ اس طرح سے حاسد اپنی نیکیوں سے محروم رہ جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (رواہ ابوداؤد ومشکوٰۃ، صفحہ:428)

ترجمہ: اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسا کہ آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

حاسد دوزخ میں جائے گا

حاسد اپنے دل کی جلن کو دور کرنے کے لیے دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اور قتل وغارت گری، فسق وفجور کا مرتکب ہوتا ہے، اس لیے وہ اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتوں سے کچھ دے بلکہ اس کی برائی کے عوض اسے آگ میں ڈالا جائے گا تاکہ اس کے دل کی جلن اسے دوزخ کی آگ کی جلن کا مزہ چکھائے، نیز حاسد کی نیکیاں چونکہ برباد ہو چکی ہوں گی اور محسود کو مل جائیں گی، اس لیے وہ نیکیوں سے محروم ہوگا اور برائیوں کی سزا بھگتنے کے لیے تیار کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھ گروہ حساب سے ایک سال پہلے دوزخ میں جائیں گے:

1- حکام ظلم کی وجہ سے
2- عرب تعصب کی وجہ سے
3- دہقان تکبر کی وجہ سے
4- سوداگر خیانت کی وجہ سے

5- گنوار نادانی کی وجہ سے

6- علما حسد کی وجہ سے

دوستو! حسد ایک لعنت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس موذی مرض سے بچائے رکھے۔ آمین۔

حسد سے بچنے والا مومن جنتی ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جنتی شخص آنے والا ہے اتنے میں ایک انصاری آیا جس کے بائیں ہاتھ میں جوتیاں تھیں اور داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا۔ دوسرے روز بھی آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص آیا، اسی طرح تیسرے روز بھی آپ نے یہی ارشاد فرمایا: تو وہی شخص آیا۔

حضرت عبداللہ بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معلوم کرنا چاہا کہ وہ کون سا نیک عمل کرتا ہے۔ اس کے پاس گئے اور کہا: میں اپنے باپ پر ناراض ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ تین راتیں تمہارے پاس بسر کروں۔ اس نے کہا: بہت بہتر۔ وہ پہلی رات دیکھتے رہے لیکن اس نے کوئی عمل ایسا نہ دیکھا بجز اس کے کہ وہ کبھی خواب سے بیدار ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا، اسی طرح تین راتیں گزر گئیں۔ آخر کار میں نے اس سے کہا: میں باپ سے ناراض نہیں ہوں لیکن حضور ﷺ تیرے حق میں یہ الفاظ ارشاد فرماتے تھے، اس لیے میری خواہش تھی کہ میں تیرے عمل سے واقف ہو جاؤں۔ اس نے کہا: ہاں! یہی میرا عمل تھا جو تم نے دیکھ لیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہاں سے چلا تو اس نے مجھے آواز دی اور کہا: ایک اور بات ہے جو میں تمھیں بتلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے کبھی بھی کسی پر حسد نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسی سے تجھے بلند مرتبہ ملا ہے۔

(کیمیائے سعادت، صفحہ:407)

حسد سے بچنے والا قرب الٰہی پاتا ہے

احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرد کو عرش عظیم کے سایہ میں دیکھا تو آپ نے اس کے مرتبے پر رشک فرماتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ کے حضور اس شخص کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

عرض کیا: یا الٰہ العالمین! یہ نیک مرد کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کے تین عمل تقرب کا باعث ہیں:

- ایک تو اس نے کبھی کسی سے حسد نہیں کیا۔
- دوسرے اس نے کبھی والدین کی نافرمانی نہیں کی۔
- تیسرے اس نے کبھی چغل خوری نہیں کی۔

دوستو! مومن کا کام نہیں کہ حسد کی سی شیطانی بیماری کو اختیار کرے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا متلاشی ہے۔ دوستی، بھائی چارے اور محبت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مومن خریدنا پسند نہیں کرتا۔

اس لیے اللہ عزوجل حسد جیسے موذی مرض سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور حاسدوں کے شر سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

سینتیسواں وعظ

دربیانِ شب برأت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

حٰمٓ۔ وَالْكِتَابِ الْمُبِیْنِ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (سورۂ دخان، آیت:1-6)

سب تعریفیں اس خالق و مالک کو سزا وار ہیں جس نے امت مسلمہ کی مغفرت اور بخشش کے لیے بے حساب ذرائع مہیا کیے ہیں کیونکہ اس امت کے سردار، سردارِ دو جہاں رحمۃ للعالمین ہیں، ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اس ذات پر کہ جس کے طفیل مومنوں کی بخشش کے لیے اللہ عزوجل نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ کا عذاب عظیم ہے لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے غفور و رحیم ہے۔ اس نے اپنے بندوں کے لیے بخشش کے دروازے کھول کر ان کو اپنی رحمت اور شفقت سے نوازا ہے۔ ان کے درجات بلند کر کے انھیں جنت کا وارث قرار دیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ سچ ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہمارے معبود حقیقی نے ہمیں بخشش کے جو مواقع فراہم کیے ہیں ان سے پورے طور پر استفادہ کریں اور ہر وقت اس کی مغفرت اور بخشش کے طالب رہیں اور اس کی رحمت کا سہارا تلاش کرتے رہیں کیونکہ ہم ہر وقت عصیاں میں گھرے رہتے ہیں اور اس کے حضور حاضر ہونے کا صحیح طریقہ جو ہمیں بتایا گیا ہے اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

دوستو! اپنے آقا کے حضور عجز و انکساری سے اس کی حمد کے ساتھ دعا کرتے رہنا ہی ہمارے لیے سودمند ہے۔

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو ان کے عجز و انکساری کی بدولت بے حد اجر و ثواب سے نوازا ہے اور اس مقصد کے لیے ہر نیکی کا بدلہ دس گنا، ہر لفظ کلام پاک کے بدلے دس نیکیاں اور اس طرح ہر رات کی عبادت کو احسن و مقبول ترین اور دنوں میں جمعہ کا دن اور راتوں میں جمعہ کی رات کو عبادت کے لیے افضل قرار دیا۔

اور سب مہینوں میں رمضان المبارک کو افضل بنایا اور رمضان المبارک کی راتوں میں لیلۃ القدر کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل اور اسی طرح ماہ شعبان کی لیلۃ المبارکہ کو بھی بے پناہ درجہ بخشا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

حٰمٓ۔ وَالْكِتَابِ الْمُبِیْنِ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (سورۂ دخان، آیت:1-6)

ترجمہ: قسم ہے اس روشن کتاب کی ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا ہے۔ بے شک ہم ڈرسنانے والے ہیں، اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام، ہمارے پاس کے حکم سے۔ بے شک ہم بھیجنے والے ہیں تمہارے رب کی طرف سے رحمت۔ بے شک وہ سنتا جانتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حٰمٓ سے مراد ہے کہ روز قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما چکا ہے۔

وَالْكِتَابِ الْمُبِیْنِ۔ سے مراد کلام مجید کی قسم کھائی ہے کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ہم نے یہ قرآن کریم برکت والی رات یعنی نصف شعبان کی رات میں نازل کیا۔

اکثر اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ لیلہ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات یعنی شب برأت ہے۔

نزولِ قرآن

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شب برأت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے

تو شب قدر اور رمضان المبارک کا ذکر کیوں فرمایا ہے، ارشاد ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

اور شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ ۝ یعنی رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے کلام پاک کو رمضان المبارک میں لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے۔

اب وضاحت طلب یہ بات ہے کہ قرآن دو مختلف راتوں میں کیسے نازل ہوا، اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نزول دو قسم کا ہے: ایک نزول تقدیری اور دوسرا نزول حقیقی

نزول تقدیری یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کلام پاک کو لوح محفوظ سے نقل کرلو۔ چنانچہ فرشتوں کے لوح محفوظ سے کلام پاک نقل کرنے کو نزول تقدیری کہا جاتا ہے۔

نزول حقیقی یہ ہے کہ کلام پاک کو دنیا میں لایا گیا کیونکہ عملی طور پر کلام پاک دنیا میں لایا گیا، اس لیے یہ نزول حقیقی ہے اور قرآن کریم کا نزولِ حقیقی لیلۃ القدر میں رمضان المبارک میں ہوا۔

شب برأت کی برکتیں

اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو کلام مجید میں مبارک بتلایا ہے، مثلاً خود کلام اللہ کو جو ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے: هَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَٰهُ فرمایا ہے۔

پھر وَأَنزَلْنَٰهُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً مُّبَٰرَكًا فرماکر بارش کے پانی کو مبارک بتادیا کہ جس کی برکت سے زندگی، نشوونما اور طاقت حاصل ہوتی ہے: مِن شَجَرَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ سے زیتون کے درخت کی برکتوں کا اظہار ہوتا ہے جو انسان کے لیے غذا و ضیا مہیا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبارک فرمایا اور ان کا قول بتلایا کہ فرماتے تھے: وَجَعَلَنِى مُبَارَكًا اور مجھے مبارک بنایا کیونکہ یہ آپ ہی کی برکت تھی کہ حضرت مریم

علیہا السلام کے لیے کھجور کے خشک درخت میں پھل پیدا ہوگئے اور نیچے چشمہ جاری ہوگیا۔ آپ کی برکت سے اندھے اور کوڑھی شفا پاتے تھے اور مردوں کو دوبارہ زندگی مل جاتی تھی۔

پھر خانہ کعبہ کو مبارک فرمایا کہ اگر کوئی شخص ڈھیروں گناہوں کا حامل بھی ہو تو اس مبارک گھر کی حاضری اسے گناہوں سے سبکدوش کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور محفوظ کر دیتا ہے۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے شب برأت کو بھی مبارک فرمایا ہے کیونکہ زمین والوں کے لیے اسی رات میں رحمت، خیر و برکت، گناہوں کی معافی اور مغفرت نازل ہوتی ہے۔

ابونصر اپنے والد کی اسناد سے بحوالہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس ہشام بن عروہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر یعنی نیکی کو خوب بہاتا ہے۔ بقرعید کی رات کو، عیدالفطر کی رات کو، نصف شعبان کی رات کو، جس میں اللہ تعالیٰ عمریں اور رزق لکھتا ہے اور حج کرنے والوں کو بھی لکھ دیتا ہے اور چوتھی رات عرفہ (حج) کی ہے اور نیکی کا یہ بہاؤ فجر کی اذان تک ہوتا ہے۔ سعید نے کہا مجھے ابراہیم بن نجیح کہتے تھے کہ ایسی راتیں پانچ ہیں جس میں شب جمعہ بھی شامل ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف جھانکتا ہے۔ مومنوں کو بخش دیتا ہے، کافروں کو ڈھیل دیتا ہے، کینہ پروروں کو اس وقت تک چھوڑے رکھتا ہے جب تک کہ وہ کینہ ترک نہ کردیں۔

نزولِ رحمت باری تعالیٰ کی رات

حدیث پاک میں ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور کارکنان غیبی مالک حقیقی کے حضور بندوں کے سال بھر کے اعمال نامے پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ عزوجل اپنی رحمت اور شفقت سے اپنے بندوں کو پکارتا ہے:

أَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَ لَهُ أَلَا مِنْ مُّبْتَلٍ

فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَوْ كَذَا حَتّٰى يَطْلَعَ الْفَجْرُ ۰ (رواہ ابن ماجہ ومشکوٰۃ، صفحہ:115)

ترجمہ: خبردار! ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں۔ خبردار! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں۔ خبردار! ہے کوئی مصیبت میں گرفتار کہ میں اس کو معافی عطا فرماؤں۔ خبردار! ہے کوئی ایسا ایسا یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے سعادت مند بندے جو رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں، رزق میں فراخی حاصل کرتے ہیں اور بیماریوں اور مصیبتوں سے پناہ مانگ کر ان سے نجات پا لیتے ہیں۔

بخشش کی رات

اس رات میں اللہ عزوجل اپنی رحمت وبرکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت فرماتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیان فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شعبان کی پندرہویں رات کو اللہ تعالیٰ قریب والے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والے، رشتہ داری منقطع کرنے والے اور بدکار عورت کے ہر مسلمان کو بخش دیتا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَطَّلِعُ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ ۰ (رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:115)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں رحمت کی تجلی فرماتا ہے پس تمام مخلوق کی سوائے مشرک اور کینہ پرور کے بخشش فرماتا ہے۔

ابونصر از ابوعلی از عبداللہ بن محمد از اسحاق احمد فارسی از احمد بن صباح بن ابی شرح از یزید بن ہارون از حجاج بن ارطاۃ از یحییٰ بن ابی کثیر از عروہ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ایک رات میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو تلاش کے لیے گھر سے نکلی دیکھا کہ بقیع میں موجود ہیں اور سر آسمان کی طرف

اٹھا ہوا ہے۔ فرمایا گیا: تجھے معلوم ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تیری حق تلفی فرمائیں گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) میرا گمان تو یہی تھا کہ کسی بی بی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔

فرمایا: نصف شعبان کی رات کو اللہ تعالیٰ قریب والے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ بخشش فرماتا ہے۔

آزادی کی رات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! یہ کون سی رات ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

فرمایا: نصف شعبان کی رات ہے اس میں بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس رات میں دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ کیا تم آج رات مجھے اجازت دوگی؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! تو حضور ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔

کہا گیا ہے کہ شب برأت کو برأت کی رات اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دو آزادیاں ہوتی ہیں۔ بدبختوں کی آزادی اللہ سے ہوتی ہے اور اولیا کی آزادی نامراد چھوڑ دینے سے۔

(غنیۃ الطالبین)

فرشتوں کے لیے عید کی رات ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس طرح زمین پر مسلمانوں کے لیے عید کے دو دن ہوتے ہیں اسی طرح آسمان پر فرشتوں کے لیے عید کی دو راتیں ہیں: شب برأت اور شب قدر۔ مسلمانوں کی عید دن میں ہوتی ہے اور ملائکہ کی عید رات کو ہوتی ہے، کیونکہ فرشتے سوتے نہیں، اہل ایمان چونکہ سوتے ہیں اس لیے ان کی عید دن کو ہوتی ہے۔

عبادت وذکر کی رات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

کہ نصف شعبان کی رات کو جب چوتھائی رات ہوئی تو جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اترے اور کہا: محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سر اٹھاؤ۔ اوپر کو سر اٹھا کر دیکھا تو جنت کے دروازے کھلے نظر آئے۔

پہلے دروازے پر ایک فرشتہ ندا دے رہا تھا خوشی ہو اُس کے لیے جس نے اس رات کو رکوع کیا۔ دوسرے دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا خوشی ہو اُس شخص کے لیے جس نے اس رات میں سجدہ کیا۔ تیسرے دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا خوشی ہو اُس شخص کے لیے جس نے اس رات دعا کی۔ چوتھے دروازے پر فرشتہ پکار رہا تھا خوشی ہو اِس رات میں عبادت و ذکر کرنے والوں کے لیے۔ پانچویں دروازے پر ندا آرہی تھی خوشی ہے اس شخص کے لیے جو اس رات میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا۔ چھٹے دروازے پر فرشتہ کہہ رہا تھا خوشی ہو اس رات میں مسلمان مومنوں کے لیے اور ساتویں دروازے پر سے یہ ندا آرہی تھی کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ اس کی دعا قبول ہو اور خواہش پوری ہو اور آٹھویں دروازے پر ایک فرشتہ پکار رہا تھا کہ: ہے کوئی معافی کا طلب گار کہ اس کے گناہ معاف کیے جائیں؟

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کہا: اے جبرئیل! یہ دروازے کب تک کھلے رہیں گے؟ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہائی پانے والوں کی تعداد بنی کلب کی بکریوں کے برابر ہوتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا ۰

(مشکوٰۃ، صفحہ:115)

ترجمہ: جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو اس کی رات قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری امت میں سے ہے، شب برأت میں دس رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھے تو اس کے گناہ معاف ہوں گے اور اس کی عمر میں برکت ہوگی۔

(نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:131)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ عبادت

ابو نصر نے اپنے والد کی اسناد سے بحوالہ یحیٰی بن سعید عروہ سے بیان کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری چادر سے خاموشی کے ساتھ باہر نکل گئے۔ واللہ! میری چادر حریر کی تھی، نہ قز کی، نہ پوست کتان کی، نہ باریک اُون کی۔

عروہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: سبحان اللہ! پھر کس چیز کی تھی؟ تو فرمایا: اس کا تانا بالوں کا تھا اور بانا اونٹ کی اون کا۔ پھر فرمایا: میرا گمان تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی بی بی کے یہاں تشریف لے گئے ہیں، میں نے اٹھ کر کوٹھری میں تلاش کیا تو میرے ہاتھ حضور کے پاؤں پر پڑ گئے۔ آپ اس وقت سجدے میں تھے اور میں نے آپ کی دعا یاد کر لی۔

آپ کہہ رہے تھے کہ میرے جسم اور دل نے تجھے سجدہ کیا، میرا دل تجھ پر ایمان لایا، میں تیری نعمتوں کا اقرار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، مجھے بخش دے، تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں، میں تیرے عذاب سے تیرے عفو کی، تیری سزا سے تیری رحمت کی، تیرے غضب سے تیری رضامندی کی اور تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ثنا کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ صبح تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح نماز میں کھڑے ہوتے اور بیٹھتے رہے حتیٰ کہ پاؤں سوج گئے، میں پاؤں کو دباتی ہوئی کہنے لگی: فداك امي وابي۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرمائے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ رحمت نہیں کی؟ کیا ایسا ایسا نہیں ہے؟ تو ارشاد فرمایا:

اے عائشہ! کیا میں اپنے رب کا شکر گزار نہ بنوں؟

سلیمان بن مسلم نے بروایت مکحول بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی

کریم ﷺ نصف شعبان کی رات کو نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، قیام خفیف کیا، سورۂ فاتحہ اور ایک چھوٹی سورت پڑھی، پھر آدھی رات تک سجدے میں پڑے رہے، پھر کھڑے ہو کر دوسری رکعت پڑھی اور اس میں بھی پہلی رکعت کی طرح قرأت کی۔ حضور ﷺ کا یہ سجدہ فجر تک رہا اور میں دیکھتی رہی، مجھے اندیشہ ہو گیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور ﷺ کی روح قبض نہ کر لی ہو، زیادہ دیر ہو گئی تو میں قریب گئی اور پاؤں کے تلوؤں کو چھوا تو حضور ﷺ نے حرکت کی۔ میں نے خود سنا کہ حضور ﷺ کہہ رہے تھے:

"میں تیرے عذاب سے تیرے عفو کی، تیرے غضب سے تیری رضامندی کی اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں، تیری ذات بزرگ ہے اور میں تیری تعریف پوری نہیں کر سکتا جیسی تو نے اپنی ثنا کی ہے تو ویسا ہی ہے۔"

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو ایسا ذکر کرتے سنا کہ پہلے کبھی ایسا ذکر کرتے نہیں سنا۔ فرمایا گیا: تم کو علم ہو گیا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تو ان کو سیکھ لو اور سکھاؤ۔ جبرئیل نے مجھے اس طرح ذکر کرنے کا حکم دیا تھا۔

صلحا و علمائے سلف کی ترکیب

سو رکعتوں میں ایک ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص یعنی ہر رکعت میں دس مرتبہ پڑھی جائے، اس نماز کا نام "صلوٰۃ الخیر" ہے۔ اس کی برکتیں پھیلتی ہیں، صلحائے سلف اس نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے۔ اس کی فضیلت اور ثواب کثیر کے بارے میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے 30 صحابیوں نے بیان کیا کہ اس رات جو شخص یہ نماز پڑھتا ہے اللہ اس کی طرف 70 بار دیکھتا ہے اور ہر نگاہ میں 70 حاجتیں پوری کرتا ہے جن میں سب سے ادنیٰ حاجت گناہوں کی مغفرت ہے۔

آئندہ سال کے امور کی تقسیم

حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عکرمہ نے آیت: **فیہا یفرق کل امر حکیم ۰**

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ آئندہ سال کے امور کا انتظام فرما دیتا ہے۔ بعض زندوں کو مردوں کی فہرست میں لکھ دیتا ہے اور بیت اللہ کے حاجیوں کو بھی، پھر اس لکھی ہوئی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

حکیم بن کسان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں اپنی مخلوق کو جھانکتا ہے، اسی رات میں جس کو پاک کر دیتا ہے اس کو آئندہ رات تک پاک رکھتا ہے یعنی پورا سال بھر۔

عطا بن یسار فرماتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کو سال بھر ہونے والے امور کی پیشی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ سفر کو جاتے ہیں، حالانکہ ان کا نام زندوں سے نکال کر مردوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب برأت کو ظاہر کر دیا اور شب قدر کو پوشیدہ رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شب قدر رحمت و مغفرت اور دوزخ سے آزادی کی رات ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو پوشیدہ رکھا تاکہ لوگ اس رات کے بھروسہ پر نہ بیٹھ رہیں اور شب برأت حکم اور فیصلے کی رات ہے، ناراضگی اور رضامندی کی رات ہے، مقبول اور مردود کرنے کی رات ہے، وصل اور اعراض کی رات ہے، خوش نصیبی اور بدبختی کی رات ہے، حصولِ عزت اور اندیشے کی رات ہے، کسی کو اس میں سعادت حاصل ہوتی ہے، کسی کو دور کر دیا جاتا ہے، کسی کو جزا دی جاتی ہے اور کسی کو سزا دی جاتی ہے اور کسی کو رسوا کیا جاتا ہے، کسی کو نوازا جاتا ہے اور کسی کو محروم رکھا جاتا ہے، بہت کفن دھوئے ہوئے رکھے ہوتے ہیں، لیکن پہننے والے غافل بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں، بہتوں کی قبریں تیار ہوتی ہیں اور وہ خوشی میں مگن فریب خوردہ رہتے ہیں۔

بہت سے چہرے ہنستے ہیں حالانکہ ان کی ہلاکت کا زمانہ قریب ہوتا ہے، بہت سے مکانوں کی تعمیر مکمل ہوتی ہے، لیکن مالک مکان کی موت قریب ہوتی ہے، بہت سے لوگ ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں، لیکن عذاب ان کے سامنے آتا ہے، بہت سے خوشخبری کے امیدوار ہوتے ہیں لیکن ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں، بہت سے وصل کا یقین رکھتے ہیں لیکن جدائی پاتے ہیں، کئی عطا کے امیدوار محروم ہو جاتے ہیں، حکومت کی آس رکھنے والے

ہلاکت کا منہ دیکھتے ہیں، جنت کا یقین رکھنے والے دوزخ میں جاتے ہیں۔

روایت ہے کہ پندرہویں شعبان کو جب خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مکان سے باہر آتے تو چہرے سے معلوم ہوتا کہ انھیں قبر میں دفن کر دیا گیا تھا، اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: خدا کی قسم! جس کی کشتی وسط سمندر میں ٹوٹ گئی ہو، اس کی مصیبت میری مصیبت سے بڑی نہیں، کیونکہ مجھے اپنے گناہوں کا تو یقین ہے لیکن نیکیوں کی طرف سے اندیشہ۔ معلوم نہیں قبول ہوتی ہیں یا میرے منہ پر ماری جاتی ہیں۔

اللہ اللہ! اللہ کے بندوں کو اپنی معصیت اور گنہگاری کا کتنا خوف ہے، حالانکہ وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

دوستو! ہمیں بھی چاہیے کہ ہر وقت اللہ کی طرف سے دھیان رکھیں، اس کی پکڑ سے خوف کھائیں اور ہر وقت مغفرت وبخشش کی دعا کریں اور ایسی راتوں میں جن کو اللہ تعالیٰ نے افضل قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اس کی خوشنودی حاصل کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور نیکیوں میں اضافہ کریں۔ لیکن بعض لوگ ایسی مقبول راتیں بجائے عبادت وذکر الٰہی کے گنہگاری میں صرف کرتے ہیں اور آتش بازی جیسی فضول رسموں سے ہلاکت اور بربادی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

آتش بازی

شب برأت جو عبادت اور ذکر الٰہی کرنے کی دعوت دیتی ہے جب کہ ہمارے مقدر کی تحریر سال بھر کے لیے مقرر ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے لیے بدقسمتی کا پیغام لاتی ہے جو ہندوانہ رسوم کے قائل ہو کر کفار کی سی عادتیں اپنائے ہوئے ہیں۔ اس مبارک رات میں آتش بازی کرتے ہیں، اس وقت جب کہ اللہ عزوجل ہمارے اعمال ملاحظہ فرما رہا ہوتا ہے اور گنہگاروں کو اپنی رحمت اور بخشش کی طرف بلا رہا ہوتا ہے۔ اس وقت ہم اور ہمارے بچے آسمان کی طرف آگ کی چنگاریاں پھینک کر نمرود کی اتباع کرتے ہیں اور یاجوج ماجوج کی مشابہت حاصل کرتے ہیں۔

دوستو! غور کرو کہ یہ بری حرکت ہی نہیں ہے بلکہ دنیاوی نفع ونقصان کے لحاظ سے بھی ایک غیر نفع بخش چیز ہے، کیونکہ اس غلط رسم پر ہم اپنی رقم خرچ کر کے فضول خرچی اور اسراف کے مرتکب ہوتے ہیں جو ایک شیطانی فعل ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۝

ترجمہ: فضول خرچی نہ کرو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

آتش بازی سے نہ صرف فضول خرچی ہوتی ہے بلکہ ہم اپنے آپ کو اور دوسروں کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور خود اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

اکثر واقعات سننے میں آتے ہیں کہ آتش بازی کے سامان کے جل اٹھنے سے عمارتیں جل گئیں، اتنے افراد ہلاک ہو گئے یا جل کر مر گئے، آتش بازی میں بچوں کے ہاتھ جل جاتے ہیں، چہرے جھلس جاتے ہیں اور کئی دفعہ غلے کے کھلیانوں کو بھی آگ لگتی ہے۔

دوستو! اس طرح سے ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور اللہ عزوجل کے اس حکم کی طرف دھیان نہیں دیتے کہ: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۝

ترجمہ: اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف نہ ڈالو۔

اللہ عزوجل ہمیں ان برائیوں سے محفوظ رکھے اور اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہم راہ راست پر چل کر اس کی خوشنودی حاصل کریں اور اللہ عزوجل سے اجر عظیم پائیں۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

اڑتیسواں وعظ

در بیانِ اسلام وتہذیب جدید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ (سورۂ آل عمران، آیت:19)

سب تعریفیں اس پاک پروردگار کے لیے جس نے زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد انھیں آراستہ کیا اور رونق بخشی ہزاروں درود اور کروڑوں سلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ جس کو خاتم المرسلین بنایا اور امام الانبیاء کے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا اور اس دین کو جس کے پیشوا حضرت محمد ﷺ ہیں اسلام کا نام دیا اور قرآن کریم میں اس کی پسندیدگی کا اظہار یوں فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے کیونکہ یہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامل ہے اور اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مکمل ضابطۂ حیات بنا کر قرآن کریم کی صورت میں بھیج دیا تاکہ اس نور ہدایت کی روشنی میں فلاح ونجات کا راستہ تلاش کر کے انسان اپنی گم شدہ منزل کو حاصل کرنے کے قابل ہو سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے جو ضابطۂ حیات بھیجا اس کی ہدایات کی روشنی میں ہمارے، ہادی وپیشوا حضرت محمد ﷺ نے زندگی بسر کر کے ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم اس مثالی زندگی سے عملی طور پر سبق حاصل کریں۔ حضور ﷺ نے ایک اعلیٰ اور مکمل ضابطۂ حیات، عملی طور پر ہمارے سامنے پیش کر کے ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو سمجھنے اور سوچنے اور ان پر عمل کرنے کے قابل بنایا ہے اور زندگی کے کسی شعبے میں کسی بات کی کمی نہیں رہنے دی،

تاکہ گمراہی کے گڑھے کی طرف قدم نہ اٹھا سکیں۔ اس دین یعنی دین اسلام کی کاملیت پر کوئی شک نہیں ہے۔ اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا فرمایا۔

اور فرمایا: وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (سورۂ مائدہ، آیت:3)

ترجمہ: تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

اللہ اللہ! دین اسلام کا بنانے والا خود اللہ ہے اور اسے مکمل کرنے والا بھی وہی ہے۔ جس دین کا نظام حیات خود اللہ تعالیٰ نے بنایا ہو اور اس نے اسے مکمل واکمل قرار دیا ہو، پھر اس سے بڑھ کر کوئی اور دین ہو سکتا ہے اور اس دین کے نظام میں کوئی کمی بیشی کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسا ہونا تو درکنار ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔

اس دین کی پسندیدگی اور اس کی دوسرے ادیان پر فوقیت کی کئی ایک وجوہات ہیں سب سے پہلے یہ کہ:

کاملیت

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو کامل واکمل فرمایا ہے اور زندگی کا کوئی ایک شعبہ بھی نہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے روشنی نہ ڈالی ہو اور حضور ﷺ نے اس پر عمل کر کے نہ دکھایا ہو، قانون سازی میں قرآن وسنت سے بڑھ کر کوئی قانون نہیں۔ قاضی القضاۃ، سپہ سالاری، حکمرانی، درویشانہ زندگی، الغرض ہر طرح کی زندگی کے لوازمات وضروریات میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی سے نمونہ پیش کر کے راہ ہدایت کو روشن فرمایا۔

اسلام میں جبر واکراہ نہیں

اس دین کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں جبر وتشدد کی مخالفت پائی جاتی ہے اور

کسی صورت میں بھی جبر وتشدد کو جائز قرار نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ دین میں کوئی جبر وتشدد نہیں ہے۔

جو چاہے اس دین خداوندی میں شامل ہو، اس کے لیے بھلائی ہے اور جو نہ چاہے اس پر تشدد نہیں، کیونکہ اسلام کے قوانین وضوابط اس قدر واضح ہیں کہ ان پر غور کرنے والا اس دین کو قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ بات علاحدہ ہے کہ کوئی حسد وبغض یا ہٹ دھرمی کی بنا پر اسے قبول نہ کرے۔

عمل کو ترجیح

دین اسلام میں خیالات اور زبانی قیل وقال پر اعمال کو ترجیح دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جو کچھ بتلایا وہ خود عملی طور پر کر کے دکھایا، تاکہ لوگوں کے لیے حجت ہو اور وہ کسی قسم کی دشواری محسوس کرتے ہوئے بہانہ سازی سے کام نہ لیں اور اللہ کے دین میں کمی بیشی نہ کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی زبانی قیل وقال پر افعال کو ترجیح دی ہے۔ بقول شاعر:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی ترجیح نہیں اور نہ ہی کسی حسب ونسب سے کوئی بڑا ہوتا ہے، بلکہ اس کا ایمان اور کردار اسے بڑا بناتا ہے۔

پھر فرمایا: سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُ الْقَوْمِ۔

قوم کی سرداری صرف اس کو سزاوار ہے جو قوم کی خدمت کرے۔

دوستو! اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے عمل کو ترجیح دی ہے اور اچھے اعمال والے کو اعلیٰ اور گھٹیا افعال والے کو ادنیٰ قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے افعال کو اقوال پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَا لَا

تَفْعَلُوْنَ۔

ترجمہ: تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

لہٰذا یہ دین نیک اعمال کی بنیاد پر استوار ہے، صحابہ کرام اور مشائخ عظام کی عملی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

اسلام اور علم

رسول اللہ ﷺ نے حصول علم پر بہت زور دیا اور فرمایا کہ علم مسلمان کی گم شدہ متاع ہے جہاں سے ملے لے لو۔

عالم کی قدر ومنزلت کے بارے فرمایا: عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے افضل ہے۔

پھر فرمایا:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ۔ علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے۔

یہ ارشاد فرما کر طالب علم کی پیاس کو اور بڑھا دیا ہے اور مسلمانوں نے علم حاصل کرنے کے لیے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا۔ ہندوستان، چین، مصر اور یونان کے علوم کی چھان بین کی اور اصلاح وایزاد کے بعد انھیں مفید عام بنایا۔

علم الادویہ کے مبادیات مسلمانوں نے یونان سے حاصل کیے۔ سمندروں اور خشکیوں کو چھان مارا، نقشے تیار کیے، پانی اور بارش ناپنے کے آلے تیار کیے، سڑکوں اور بازاروں میں روشنی کا انتظام کیا، پانی کے نکاس کا انتظام کیا، لندن اور پیرس کے بازاروں میں جن دنوں کیچڑ کا دور دورہ تھا، چلنا دشوار تھا، ان دنوں قرطبہ کے بازاروں میں پختہ فرش لگے ہوئے تھے اور قندیلیں روشن تھیں کہ رات کو بھی دن کا سماں نظر آتا تھا۔

علم کیمیا کے بانی عرب ہیں، علم طب کے ماہر ابن سینا ہیں۔ سوئی کو عربوں نے ایجاد کیا۔ غرض عربوں نے ہر طرف سے علم کے خزانے جمع کر کے اپنی زبان میں جمع کر لیے اور اسلامی دار العلوم اور درس گاہوں اور بادشاہوں کی ذاتی مطالعہ گاہوں میں علم کے خزانے جمع

تھے جنھوں نے دوسری زبانوں کے ترجمے کرا کر اپنی زبان میں محفوظ کر لیے تھے اور مختلف درس گاہیں اور کتب خانے تعمیر کر کے علم کے چراغ گھر گھر روشن کیے، علم ہندسہ کے موجد مسلمان ہیں اور کاغذ سازی کا کام بھی پہلے مسلمانوں ہی نے شروع کیا۔ غرض کہ مسلمانوں نے جو علمی ادبی خدمات انجام دی ہیں ان کا شمار ناممکن ہے۔

یورپی اقوام نے اسلامی درس گاہوں سے تعلیم حاصل کر کے اسے اپنایا اور اپنی زبان میں ترجمے کر کے اسلامی علوم پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

اسلامی رواداری

اسلام رواداری کی تعلیم دیتا ہے، انبیائے سابقین نے جو اپنے پیروکاروں کو تعلیم دی ہے وہ ان ہی قوموں کے لیے موزوں اور مناسب تھی جن میں وہ مبعوث ہوئے۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انسانیت کی رہنمائی کے لیے بھیجا جنھوں نے پیش رو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مذہبی تعمیر کو مکمل کر دیا اور وہ تعلیمات دنیا کے سامنے پیش فرمائیں جو ہماری تمام ضروریات کے لیے ہر زمانے میں کافی ہیں کیونکہ ان کی بنیاد فطرت کے بنیادی اصولوں پر رکھی گئی ہے اور ان تمام بنی نوع انسان کا مفاد پیش نظر ہے۔

اللہ عزوجل شانہ نے حکم دیا ہے کہ تمام انبیائے کرام کی عزت کرو اور کسی نبی میں فرق نہ کرو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۝
مومن اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔

آزادی

دوستو! آزادی کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ بے حیائی عام ہو اور عورتیں مردوں کی باہوں میں باہیں ڈال کر سر بازار پھریں۔ اللہ کے لیے آزادی کا مطلب یہ نہ لیجیے، یہ تو سراسر گمراہی اور بے حیائی ہے۔

آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو اس کے طرز عمل میں مقررہ حدود کے اندر رہ کر اختیار حاصل ہو، مثلاً مذہبی آزادی میں ہر مذہب کے افراد کو اپنے مذہب کے مطابق رسومات ادا

کرنے کی اجازت ہو۔ سیاسی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ سیاست میں سب کے حقوق بحال ہوں، کسی پر کوئی جبر و تشدد نہ ہو، کسی عامل کی برائیوں کے خلاف بولنے کی اجازت ہو اور اصلاح کے طریقہ ہائے کار پیش کرنے کا اختیار ہو، اسی طرح ہر شخص کو اپنی رائے کے مطابق اپنا سردار، اپنا پیشہ اختیار کرنے کا حق حاصل ہو، کسی جماعت یا مخالف گروہ پر پابندی نہ ہو کسی گروہ یا جماعت کے بنائے ہوئے قانون کی پابندی نہ ہو، بلکہ عوام کو ان کے پورے پورے حقوق حاصل ہوں، مغرب میں ایسی آزادی بالکل مفقود ہے بلکہ اسلام میں جس کے قوانین کا بنانے والا خود اللہ ہے ہر قسم کی آزادی حاصل ماسوائے فحاشی اور بے حیائی کے۔
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۝ سے صاف ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے یا اپنے مسلک پر اڑا رہے، اسلام کسی قسم کی سختی کو جائز قرار نہیں دیتا۔

مساوات

اخوۃ للمومنین سے ظاہر ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو انصار و مہاجرین کو مواخات کا سبق دیا اور فرمایا: مسلمان بھائی ہیں اور بھائیوں کا فرض ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس درس اخوت نے مسلمانوں میں ایسی روح پھونکی کہ انھوں نے اپنی جائیدادیں اور مال و اسباب سب بانٹ دیا۔
آپ نے فرمایا کہ گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر فوقیت نہیں، نہ ہی کسی خاندان کی وجاہت کی وجہ سے کسی کو فوقیت حاصل ہو سکتی ہے، اللہ کے حضور میں سب برابر ہیں۔
نماز میں امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور ایک ہی امام کی اقتدا میں اللہ کے حضور جھکتے ہیں۔ اس نظم و ضبط کی مثال بھی کسی دیگر مذہب یا قوم میں نہیں ملتی۔
اللہ کے قانون کے آگے سب امیر و غریب اور شاہ و گدا ایک سے مجرم ہوتے ہیں۔ انصاف کے کٹہرے میں بادشاہ غلام کے برابر کھڑا ہو کر داد پاتا ہے۔

آج کسی مغربی ملک میں ایسا انصاف ہے؟ ذرا غور کیجیے ترقی یافتہ ممالک نے کس بات میں ترقی کی ہے؟

غربا کی امداد

کسی ملک سے سماجی برائیوں، مثلاً ڈاکہ، دھوکہ دہی، قتل وغارت جیسی برائیوں کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کے افراد کو افلاس سے نجات دلائی جائے۔

اس مقصود کے لیے اسلام نے زکاۃ کا نظام قائم کیا ہے، جس سے غربا کی حاجت روائی ہوسکتی ہے اور غربا کی ضروریات پوری ہوجائیں تو وہ برائی پر آمادہ نہیں ہوتے، زکاۃ کا نظام ملک وقوم سے افلاس کے مرض کو دور کرنے کا بہترین نظام ہے۔ نہ کوئی بھوکا مرے گا، نہ چوری ڈاکے کی واردات پیش آئے گی۔ نہ پولیس اور ججوں کی ضرورت پیش آئے گی، کیسا اچھا طریقہ ہے، کیسا اچھا نظام ہے، کسی دوسرے مذہب میں یا قوم میں ماسوائے اسلام کے ایسی خوبی نظر نہیں آتی کہ غریب عوام کو امرا اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ دیں۔

قانون وراثت

اسلام کا قانون وراثت سرمایہ داری کا قلع قمع کرتا ہے۔ بڑے سے بڑے مالدار کی جائیداد جب اس کے ورثا میں تقسیم ہوتی ہے تو اس کی جائیداد کے کئی حصے ہوجاتے ہیں، کہیں بیوی کا مہر بیوی کا حصہ، ماں اور باپ کا حصہ، دادا دادی کا حصہ، بھائیوں اور بہنوں کے حصے، بیٹے اور بیٹیوں کے حصے، پوتے اور پوتیوں کے حصے، اسی طرح سے جائیداد مختلف حصوں میں بٹ جاتی ہے۔

اس قانون کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اس گھر یا خاندان کا ہر فرد اس کی جائیداد سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ لڑکیاں لڑکوں سے گو کم حصہ پاتی ہیں، لیکن جب لڑکوں کو حق مہر ادا کرنا پڑے تو لڑکیاں لڑکوں کے برابر پہنچ جاتی ہیں، اسلام کے اس عمدہ نظام کی مثال نہیں ملتی۔

سود اور تجارت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیع یعنی تجارت کو حلال اور سودی

کاروبار یعنی ربیٰ کو حرام قرار دیا ہے۔

دوستو! سود لینے سے سودخور کے مال میں اضافہ ہوتا ہے لیکن غریب قرض دار، سودخور کے سود کے بوجھ تلے دبتا جاتا ہے۔ قرض خواہ اپنے قرض کی رقم کو سود کی مدد سے بڑھاتا جاتا ہے اور بہت اچھے طریقوں سے وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن غریب قرض دار قرض دے نہیں پاتا تو ذلیل ورسوا ہوتا ہے۔ اس طرح سے دونوں میں کشمکش شروع ہوجاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہوجاتے ہیں، کہیں غریب جیل میں ہوتا ہے تو کہیں مالدار تہہ تیغ ہوجاتا ہے۔

غرض اسلام نے سودخواری کی لعنت کو ختم کردیا اور مالداروں کو اپنی دولت ناجائز طریقوں سے بڑھانے کی اجازت نہیں۔ تجارت کو اس لیے حلال قرار دیا گیا ہے کہ اس میں محنت کی ضرورت ہے، پھر کبھی منافع تو کبھی خسارہ بھی ہوتا ہے، کبھی خوشی کا موقع ہوتا ہے تو کبھی غم بھی آتا ہے، تجارت میں بھی زیادہ منافع لینا اور ذخیرہ اندوزی کرنا جائز نہیں ہے۔

عالمگیر اخوت

اسلام نے رنگ اور نسب کے امتیاز کو ختم کرکے سب اسلامی برادری کو ایک ہونے کا حکم دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ بے شک مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

چنانچہ اس بھائی چارے کی مثال حج بیت اللہ شریف کے موقعہ پر ملتی ہے، جب لاکھوں کی تعداد میں مسلمان بھائی سب ایک ہی سعی وکوشش میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس اسلامی برادری میں کسی کو رنگ ونسل کی وجہ سے کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ شخص بزرگ ہوسکتا ہے جو پرہیزگاری اور تقویٰ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۰

ترجمہ: بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسلام غلاموں کے ساتھ بھی بھائیوں جیسا سلوک کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

وہ تمہارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے تمہارے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ ان کی دلجوئی کرو، جیسا خود کھاؤ ان کو کھلاؤ، جیسا خود پہنو اُن کو پہناؤ۔

پھر غلاموں کو آزاد کرنے کا بڑا اجر ہے۔ غلاموں کو آزاد کرنے والے کو اللہ تعالیٰ آگ سے آزاد فرمائے گا۔

عورتوں کے حقوق اور طلاق

اسلام نے عورتوں کو مساوی حقوق دیے ہیں، مستورات جائیداد پر قابض ہو سکتی ہیں، خاتون کی مرضی کے بغیر شادی نہیں ہو سکتی اور ناساز گار حالات میں خاوند سے علیحدگی کا حق حاصل ہے، اگر شادی کے بعد مخالفت پیدا ہو جائے تو خاوند بیوی کو باہم صلح کے لیے ایک حکم (پنچ) مقرر کرنا چاہیے، اگر مصالحت ہو جائے تو فبہا ورنہ طلاق عمل میں آئے گی۔ اعلان طلاق کے بعد تین حیض کی عدت ہوگی، اگر اس مدت میں پھر باہم تعلقات قائم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، ورنہ عدت کے بعد فریقین اپنی حسب منشا جہاں چاہیں شادی کر سکتے ہیں، جب کہ مغربی ممالک میں باہمی رضامندی سے طلاق نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ضروری ہے کہ مرد سے طلاق لینے کے لیے خاتون مرد کی حرام کاری اور ظلم کا ثبوت دے۔ علاوہ ازیں طلاق لینے میں اتنا خرچ آتا ہے کہ ایک غریب آدمی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ نہ عیسائیت نہ ہندو مذہب نے طلاق کی اجازت دی ہے۔ عیسائی ملکوں میں طلاق کے جواز میں قوانین پاس کیے گئے ہیں اور ہنود بھی ایسا قانون پاس کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ دنیا کس طرح اب وہ اصول اختیار کرتی جا رہی ہے جن کو اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے مقرر کیا تھا۔

غرض کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جسے تمام دنیا کے مذاہب پر فوقیت حاصل ہے اور ہمہ گیر مساوات، عالمی برادری اور مذہبی رواداری کا حامل ہے۔

اسلامی قوانین کے آگے دنیا کے تمام قوانین ہیچ ہیں کیونکہ اس مذہب کے قوانین کا تیار

کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے اور ان کو رائج کرنے والا امام الانبیاء ہے تو دنیا کا کوئی قانون اور کوئی تہذیب اسلامی تہذیب کے سامنے نہیں چل سکتی۔

اس لیے اسلامی قوانین اور اصولوں کو چھوڑ کر غیر اسلامی طریقے اختیار کرنا بے شک موجب ہلاکت و تباہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیک راہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسلامی اصول اختیار کرنے کی ہدایت بخشے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

انتالیسواں وعظ

در بیانِ فضیلت سلام گفتن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا ط اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ط (سورۂ نسا، آیت:86)

سب تعریفیں اس مالک وخالق کو سزاوار ہیں جس نے انسان کو پیدا کر کے اسے زندگی کے آداب سکھانے کے لیے اور اس کی ہدایت کے لیے انبیا و رسول بھیجے اور ہزاروں درود وسلام سید الانبیاء فخر موجودات پر کہ جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شمار نہیں اور ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اسلام جیسے کامل دین کا ان کو پیشوا بنایا اور بعد ازاں لاکھ لاکھ شکر ہے اس مالک کا کہ جس نے ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اسلام میں پیدا کیا، جس کی خوبیوں کا شمار نہیں، بے شک ہمیں اسلام نے محبت ورواداری کا درس دیا ہے، محبت واخوت کے رشتے میں انسان کو پرو دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ساتھ کچھ بندوں کے حقوق بھی ایک دوسرے پر ادا کرنا واجب فرمادیے۔

ان ہی حقوق میں کچھ حقوق بڑے ہیں اور کچھ چھوٹے۔ چھوٹے چھوٹے حقوق میں ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سلام کریں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: لِلْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ یُسَلِّمُ عَلَیْہِ اِذَا لَقِیَہٗ وَیُجِیْبُ اِذَا دَعَاہُ وَیُشَمِّتُہٗ اِذَا عَطَسَ وَیَعُوْدُہٗ اِذَا مَرِضَ وَیَتْبَعُ جَنَازَتَہٗ اِذَا مَاتَ وَیُحِبُّ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ، صفحہ:398)

ترجمہ: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ پسندیدہ حقوق ہیں۔ جب اس سے ملے تو سلام کرے اور جب وہ بلائے جواب دے، جب چھینک مارے تو یرحمک اللہ کہے، جب بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرے اور جب مرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور جو اپنے لیے پسند کرے وہ اس کے لیے پسند کرے۔

سلام کہنے کا طریقہ

سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے:
وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا ط اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ط (سورۂ نسا، آیت:86)

ترجمہ: جب تمھیں کوئی سلامتی کا لفظ کہے تو تم بہتر الفاظ میں جواب دو، یا پھر وہی الفاظ لوٹا دو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

سلام کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے یا سَلَامٌ عَلَیْکُمْ یا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اگر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ پر وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کا اضافہ کردے تو بہتر ہے، کیونکہ اس طرح سے اخوت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نیکیاں بھی بڑھا دیتا ہے۔

فرمانِ نبوی کے مطابق صرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کی دس نیکیاں ہیں اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہنے کی بیس نیکیاں۔

لہٰذا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہے اور اگر وَمَغْفِرَتُہٗ کا اضافہ کردے تو احسن ہے اور اس طرح زیادہ نیکیوں کا حقدار بن جاتا ہے۔

فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَجُلاً جَآءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَرَدَّ عَلَیْہِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ عَشْرٌ ثُمَّ جَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ اٰخَرُ فَقَالَ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلٰثُوْنَ ثُمَّ اَتٰى اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ وَمَغْفِرَتُهٗ فَقَالَ اَرْبَعُوْنَ وَقَالَ هٰكَذَا تَكُوْنُ الْفَضَائِلُ۔ (رواہ ابوداؤد و مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور السلام علیکم کہا۔ حضور ﷺ نے اسے جواب دیا، وہ بیٹھ گیا، ارشاد فرمایا: اس کے لیے دس نیکیاں ہیں پھر دوسرا آیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کہا حضور نبی کریم ﷺ نے جواب دیا وہ بیٹھ گیا، حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے بیس نیکیاں، پھر تیسرا شخص آیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا، آپ نے اس کو جواب دیا پس وہ بیٹھ گیا، حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے تیس، پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ، حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے چالیس اور فرمایا: فضائل اسی طرح ہوتے ہیں۔

سلام کی ابتدا

روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کہنے کا حکم ہوا۔ انھوں نے فرشتوں کو سلام کیا تو انھوں نے جواب میں رحمت کے الفاظ کا اضافہ کیا۔

خَلَقَ اللهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَذَهَبَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ قَالَ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللهِ قَالَ فَكُلُّ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ اٰدَمَ فَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتَّى الْاٰنَ۔ (رواہ البخاری ومسلم ومشکوٰۃ، صفحہ:397)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی صورت پر پیدا فرمایا، ان کی لمبائی ساٹھ گز تھی۔ جب ان کو پیدا کیا تو فرمایا: جاؤ اس جماعت کو سلام کرو، وہ ایک فرشتوں کی

جماعت بیٹھی ہوئی تھی پس سنو کہ وہ تمھیں کیا جواب دیتے ہیں۔ بے شک وہ تمہاری اولاد کی تحیت ہے۔ آپ نے ان کے پاس جا کر السلام علیکم کہا، انھوں نے جواب میں کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضور نے فرمایا: فرشتوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ زیادہ کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص جنت میں جائے گا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت پر ہوگا، اس کا قد ساٹھ گز ہوگا اور ان کے بعد خلقت چھوٹی ہوتی گئی حتیٰ کہ اس قد کو پہنچی۔

سلام کی فضیلت

سلام کرنے کے بے شمار فضائل ہیں، سب سے پہلی فضیلت یہ ہے کہ سلام کرنے والے کو اللہ عزوجل نیکیوں کا اجر دیتا ہے اور صرف السلام علیکم کہنے والے کو دس نیکیاں السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ کہنے والے کو تیس اور اگر وہ مغفرتہ کا اضافہ کرے، اسے چالیس نیکیاں عطا ہوتی ہیں۔ جو اتنی سی بات کہنے پر اس کے نامہ اعمال پر لکھی جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا، جب وہ کسی گروہ کے پاس سے گزرتے تو انھیں السلام علیکم کہتے، وہ لوگ جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہتے اور اگر آپ کسی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کہتے تو وہ جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: آج تو لوگ ثواب لینے میں ہم سے بڑھ گئے ہیں۔ (الادب المفرد، صفحہ:440)

سلام دینے سے محبت بڑھتی ہے

جو کوئی مومن دوسرے بھائی کو سلام کرتا ہے تو یہ اس کے لیے سلامتی کی دعا ہے اور سلامتی کی دعا سے دوسرا بھائی خوش ہو کر اسے بڑھ چڑھ کر سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس طرح سلام کے تبادلے سے ان میں دوستی اور محبت کا اضافہ ہوتا ہے۔

دوسرے اگر کسی کے دل سے بغض و کینہ دور کرنے کی کوشش کی جائے تو ناممکن ہے لیکن صرف السلام علیکم کہہ دینے سے یہ رنجش دور ہو جاتی ہے کیونکہ اس لفظ میں محبت و خیر خواہی اور دوستی کا پیغام ہے۔ سلام ایک ایسی دعا ہے جو دل میں رنجش اور کدورت نہیں رہنے دیتی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس محبت اور دوستی میں اضافے کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے:

لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ ۝ (متفق علیہ و مشکوٰۃ، صفحہ:297)

ترجمہ: تم جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ ایمان کامل لاؤ اور مومن کامل نہ بنو گے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت رکھو، کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتادوں جب وہ کروگے تمہاری آپس میں دوستی ہوگی، آپس میں سلام پھیلاؤ۔

سلام میں سلامتی ہے

سلام ایک ایسی سلامتی کی دعا ہے جب ہم دوسروں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ: اے بھائی! تم پر سلامتی اور اللہ کی برکتیں ہوں، کیسی اچھی دعا ہے تو اس دعا سے اللہ عزوجل مومنوں کو سلامتی اور عافیت عطا فرماتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سلام کو پھیلاؤ اس میں تمہاری سلامتی ہے۔

براعازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

قَالَ اَفْشُوا السَّلَامَ تَسْلَمُوْا ۝ ترجمہ: سلام کو پھیلاؤ تمہاری سلامتی اس میں ہے۔

گھر والوں کو سلام دینے میں برکت ہے

جب گھر میں جاؤ یعنی داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب گھر سے نکلو تو ان کو سلام کرو۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لیے سلامتی اور برکت لکھ دیتا ہے۔ آج کل اکثر لوگ جب گھروں میں آتے ہیں وہ سلام نہیں کرتے اور نہ ہی جاتے وقت سلام کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: يَا بُنَيَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ ۝ (رواہ ابوداؤد و مشکوٰۃ: صفحہ:399)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! جب تو اپنے گھر والوں پر داخل ہو تو ان کو سلام کرو، تاکہ تیرے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت ہو۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سید عالم ﷺ یہ حکم دیتے تھے:

اِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهٖ وَاِذَا خَرَجْتُمْ فَاَوْدِعُوْا اَهْلَهٗ بِسَلَامٍ ۝ (رواہ بیہقی، مشکوٰۃ، صفحہ:399)

ترجمہ: جب تم گھروں میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب باہر نکلو تو اپنے گھر والوں سے سلام کر کے رخصت ہو۔

سلام نہ دینے والا بخیل ہے

رسول اللہ ﷺ نے سلام کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ جو سلام نہیں کرتا اسے بخیل فرمایا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: فلاں شخص کے میرے باغ میں پھل ہیں، ان کی وجہ سے مجھے تکلیف ہے۔ حضور ﷺ نے آدمی بھیج کر اسے بلوایا اور فرمایا: اپنے پھلوں کو بیچ ڈالو۔ اس نے کہا: میں نہیں بیچوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہبہ کردو، اس نے اس سے بھی انکار کیا تو آپ نے فرمایا: اس کو جنت کے پھل کے عوض بیچ دو، اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تجھ سے بڑھ کر میں نے کوئی بخیل نہیں دیکھا مگر وہ جو سلام میں بخل کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اَبْخَلُ النَّاسِ الَّذِيْ يَبْخَلُ بِالسَّلَامِ وَاِنَّ اَعْجَزَ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ بِالدُّعَاءِ ۝ (الادب المفرد، صفحہ:45)

ترجمہ: وہ بخیلوں کا بخیل ہے جو سلام کرنے میں بخل کرے اور بڑا عاجز وہ ہے جو دعا مانگنے سے بھی درماندہ و بے زار ہے۔

سلام میں پہل کرنا افضل ہے

جو شخص سلام کرنے میں پہل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے اور وہ اللہ کے قریب ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَاَ بِالسَّلَامِ ۔ (رواہ احمد وترمذی ومشکوٰۃ، صفحہ:398)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے قریب لوگوں میں سے وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا یَحِلُّ لِاِمْرِیءٍ مُسْلِمٍ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَیَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا وَخَیْرُ ھُمَا الَّذِیْ بَدَاَ بِالسَّلَامِ ۔

ترجمہ: کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے اور اگر وہ راستے میں مل جائے، ایک آنکھ چرائے اور دوسرا منھ پھیر لے تو ان میں افضل وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کی چند سیر کھجوریں بنی عوف کے ایک شخص کے ذمے تھیں لیکن وہ نہ دیتے تھے۔ وہ صحابی حضور ﷺ کے پاس آیا اور شکایت کی۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ بھیجا، جب راستے میں جارہے تھے تو جو بھی ملتا سلام کرتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دیکھتے نہیں کہ ہر شخص سلام کرنے میں پہل کرتا ہے اور پہل کرنے کا اجر اس کو مل جاتا ہے، تم بھی سلام کرنے میں پہل کرو تاکہ اس کا اجر تمھیں ملے۔ (الادب المفرد، صفحہ:429)

سلام کو رائج کرنے کا حکم

سلام کرنے سے محبت اور دوستی میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی برکتیں اور رحمتیں عام ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کارِ خیر کو پھیلایا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجِنَانَ ۔

(الادب المفرد، صفحہ:438)

ترجمہ: نہایت مہربانی کرنے والے کی عبادت کرو، کھانا کھلاؤ اور آپس میں سلام کو رائج

کرو جنت میں جاؤگے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَھُمَا شَجَرَۃٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ لَقِیَہٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ ۔ (رواہ ابوداؤد ومشکوٰۃ، صفحہ:399)

ترجمہ: جب تمہارا کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کرے، اگر ان کے درمیان درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہوجائے، پھر اس سے ملے پھر بھی اس کو سلام کرے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِذَا انْتَھٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی مَجْلِسٍ فَلْیُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَہٗ اَنْ یَّجْلِسَ فَلْیَجْلِسْ ثُمَّ اِذَا قَامَ فَلْیُسَلِّمْ فَلَیْسَتِ الْاُوْلٰی بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرِ ۔ (رواہ الترمذی ومشکوٰۃ، صفحہ:399)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مجلس کی طرف پہنچے تو سلام کرے، اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے، پھر جب کھڑا ہو یعنی جانے لگے تو پھر سلام کرے، اس لیے کہ پہلا دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں۔

ایک اور روایت میں ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ ۔

(رواہ البخاری ومسلم ومشکوٰۃ، صفحہ:397)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سی خصلت اہل اسلام کی بہتر ہے؟ فرمایا: کھانا کھلانا اور سلام کرنا ہر واقف اور ناواقف کو۔ یعنی سلام کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ واقف اور شناسا ہو، بلکہ ناواقف کو بھی سلام کرنا چاہیے۔

سلام کیسے کہنا چاہیے

سنت طریقہ یہ ہے کہ چلنے والا بیٹھے کو، سوار پیادہ کو اور کھڑا بیٹھے کو سلام کرے، تھوڑے

لوگ زیادہ کو سلام کریں، جماعت میں سے اگر ایک آدمی نے سلام کیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اگر ایک نے جواب دیا تو بھی سب کی طرف سے کافی ہوگا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ (متفق علیہ ومشکوٰۃ، صفحہ:297)

ترجمہ: چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھے کو اور تھوڑے بہتوں کو سلام کریں۔

اور فرمایا:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ (متفق علیہ ومشکوٰۃ، صفحہ:297)

ترجمہ: سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ: مشرک کو سلام کرنے میں ابتدا کرنا درست نہیں، اگر مشرک خود سلام میں پہل کرے تو علیک کہہ دینا ہی کافی ہوگا۔ مسلمان کے سلام کے جواب میں وعلیک السلام کہے۔ اگر ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ کا اضافہ کرے تو احسن ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو صرف سلام کرے تو جواب نہ دیا جائے اور اسے بتایا جائے کہ یہ اسلامی سلام نہیں۔ عورتیں بھی آپس میں سلام کریں، ان کے لیے مستحب ہے۔ جوان عورت کو مرد کا سلام کہنا مکروہ ہے، اگر وہ بے پردہ منہ کھول کر باہر نکلتی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

بچوں کو سلام کرنا مستحب ہے، اس سے ان کو اسلامی تہذیب کی تعلیم ہوتی ہے۔ مجلس سے اٹھنے والے کو مجلس والوں کے لیے سلام کہنا مستحب ہے، اگر دروازہ دیوار یا کوئی اور چیز حائل ہو تو بھی سلام کرنا ضروری ہے، اگر سلام کر کے چلا جائے اور دوبارہ ملے تو بھی سلام کرنا چاہیے۔

کن لوگوں کو سلام نہیں کہنا چاہیے

جو لوگ گناہ کے کاموں میں ملعون ہوں، ان کو سلام نہیں کرنا چاہیے، مثلاً: شطرنج گٹ،

جوز، پانسہ جوا کھیلنے والے اور کبوتر بازی کرنے والوں کو سلام نہ کرے، اگر وہ خود سلام کریں تو جواب دے دے لیکن اگر جواب نہ دینے سے قوی امید ہو کہ ان کو تنبیہ ہوگی اور گناہ کے کام سے رک جائیں گے تو جواب نہ دے۔

کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلق قطع نہ کرے، ہاں! اگر وہ بدعتی ہو، گمراہ ہو، یا گناہوں میں مبتلا ہو تو اس سے ہمیشہ ترک تعلق کرے۔ اگر کسی مسلمان سے قطع تعلق ہو جائے تو سلام کر کے تعلق جوڑا جا سکتا ہے اور قطع تعلقی کے گناہ سے بچا جا سکتا ہے۔

مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنا سنت ہے، اگر خود مصافحہ کی ابتدا کی ہو تو جب تک دوسرا آدمی دستکش نہ کرے اپنا ہاتھ نہ کھینچو۔

بطور تبرک ودیانت ایک کا دوسرے کے ہاتھ یا سر کو بوسہ دینا اور معانقہ کرنا جائز ہے۔ منہ چومنا مکروہ ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

☆☆☆

چالیسواں وعظ

دربیانِ سیلاب وقحط سالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ (سورۂ روم، آیت:41)

سب تعریفیں اس خدائے قدوس کے لیے سزاوار ہیں کہ جس نے ہمیں قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اس کے حبیب پاک پر کہ جس کے طفیل ہمیں ان انعام واکرام سے نوازا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں کا شمار ہمارے لیے ناممکن ہے لیکن ہم اس کی ایک نعمت کا ذکر کرتے ہیں کہ اس کی نعمتوں کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے۔

بارش ہی کو لیجیے جسے اللہ عزوجل نے مَآءً مُّبٰرَكًا فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا۔

ترجمہ: ہم نے آسمان سے برکت والی پانی برسایا۔

پانی کی برکتوں سے کون واقف نہیں، ہر چیز کی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔ روئے زمین پر زندگی کے آثار اسی برکت والے پانی کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔

زمین کی زندگی پانی سے ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پانی ہی سے اس قابل بنایا کہ رس رس سے درخت، سبزہ، پھول، پھل اور دیگر فصلیں کہ جن کو کھا کر انسان وحیوان زندہ ہیں پیدا ہوتی ہیں، پھر پانی حیواناتِ جسم کا جزو لازم ہے کہ خون کی روانی وودانی اسی سے ہے۔ خوراک کا کھانا اور ہضم ہونا اسی سے ہے۔

پس اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۔
(سورۂ انبیا، آیت:30)

ترجمہ: ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی وتر وتازگی بخشی ہے، کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ''غنیۃ الطالبین'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ پانی میں دس خوبیاں ہیں:

سیاہیت، نرمی، طاقت، صفائی، حرکت، تیزی، خنکی، تواضع، لطافت اور زندگی۔

اور اس پانی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں مومن کے دل میں رکھی ہیں۔ دل میں نرمی ہے، اخلاق میں خوبی ہے اور طاعت کی طاقت بھی، نفس کی لطافت بھی، عمل کی صفائی بھی ہے اور بھلائی کی طرف حرکت بھی، آنکھوں میں رطوبت ہے، گناہوں میں افسردگی ہے، مخلوق سے تواضع ہے اور حق بات سننے سے زندگی ہے۔

دوستو! اللہ عزوجل کی نعمتوں میں سے ہر ایک کی خوبیاں اگر گنوانا شروع کر دیں تو اس کے لیے ایک عمر دراز کی ضرورت ہے، ہمیں اللہ عزوجل کی نعمتوں کا شکر ہر دم ادا کرتے رہنا چاہیے اور برے اعمال سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ اس کی نعمتوں سے کفر کے مترادف ہے اور اس مالک نے خود فرمایا ہے کہ: تم پر جو نعمتوں کا اکرام ہوا ہے اس کا شکر ادا کرو اور گناہوں سے بچو۔

ان اعمال کی خرابی انسان کے لیے مصیبت لاتی ہے اور جب انسان اللہ عزوجل کے حکم سے سرتابی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی زندگی کو دشوار بنا دیتا ہے اور اپنی نعمتوں کو اس کے لیے حرام کر دیتا ہے بلکہ یہی نعمتیں اس کے لیے وبال بن جاتی ہیں اور برے اعمال کی وجہ سے ہمارے لیے دشواریاں پیدا کرتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ (سورۂ روم، آیت:41)

ترجمہ: پھیل گئی خرابی، خشکی اور تری میں ان برائیوں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے

کمائیں تاکہ انھیں ان کے بعض کوتکوں کا مزہ چکھائے شاید کہ وہ باز آئیں۔

دوستو: جب انسان اعمال بد پر اترتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی نعمتوں کو روک لیتا ہے اور قحط پیدا کردیتا ہے یا اس قدر کثرت کردیتا ہے کہ وہ انسان کے لیے مصیبت کا باعث بن جائے۔

پانی یعنی بارش کی کمی سے اللہ تعالیٰ قحط سالی پیدا فرمادیتا ہے تو لوگ بھوکے مرنا شروع کردیتے ہیں اور حرام وحلال میں تمیز نہیں رہتی، لیکن اگر وہ بارش کی کثرت کردیتا ہے تو اس کو قابو میں رکھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔

پھر سیلاب کی صورت میں سب فصلیں، درخت، مکانات، حیوان اور انسان اس میں بہے چلے جاتے ہیں۔

قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عذاب

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کے لیے انھیں سمجھایا اور ہر طریقے سے ان کو اپنے اعمال سنوارنے کی ہدایت کی لیکن آپ کی اس جدوجہد کے باوجود وہ لوگ راہ راست پر نہ آئے، کھلم کھلا کفروشرک کرتے رہے اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت پر چلنے کی بجائے آپ کو دھمکیاں دینے لگے تو تنگ آکر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے برے اعمال کی سزا کی دعا فرمائی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (سورۂ نوح، آیت:27)

ترجمہ: اے رب! ان کافروں میں سے کسی کو اپنی مقدس زمین پر زندہ نہ رہنے دے، اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور یہ فاجر اور کافر لوگوں کو جنم دیں گے۔

اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان پر عذاب نازل فرمایا اور آسمان سے اس قدر پانی زمین پر اکٹھا ہوگیا کہ لوگ اللہ کے اس عذاب سے

محفوظ نہ رہ سکے۔ ان چند نفوس کے سوا جو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوکر اللہ عزوجل کی پناہ میں تھے۔

میرے دوستو! آئے دن کے سیلاب اور ان کی تباہ کاریاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ عزوجل کے حکم کی سرتابی کرکے ہم گناہ گاری میں مبتلا ہیں اور ہمارے اعمال کی سیاہ کاری کے عوض ہمیں ہر سال خوفناک طوفانِ باراں کا شکار ہونا پڑتا ہے اور پھر سیلاب جو تباہی مچاتا ہے اس سے اللہ کی پناہ۔

فصلیں تباہ ہوجاتی ہیں، لوگ بے گھر ہوجاتے ہیں اور مویشی بہہ جاتے ہیں۔ جس طرح بارش کی کثرت ہمارے لیے وبالِ جان ہے اسی طرح بارش کا وقت سے بے وقت ہونا یا نہ ہونا، جسے قحط سالی کہتے ہیں وہ بھی ہمارے برے اعمال کی وجہ سے ہے۔

مکہ میں قحط سالی

رسول اللہ ﷺ کو جب کفار نے بہت تنگ کیا اور قتل کے درپے ہوگئے تو اللہ عزوجل کے حکم سے آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مکہ میں کفار نے حضور ﷺ کے خلاف سازشیں شروع کردیں، ان کی اس گمراہی وبے ادبی اور بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں قحط سالی میں مبتلا کردیا۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے مرنے لگے اور یہاں تک کہ مردار کھانے لگے۔

پھر ابوسفیان اور دوسرے لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لیے عرض کیا، کیونکہ انھیں یقین تھا کہ یہ ان کے اعمال کی شامت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی قوم بھوک سے مر رہی ہے بارش کے لیے دعا کیجیے۔

چنانچہ حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور کچھ کھجوریں بھی دیں۔

دوستو! جو لوگ بداعمالیوں پر اتر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا رزق کم کردیتا ہے۔ بے شک یہ ان کے اعمال کی سزا ہوتی ہے، خواہ وہ مالک ورزاق کوئی طریقہ اختیار کرلے۔ پانی

اس قدر برسادے کہ پانی کے طوفان سے بربادی ہوجائے یا وہ رحمت کی بارش کو روک لے کہ قحط سالی سے لوگ بھوکے مرنے لگیں۔

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم عاد کا قصہ قرآن کریم میں آیا ہے جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ۔ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ۔ (سورۂ احقاف، آیت:21)

ترجمہ: قومِ عاد کے بھائی (حضرت ہود) کو یاد کرو، جب اس نے ان کو احقاف کی سرزمین میں ڈرایا۔

اس سے ظاہر ہے کہ عاد احقاف کے علاقے میں رہتے تھے جو عمان اور حضرموت کے درمیان یمن کا ریگستانی علاقہ ہے۔

یہ لوگ لمبے قد اور مضبوط جسم کے حامل تھے کہ بعض کا قد تو سو گز تک لمبا تھا اور کم سے کم قد والے لوگ ساٹھ گز لمبے تھے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَزَادَهُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً۔

ترجمہ: اور تم کو تخلیق میں لمبے چوڑے جسموں والے بنایا۔

یعنی قوم عاد کے جسم بہت لمبے اور مضبوط تھے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر انعام تھا جس کا وہ شکر ادا نہ کر سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے 24ویں پارے میں ان کی طاقت جسمانی کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہتے تھے: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً۔ ہم سے قوت میں کون زیادہ ہے؟

اس سے ظاہر ہے کہ وہ قوت میں بہت توانا تھے، یہاں تک کہ ان کا کوئی شخص پہاڑ سے بھاری پتھر اکھاڑ کر جہاں چاہتا تھا لے جاتا تھا۔

قوم عاد کے لمبے قد کے بارے میں قرآن کریم میں ایک جگہ اور ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ۔ (سورۂ فجر، پارہ:30)

ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔ وہ عاد ارم حد سے زیادہ طول والے کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا۔

اس نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گونا گوں نعمتوں سے نواز رکھا تھا کہ ان کو خوبصورت مکانات اور محلات اور قیمتی پتھروں اور مصالحوں سے تیار شدہ عمارتیں میسر تھیں، سارا ملک باغوں اور سیر گاہوں سے آراستہ تھا، غرض اللہ تعالیٰ نے ان کے عیش و آرام کے لیے ہر قسم کے سامان مہیا کر دیے تھے اور چوپائے ان کی بار برداری اور دودھ پینے کے لیے تھے، ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اللہ عزوجل نے ان کو بیٹے عطا فرما رکھے تھے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ۔ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ۔ (سورۂ شعراء، آیت:133-134)

ترجمہ: تمہاری مدد چوپایوں، بیٹوں، باغوں اور چشموں سے کی۔

لیکن اس فراوانی عیش و عشرت نے ان کو اس قدر غافل بنا دیا کہ وہ اپنے محسن خالق کو بھول گئے اور اس کی نعمتوں کی قدر نہ کی، اس کا شکر کرنے کے بجائے اسے بھلا بیٹھے اور کفر و شرک اور بت پرستی کی طرف راغب ہوئے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گمراہی اور ضلالت سے نکالنے کے لیے ان کو اپنے محسن کی نعمتوں کا شکر گزار بنانے کے لیے اور ان کو راہ ہدایت اختیار کرنے کی تلقین کرنے کے لیے حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان پر مبعوث فرمایا جنھوں نے ان کو راہ راست پر لانے کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ (سورۂ اعراف، آیت:65)

ترجمہ: اے قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

لیکن بجائے ہدایت یابی کے وہ تباہی و بربادی کے گڑھے کی طرف بڑھے اور اپنے ہادی و رہبر کو جھوٹا کہنے لگے، بولے: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔ (سورۂ اعراف، آیت:66)

ترجمہ: اس قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمھیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک

ہم تمھیں جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔

آپ نے ان کی جہالت سے چشم پوشی فرما کر نہایت حلم سے جواب دیا: يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (سورۂ اعراف، آیت:67)

ترجمہ: اے میری قوم! مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار کا رسول ہوں۔

کبھی آپ ان کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں یاد دلا کر اللہ تعالیٰ سے ڈراتے اور فرماتے:

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ۔ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ۔ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ (سورۂ شعرا، آیت:132 تا 135)

ترجمہ: اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری امداد کی، ان چیزوں سے کہ تمھیں معلوم ہے تمہاری مدد کی چوپایوں، بیٹوں، باغوں اور چشموں سے، بے شک مجھے تم پر ڈر ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا۔

تو وہ جواب دیتے ہیں: قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ۔ (سورۂ شعرا، آیت:136)

ترجمہ: بولے ہمیں برابر ہے چاہے تم نصیحت کرو، یا ناصحوں میں نہ ہو، ہم تمہاری دعوت قبول نہ کریں گے۔

جب آپ ان کو عذاب الٰہی سے ڈراتے کہ بت پرستی اور برے کاموں سے باز آجاؤ تو کہتے:

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (سورۂ اعراف، آیت:70)

ترجمہ: تو لاؤ جس کا ہمیں وعدہ کرتے ہو، اگر سچے ہو۔

تو آپ نے فرمایا: اچھا عذاب کا انتظار کرو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ۔ (سورۂ اعراف، آیت:71)

ترجمہ: پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

چنانچہ وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے کہ بارش کا سلسلہ مسدود ہو گیا اور شدت کا قحط پڑا اور مسلسل تین سال تک آسمان سے پانی کی ایک بوند نہ گری، تمام چشمے اور تالاب اور دریا خشک ہو گئے، فصلیں سوکھ گئیں، باغات ویران ہو گئے، چوپایوں کی زندگی کا کوئی سہارا نہ رہا،

انسان بدحواس اور پریشان ہو گئے، بہت زور آور تھے، لیکن بارش پر کوئی زور نہ چل سکتا تھا۔

پوری قوم قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو گئی تو حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی حالت پر رحم آیا اور فرمایا:

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ۔ (سورۂ ہود، آیت:52)

ترجمہ: اے میری قوم! اپنے رب سے معافی چاہو ایمان لا کر، پھر اس کی طرف رجوع کرو، تم پر زور کا پانی بھیجے گا اور تم میں جتنی قوت ہے اس سے زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔

قوم عاد کی عبرت ناک تباہی

اس نصیحت کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور توبہ واستغفار نہ کی مگر ان کا ایک وفد مکہ معظمہ گیا، تا کہ بیت اللہ شریف میں بارش کی دعا مانگی جائے۔ وہاں انھوں نے بارش کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تین بادل بھیجے: ایک سفید، ایک سرخ، ایک سیاہ، آسمان سے وفد کے سردار کو ندا ہوئی جس کا نام قیل تھا کہ وہ اپنی قوم کے لیے ایک بادل کو اختیار کر لے۔ اس نے ابر سیاہ کو اختیار کیا، بایں خیال کہ اس سے بہت پانی برسے گا۔

چنانچہ وہ ابر قوم عاد کی طرف چلا، قوم عاد اس کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی اور کہنے لگی جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے: هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا۔ یہ بادل ہے کہ ہم پر برسے گا۔

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کم بختو!

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا۔ (سورۂ احقاف، آیت:24-25)

ترجمہ: بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ ہر شے کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے۔

چنانچہ اس بادل سے ایک ہوا چلی، وہ اس شدت کی تھی کہ اونٹوں اور آدمیوں کو اڑا کر

کہیں سے کہیں لے جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ گھروں میں داخل ہوگئے اور اپنے دروازے بند کر لیے مگر عذاب الٰہی سے کیسے چھوٹ سکتے تھے۔ ہوا نے دروازے بھی اکھاڑ دیے اور ان لوگوں کو ہلاک کر دیا، یہاں تک کہ قوم کا ایک بچہ بھی نہ بچ سکا جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا کَانُوْ مُؤْمِنِیْنَ۝

(سورۂ اعراف، آیت:72)

ترجمہ: اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے، ہم نے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان والے نہ تھے۔

حکایت

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں قحط پڑا، آپ نے نماز استسقا پڑھی اور دعا مانگی، مگر بارش کا ایک قطرہ بھی نہ گرا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم میں ایک گنہگار ہے جو 40 سال سے میری نافرمانی میں مشغول ہے، اس لیے بارش نہیں ہو رہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کو خطاب کیا اور فرمایا: اے وہ شخص جو برابر 40 سال سے گناہوں میں مشغول ہے، میں اسے قسم دے کر کہتا ہوں کہ ہماری جماعت سے نکل جائے۔

گنہگار نے دل میں سوچا کہ اگر اب جاتا ہوں تو بنی اسرائیل مجھے پہچان لیں گے، اس نے دل ہی میں توبہ کر لی، ادھر زور کی بارش ہوگئی۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی: مولا! اب کیسے بارش ہوگئی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس گنہگار کی وجہ سے۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: خدایا وہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے اس کی پردہ دری اس وقت بھی نہیں کی جب کہ وہ گناہ کرتا تھا۔ اب میں اس کی پردہ دری کیسے کروں کہ اب وہ تائب ہوگیا ہے۔

(نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:45)

☆☆☆